خصوصی شمارہ

ISSN 0971. 8338

یوجنا

جنوری 2016 | ترقیاتی ماہنامہ | 20 روپے

تعلیم: کامیابی کی کلید

ہندوستانی اسکولی تعلیم میں تبدیلی کے اقدامات
آر گووندا

تعلیم اور مالیہ کا بندوبست
جندھیالا بی جی تلک

تعلیم کے میدان میں ٹکنالوجی
راجارام ایس شرما

ہندوستان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم
وملا رام چندرن

فوکس

اقدار پر مبنی سماج: مل جل کر رہنے کے لئے تعلیم ضروری
جے ایس راجپوت

خصوصی مضمون

ہندوستان میں داخلی تعلیم کا نقش راہ
ڈاکٹر انوپریہ چڈھا

گیان-تال میل پر مبنی اقدام کی شروعات

تعلیمی نیٹ ورکوں کے عالمی اقدام (گیان) کا پروگرام انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت کے ایک اہم پروگرام کے طور پر حال ہی میں شروع کیا گیا تھا تا کہ ہندوستان کے اعلیٰ تعلیم کے اداروں اور تعلیمی اہمیت کے عالمی طور سے تسلیم شدہ اداروں کے درمیان تال میل کو وسیع اور گہرا کیا جائے۔اس پروگرام کے تحت غیر ممالک کے اعلیٰ درجے والے اداروں کے ساتھ اساتذہ ہندوستان آئیں گے، اپنے ہم پلہ اساتذہ کے ساتھ اور طلبا کے ساتھ تفاعل اور ساجھے داری کریں گے نیز آئندہ سال میں خصوصی مہارت والے کورسز فراہم کریں گے۔فی الحال 38 ملکوں کے اساتذہ کے ذریعے کورسز فراہم کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے جن میں امریکہ کے 146 اساتذہ، برطانیہ کے 9 اساتذہ، جرمنی اور آسٹریلیا کے چھ چھ اساتذہ اور اسرائیل کے دو اساتذہ شامل ہیں۔فہرست میں روس، جاپان، سنگاپور، سوڈان، سوئٹزر لینڈ، پرتگال، نیدر لینڈ، ملیشیا اور جنوبی کوریا بھی شامل ہیں۔ماہرین تعلیم کا یہ ممتاز گروپ 13 تعلیمی شعبوں اور 352 کورسز کا احاطہ کرے گا۔جو 68 قومی اداروں میں پڑھائے جائیں گے۔ان کورسز کی مدت ایک ہفتے سے لے کر تین ہفتے تک ہے جس کا انحصار موضوع پر ہے نیز یہ کورسز میزبان ادارے کے طلبا کے لئے مفت نیز دیگر اور براہ راست ویب کاسٹ کے لئے برائے نام اخراجات پر دستیاب ہیں۔ویب کاسٹنگ سے ملک بھر کے طلبا حقیقی وقت میں اعلیٰ معیاری تعلیمی مواد تک رسائی حاصل کرتے ہوئے فائدہ اٹھا سکیں گے۔کورس کے مواد تک مسلسل رسائی کی حوصلہ افزائی کرنے اور اسے ممکن بنانے اور فراہم کرنے کے لئے اسے متعلقہ ادارے کی ویب سائٹ پر بھی ڈالا جائے گا۔یہ لیکچرس بعد میں سویم' موکس (وسیع اوپن آن لائن کورسز) کے پلیٹ فارم نیز قومی ڈیجیٹل لائبریری کے ذریعے ملک کے طلبا کو مفت دستیاب کرائے جائیں گے۔ایک ویب پورٹل۔(gian.iitkgp.ac.in) آئی آئی ٹی کھڑگ پور نے وضع کیا ہے جس سے ان کورسز کے لئے الیکٹرونک رجسٹریشن کرایا جا سکے گا۔

ٹکنالوجی کے چیلنجوں کے سلسلے میں تحقیق کے لئے مشترکہ اقدام کی شروعات

ہندوستان کے لئے متعلق ٹکنالوجی کے دس شعبوں میں انجینئرنگ اور ٹکنالوجی کے بڑے چیلنجوں سے نمٹنے کے سلسلے میں تحقیق کے لئے ایک رہنمایانہ خاکہ تیار کرنے کی غرض سے 'امپرنٹ انڈیا' کے نام سے ہمہ آئی آئی ٹی اور آئی آئی ایس کے ایک مشترکہ اقدام کی شروعات حال ہی میں کی گئی ہے۔اس اقدام کے مقاصد ہیں (1) اختراع کی ضرورت مند سوسائٹی کے لئے فوری مناسبت کے شعبوں کی نشاندہی کرنا۔

(2) نشاندہی کردہ شعبوں میں براہ راست سائنسی تحقیق کرنا۔(3) ان شعبوں میں تحقیق کے لئے زیادہ مالی امداد کو یقینی بنانا نیز (4) دیہی/شہری شعبوں میں زندگی گزارنے کے معیار پر اثر کے حوالے سے اسی تحقیقی کوشش کے نتائج کا اندازہ لگانا۔امپرنٹ انڈیا دس موضوعات پر توجہ مرکوز کرے گا، جن میں سے ہر ایک کے سلسلے میں ایک آئی آئی ٹی/ آئی آئی ایس کے ذریعے تال میل کیا جائے گا یعنی (i) صحتی دیکھ بھال۔آئی آئی ٹی کھڑگ پور۔(ii) کمپیوٹر سائنس اور آئی سی ٹی۔آئی آئی ٹی کھڑگ پور (iii) ایڈوانس میٹریلس۔آئی آئی ٹی کھڑگ پور (iv) آبی وسائل اور دریاؤں کے نظام۔آئی آئی ٹی کھڑگ پور (v) پائیدار شہری ڈیزائن۔آئی آئی ٹی رُڑکی۔(vi) دفاع۔آئی آئی ٹی مدراس (vii) اشیاء سازی۔آئی آئی ٹی مدراس (viii) چھوٹی ٹکنالوجی والے ہارڈ ویئر۔آئی آئی ٹی بمبئی۔(ix) ماحولیاتی سائنسی اور آب و ہوا میں تبدیلی۔آئی آئی ایس، بنگلور اور (x) توانائی کا تحفظ۔آئی آئی ٹی۔بمبئی

ہندوستان میں ان ایکٹو یٹیڈ پولیو ویکسین (آئی پی وی) کی شروعات

ہندوستان میں انجکشن کے ذریعے دی جانے والی ان ایکٹیویٹیڈ پولیو ویکسین (آئی پی وی) ''پولیو کے خاتمے کی عالمی حکمت عملی'' کے تئیں ہندوستان کے عہد کے ایک حصے کے طور پر حال ہی میں شروع کی گئی ہے۔حکومت ہند اورل پولیو ویکسین کے ساتھ ساتھ بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے اپنے حسب معمول پروگرام میں آئی پی وی شروع کر رہی ہے۔اس طرح سے وہ ہندوستانی بچوں کو دوہرا تحفظ فراہم کرنے نیز پولیو کے خاتمے کے سلسلے میں ہندوستان کے فوائد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ایک سنگ میل قدم اٹھا رہی ہے۔پہلے مرحلے میں یہ ویکسین چھ ریاستوں یعنی آسام، گجرات، پنجاب، بہار، مدھیہ پردیش اور اتر پردیش میں شروع کی جائے گی۔ایک سال سے کم عمر کے بچوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے حسب معمول مفت سیشنوں میں اورل پولیو ویکسین (او پی وی) کی تیسری خوراک کے ساتھ آئی پی وی کا انجکشن لگایا جائے گا۔بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے حسب معمول پروگرام میں آئی پی وی کی شروعات مئی 2015 میں عالمی صحتی اسمبلی میں کی گئیں ان سفارشات کے مطابق کی گئی ہے، جن کی توثیق پولیو کے خاتمے کی عالمی حکمت عملی کے ذریعے کی گئی تھی۔

☆☆☆

1SSN 0971. 8338

ترقیاتی ماہنامہ

یوجنا

نئی دہلی

نیا سال مبارک

جنوری 2016 تعلیم: کامیابی کی کلید

☆ چیف ایڈیٹر کے قلم سے	اداریہ	4
☆ ہندوستانی اسکولی تعلیم میں تبدیلی کے اقدامات	آر گووندا	5
☆ تعلیم اور مالیہ کا بندوبست	جندھیالا بی جی تلک	9
☆ ہندوستان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم	وملا رام چندرن	11
☆ تعلیم کے میدان میں ٹکنالوجی	راجا رام ایس شرما	15
☆ مل جل کر رہنے کے لئے تعلیم کا حصول ضروری	جے ایس راجپوت	18
☆ ہندوستان میں داخلی تعلیم کا نقش راہ	ڈاکٹر انوپریہ چڈھا	22
☆ پسماندہ طبقات کی تعلیم: مسائل و چیلنج	ایس سرینواسن راؤ	25
☆ تعلیم تک رسائی	شیلندر شرما	28
☆ کیا آپ جانتے ہیں؟	واٹیکا چندرا	33
☆ نیشنل ڈیجیٹل لائبریری	پلابن بھومک......	34
☆ معیاری تعلیم کے لئے ویژن	کرن بھٹی	38
☆ قدیم ہندوستان میں تعلیم: مٹھ، پاٹھ شالائیں اور جنوبی ہند کے اگرہارا گاؤں	دلیپ کے چکر برتی	41
☆ ہندوستان میں تعلیم کو پیشہ ورانہ رخی بنانا	امت کوشک/رادھیکا رائے	43
☆ نوعمروں کی تعلیم میں نفسیاتی چیلنج	جیتندر ناگپال	45
☆ تعلیم، تحقیق اور ترقی کا میک ان انڈیا مشن سے تعلق	اشوک جھن جھن والا	48
☆ تعین کرنے کے ایک اچھے نظام کی ضرورت	پروفیسر اوتار سنگھ	53
☆ کامیابی کے لئے تعلیم ناگزیر	ظفر اقبال	56
☆ سوچھتا ابھیان نے رفتار پکڑی	سعید انجم	59
☆ سانسد آدرش گرام یوجنا: ایک جائزہ	مقصود خان	61
☆ علم طاقت ہی نہیں لازوال دولت	محمد فوزان	63
☆ رسائل و جرائد	نسیم الدین	66
☆ شہر خیال	قارئین کے خطوط	68
☆ بڑھتے قدم	......	70
☆ گیان: تال میل پر مبنی اقدام کی شروعات (ترقیاتی رہنمایانہ خاکہ)		کور۔II

چیف ایڈیٹر:

دیپیکا کچھل

ایڈیٹر

ڈاکٹر ابرار رحمانی

011-24365927

معاون: رقیہ زیدی

سرورق: جی پی دھوپے

جلد: 35 شمارہ: 10

قیمت: (خصوصی شمارہ) 20 روپے

جوائنٹ ڈائریکٹر (پروڈکشن):

وی کے مینا

سالانہ خریداری اور رسالہ نہ ملنے کی شکایت کے لئے رابطہ:

بزنس مینیجر:

pdjucir@gmail.com

جرنلس یونٹ، پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات، روم نمبر 53-48، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی۔110003

مضامین سے متعلق

خط۔ کتابت کا پتا:

ایڈیٹر یوجنا (اردو)، E-601، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی-110003

ای میل: yojana.urdu@yahoo.co.in

ویب سائٹ: www.publicationsdivision.nic.in

● **یوجنا** اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، آسامی، گجراتی، کنڑ، ملیالم، مراٹھی، تمل، اڑیہ، پنجابی، بنگلہ اور تیلگو زبان میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔☆ نئی ممبرشپ، ممبرشپ کی تجدید اور ایجنسی وغیرہ کے لئے منی آرڈر، ڈیمانڈ ڈرافٹ، پوسٹل آرڈر ''اے ڈی جی پبلی کیشنز ڈویژن (منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ) کے نام درج ذیل پتے پر بھیجیں: بزنس منیجر یوجنا (اردو) پبلی کیشنز ڈویژن (جرنلس یونٹ) بلاک iv لیول vii، آر کے پورم، نئی دہلی۔110066 فون: 011-26100207

زرسالانہ: 100 روپے، دوسال: 180 روپے، تین سال: 250 روپے، پڑوسی ملکوں کے لیے (ایئرمیل سے) 530 روپے۔☆ یوروپ اور دیگر ممالک کے لیے (ایئرمیل سے) 730 روپے۔

☆ اس شمارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ضروری نہیں کہ یہ خیالات ان اداروں، وزارتوں اور حکومت کے بھی ہوں، جن سے مصنفین وابستہ ہیں۔

یوجنا منصوبہ بند ترقی کے بارے میں عوام کو آگاہ کرتا ہے مگر اس کے مضامین صرف سرکاری نقطۂ نظر کی وضاحت تک محدود نہیں ہوتے۔

چیف ایڈیٹر کے قلم سے

یوجنا

تعلیم برائے تبدیلی

''تعلیم وہ سب سے طاقت ور ہتھیار ہے جس کے ذریعہ آپ دنیا کو بدل سکتے ہیں'' --- نیلسن منڈیلا

یہ مشہور قول تعلیم کی بنیادی اہمیت کا نچوڑ ہے اور ہندوستان جیسے ملک پر بھی یہ پوری طرح صادق آتا ہے۔ایک نوعمر جمہوریت کے ناطے ہندوستان تعلیمی محاذ پر دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔قوم کے بانیوں کی دوررس نگاہوں نے تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور انہوں نے اس کی ترقی کے لئے جو اقدامات کئے، قوم آج اس کے ثمرات سے مستفید ہورہی ہے۔تاریخی لحاظ سے بھی ہندوستان میں تعلیم کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔زمانہ قدیم میں مذہبی پیشواؤں نے علم و دانش کے لئے تعلیم حاصل کی جب کہ شتریوں اور ویشیوں نے جہاں بانی، نظم حکمرانی، جنگ یا تجارت جیسے مخصوص مقاصد کے لئے علوم سیکھے۔زمانہ قدیم کے طریقۂ تعلیم حصول رزق پر مبنی تھے۔عالمی سطح پر بھی ہندوستان اعلی تعلیم کے حصول کا اعلی ترین مرکز تھا جہاں دنیا بھر سے علم کے متلاشی آتے اور اپنی پیاس بجھاتے۔نالندہ علم کے بڑے مراکز میں سے ایک تھا، جہاں تمام علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور ایک زمانے میں یہاں دس ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آزادی کے بعد پالیسی سازوں نے برطانوی حکومت کے اشرافیہ نظام تعلیم کو مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر قائم عوامی بنیاد پر مبنی نظام میں تبدیل کرنے کے لئے سخت محنت کی۔2009 میں تعلیم کا حق قانون کے ذریعہ حصول تعلیم کو بنیادی حق قرار دیا گیا اور ایک قومی تعلیمی پالیسی کا بھی اعلان کیا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ پالیسی سازوں نے سروسکشا ابھیان اور مڈ ڈے میل اسکیم جیسے اقدامات کے ذریعہ ہر ایک کو تعلیم کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی۔

آج ہندوستان کو بین الاقوامی میدان میں نہ صرف تیزی سے ابھرتی ہوئی معیشت کا قابل فخر مقام حاصل ہے بلکہ اس کے پاس اہل اور تعلیم یافتہ افراد پر مبنی ایک طاقت ور انسانی وسائل کا عظیم ذخیرہ بھی ہے۔اعلی تعلیم یافتہ ٹکنالوجی سے آراستہ اور سائنسی تربیت یافتہ ہندوستانی شہری دنیا کے کونے کونے میں اپنی مہارت کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں اور ملک کا سر فخر سے بلند کر رہے ہیں۔حالیہ برسوں کے دوران ایک قابل ذکر حصولیابی خواندگی کی سطح میں اضافہ ہے۔آزادی کے وقت ہندوستان میں شرح خواندگی صرف 12 فیصد تھی۔آج 2011 کی مردم شماری کے مطابق ہماری خواندگی کی شرح 74.4 فی صد ہو چکی ہے۔کیرالہ 93.91 فی صد اور میزورم 91.58 فی صد کی شرح کے ساتھ سرفہرست ہیں اور دیگر ریاستیں کو بھی نئی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے حوصلہ بخش رہی ہیں۔

تاہم اس سفر میں کچھ چیلنجز اور کچھ خامیاں بھی ہیں۔تعلیم تک رسائی اب بھی بہت سے لوگوں کے لئے ایک خواب ہے، بالخصوص دور افتادہ علاقوں کے لوگوں کے لئے جہاں کوئی اسکول کی عمارت نہیں ہے یا جہاں بارش یا برف باری کے دنوں میں اسکول تک پہنچنا ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔قبائلیوں، پسماندہ طبقات، شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائبس کے لئے تعلیم تک نابرابر رسائی تشویش کا ایک بڑا سبب ہے جب کہ پالیسی ساز انہیں قوم کی تعمیر کے عمل میں شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔دیہی علاقوں میں اسکولوں میں بیت الخلا کا نہ ہونا سلامتی کے لحاظ سے تشویش کا ایک اہم پہلو ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے لڑکیوں کے ڈراپ آوٹ کی سطح پریشان کن حد تک پہنچ چکی ہے۔تعلیم کے لئے منصوبہ بندی کرتے وقت مخصوص دیکھ بھال کے ضرورت مند یا معذور بچوں کی خصوصی ضرورتوں پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ بہر حال اب ان مسائل کو تسلیم کیا جا رہا ہے اور حکومت سماج کے ان طبقات کی جامع ترقی کے لئے مختلف پروگراموں پر کام کر رہی ہے۔ گیان (GIAN)، سویم (SWAYAM) اور نیشنل ڈیجیٹل لائبریری جیسے مختلف پروگراموں کے ذریعہ تعلیم تک بہتر رسائی کیلئے ٹکنالوجی کا استعمال کیا جا رہا ہے۔خودکار مانیٹرنگ سسٹم اور تجزیہ کا موثر نظام نیز ہائی اسکول اور کالج کی سطح پر ووکیشنل ایجوکیشن کو وقت کی ضرورت تسلیم کر لیا گیا ہے۔تعلیم میں اچانک اضافہ اور بہتر کرنے کی خواہش نے ایک دوسری تشویش ناک صورت پیدا کردی ہے کیوں کہ طالب علموں پر بہترین کارکردگی اور حصولیابی کے لئے دباو کافی بڑھ گیا ہے۔ بچے کو میکانیکل ایجوکیشن سسٹم کے ایک پروڈکٹ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے اور ان کی انفرادی ترقی اور لائف اسکل ڈیولپمنٹ کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔افراد کو مشین بنا کر رکھ دیا گیا ہے جو نہ تو اپنے بارے میں سوچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی آزادانہ فیصلہ کر سکتا ہے۔لہذا نظام تعلیم میں ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے جو بچے کو سماج کے چیلنجز کا موثر انداز میں مقابلہ کرنے کے لائق بنا سکے، اس کے لئے اسکول کے تعلیمی نصاب میں لائف اسکل ٹریننگ پروگرام شامل کیا جانا چاہئے۔2012 میں سی بی ایس ای نے اپنے مسلسل اور جامع جائزہ (سی سی ای) کے حصہ کے طور پر 18-10 برس کی عمر گروپ کے طلبہ کے لئے لائف اسکل ٹریننگ پروگرام شروع کیا۔سروسکشا ابھیان (ایس اس اے) کے ایجنڈے میں بھی اپر پرائمری کی بچیوں کے لئے معیاری بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ لائف اسکل ٹریننگ شامل ہے۔ملک کے شہری کی حیثیت سے بچے کی ہمہ جہت ترقی کے لئے اقدار پر مبنی تعلیم بھی ضروری ہو گیا ہے، جسے اسکول اور کالج کی سطح پر ان کی نشو و نما اور فروغ پر توجہ مرکوز کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

میلوں کا سفر ہم طے کر چکے ہیں۔افراد کی تعمیر پر حکومت جس طرح مسلسل توجہ دے رہی ہے اس سے ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ تعلیم کا حقیقی مقصد یعنی قوم کی تعمیر اور ہمارے مستقبل کی نسلوں کی صورت گری کا بنیادی مقصد حاصل ہو سکے گا۔

آر گووندا

ہندوستانی اسکولی تعلیم میں تبدیلی کے اقدامات:

پالیسی معاملات اور ترجیحات

ملک کے لئے ایک نئی تعلیمی پالیسی تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بہر حال تعلیم کا حق قانون میں جو درست خطوط طے کئے گئے ہیں اس نے اس مشکل راستے پر قدم بڑھانے کے لئے راہ کو ہموار کر دیا ہے۔ مساوی حقوق کے اصول کو نافذ کرنے کے لئے مشترکہ تجربات پر عمل درآمد اور عدم مساوات کی سطح کو کم سے کم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے اداروں کے بارے میں غور کرنا ضروری ہے جو ان مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوں یا جو ان کی راہ میں رخنہ ڈالنے والے ہوں۔

مصنف کونسل فار سوشل ڈیولپمنٹ میں پروفیسر ہیں۔
govinda@gmail.com

تقریبا چھ دہائی قبل ہندوستان نے اس اشرافیہ نظام تعلیم کو جو اسے نو آبادیاتی ماضی سے وراثت میں ملی تھی ،مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر مبنی عوامی بنیاد پر تبدیل کرنے کا کام شروع کیا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ملک کو بڑھتی ہوئی آبادی کے اس مسئلے سے بھی نمٹنا تھا جس نے بچوں کو اسکول میں داخل ہونے اور ہر ایک کے لئے معیاری تعلیم کو یقینی بنانے کی راہ میں اڑچنیں حائل کردی تھیں۔ یہ کوشش گذشتہ چھ دہائیوں پر محیط ہے اور اس دوران کئی اہم پالیسی اقدامات کئے گئے، جس کے نتیجے میں اسکولوں میں بچوں کے اندراج میں قابل ذکر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سفر کا ایک انتہائی اہم پڑاؤ آئین میں وہ تبدیلی ہے، جس نے تعلیم کو بنیادی حق کا درجہ دیا اور 2009 میں ہندوستانی پارلیمنٹ نے تعلیم کا حق (آرٹی ای) قانون کو منظوری دی۔ ملک نے سب کے لئے سیکنڈری ایجوکیشن کے حصول کا پرعزم مقصد بھی طے کیا اور ہر ایک کے لئے اعلی تعلیم حاصل کرنے کے مساوی حقوق کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ ان تمام حصولیابیوں اور پالیسی اقدامات نے مستقبل کے لئے نئے توقعات پیدا کردئے ہیں۔

بنیادی سطح پر بچوں کے لئے اندراج کا ہدف اور ملک میں تمام سطحوں پر تعلیم تک سب کی رسائی تقریباً پورا کر لینے کے بعد ملک کو سب سے اہم پیش رفت معیار کے محاذ پر کرنا ہے اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ بچے نہ صرف یہ کہ اسکولوں تک پہنچیں بلکہ انہیں معیاری تعلیم بھی ملے۔ تاہم اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد پالیسی اصلاحی اقدامات کی ضرورت ہے اور اس کے لئے کئی ترجیحاتی شعبوں میں توجہ اور وسائل کی سرمایہ کاری ضروری ہے۔ مزید براں مساوات کو نقصان پہنچائے بغیر معیار میں بہتری کو یقینی بنانا بھی اہم ہے۔ اس مضمون میں اسکولی تعلیم کے سلسلے میں چند ایک اقدامات کا ذکر کروں گا جو ہر ایک کے لئے معیاری تعلیم میں مزید ترقی کے لئے نہایت اہم ہیں۔

استحکام کی جانب پیش رفت

روایتی طور پر مرکزی اور ریاستی حکومتیں دونوں ہی ،مدد کے لئے سماجی سیکٹر کے لئے عمومی طور پر اور اسکولوں کے لئے خصوصی طور پر سپلائی پر مبنی اپروچ اپناتی ہیں۔ یہ اسکولوں میں بچوں کے مکمل اندراج کو یقینی بنانے کے لئے ضرورت تھی۔ تاہم اس کی وجہ سے دستیاب وسائل کی تقسیم اور تعلیمی سہولیات میں عدم توازن کے متعدد مسائل پیدا ہوگئے۔ اوپر سے نیچے کی طرف سپلائی کے اپروچ کی وجہ سے بھی سہولیات کا بھرپور استعمال نہیں ہوسکا یا بہت کم استعمال ہو پایا۔ حالیہ برسوں میں ایک بڑا مسئلہ یہ بھی سامنے آیا کہ اندراج کے لحاظ سے چھوٹے اسکولوں میں معیاری انفرااسٹرکچر اور اکیڈمک سہولیات مثلاً لائبریری اور لیباریٹری وغیرہ فراہم کرنا ناقابل عمل ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے بیشتر پرائمری اسکولوں میں اندراج شدہ بچوں کی تعداد 100 سے کم ہے۔ اس میں ایسے اسکولوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جہاں طلبہ کی تعداد 50 سے کم حتی کہ 25 سے بھی کم ہے۔ اس صورت حال پر

قابو پانے کے لئے استحکام کے لئے ایک ترقی پسند پالیسی اپنانا ضروری ہوگا کیوں کہ ملک کے کئی حصوں میں ،کم شرح پیدائش کے سبب ،آبادی میں تبدیلی کی وجہ سے آنے والے دنوں میں صورت حال مزید چیلنجنگ ہوجائے گی۔ پرائمری اسکولوں میں اندراج میں کمی کا رجحان مزید بڑھے گا۔

استحکام کی اس طرح کی پالیسی میں واضح طور پر نئے اسکولوں کے قیام اور موجودہ اسکولوں کو اچھے اور معیاری اسکولوں میں تبدیل کرنے پر خاص توجہ دینی ہوگی۔ اس پالیسی میں کچھ دیگر متبادل کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا ،جس میں بچوں کے لئے اسکولوں تک آنے جانے کا نظم (ٹرانسپورٹیشن) اور رہائشی سہولتیں شامل ہیں۔ یہ فوری توجہ کا متقاضی ہے کیوں کہ چھوٹے اسکول جو بالعموم بستی کے کنارے ان جگہوں پر واقع ہوتے ہیں، جہاں پسماندہ آبادی رہتی ہے لہٰذا ہر اسکول کو مناسب ساز وسامان اور وسائل سے آراستہ کرنے کے سوال کو مقامی پیمانوں مثلاً آبادی کی تعداد، اسکول کے مقام اور پڑوس کی آبادی کی اس تک رسائی کی بنیاد پر حل کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں پورے ملک کے لئے کوئی ایک ضابطہ طے کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

پرائمری اسکول سے تعلیم شروع کرنے سے بچوں کے لئے کافی تاخیر ہوسکتی ہے

اس بات کے واضح ثبوت مل رہے ہیں کہ جب بچے اسکول جانے کی عمر کو پہنچتے ہیں ان میں اسکول چھوڑنے کے کئی ایسے اسباب پیدا ہوچکے ہوتے ہیں جنہیں روکنا مشکل ہوتا ہے۔ اور اس پر قابو پانے کے لئے نیوروسائنس اور سائکالوجی جیسے امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بات بالخصوص ثابت ہوچکی ہے کہ بچوں کے لئے ابتدائی ایام میں غذائیت اور ان پر توجہ ان کے طویل مدتی اسکل ڈیولپمنٹ کے لئے نہایت اہم ہے۔ کم غذائیت والے بچوں میں شرح اموات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ عدم توجہی کے سبب ایسے بچوں کا اسکولوں سے ڈراپ آوٹ بھی کافی زیادہ ہے۔ لہٰذا بچوں کی تعلیم پرائمری اسکول میں باضابطہ داخلہ سے کافی پہلے ہی شروع کردینی چاہئے۔ ماہرین تعلیم بھی یہ بات مانتے ہیں کہ پری پرائمری تعلیم کا فائدہ پرائمری اسکولی تعلیم میں ہوتا ہے۔ یہ بات خاص طور پر دیکھی گئی ہے کہ بچے جب اسکول میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے اندر اکیڈمک اسکل کی کمی سب سے عام چیز ہے۔ اس کے علاوہ پری اسکول تعلیم سے بچوں میں دوسروں کے ساتھ گھلنے ملنے کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور وہ خود پر کنٹرول کرنے کا طریقہ بھی سیکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسکول جانے کی عمر سے قبل بچوں کے لئے ادارہ جاتی مدد، بالخصوص صحت اور غذائیت کے پروگراموں نے حالیہ برسوں میں کافی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے مواقع میں اضافہ کرنے کیلئے انہیں اسکول ریڈینس پروگرام یا پری اسکول کلاسوں کو پرائمری اسکولوں سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ انہیں گھر پر رہ کر چھوٹے بھائی بہنوں کی نگرانی کرنے کے کام سے آزاد کیا جاسکے۔ ہندوستان میں 6-0 برس کے عمر کے بچوں کی ترقی کے لئے انٹیگریٹیڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ اسکیم کے نام سے بہت بڑا پروگرام چل رہا ہے، جس میں والدین اور ماؤں کو زچگی کے بعد کی سہولیات بھی فراہم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس پروگرام پر عمل درآمد کی رفتار ذرا سست ہے اور اس کے لئے وسائل بھی ناکافی ہیں۔ اسکولی تعلیم کے ساتھ ساتھ پری اسکول تعلیم پر ایک آزادانہ پالیسی کے لئے کام کرنا سودمند ہوگا۔

مزدور بچوں کے مسئلے کو حل کرنا

بیشتر غریبوں کے لئے زندگی کا پہیہ قرض اور غلامی کی چھوٹی سی دنیا میں شروع ہوکر اسی میں ختم ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ تعلیم سے محرومی اور قرض کے جال سے نجات پانے کی کوئی سبیل نہیں ہونے کے سبب، وہ زندگی بھر مصائب کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کا شکار افراد کئی خلاف معمول طریقے اپناتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کو مزدوری کے کاموں میں لگادینا انہیں میں سے ایک ہے، جس سے ان کی تعلیم بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ حالاں کہ تعلیم ہی ان مصائب سے نجات پانے کے لئے ان کے پاس واحد راستہ ہے۔ اکا دکا انتہائی بے مروت قسم کے والدین کو چھوڑ کر انتہائی غریب سے غریب والدین بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ مزدوری کرنے کے بجائے تعلیم حاصل کرے۔ اس لئے اصل اپروچ ایسے حالات پیدا کرنے پر ہونا چاہئے جن میں والدین اپنے بچوں کو اسکول بھیج سکیں۔ اہم بات یہ ہے کہ صرف بچہ مزدوری کے خلاف بڑی بڑی باتیں کرنا کافی نہیں ہے۔ ایسی پالیسیاں بھی بنانا نہایت ضروری ہے جن سے تعلیم کے لئے متبادل پروگرام بنانے میں مدد ملے اور بچوں کو مزدوری کرنے سے نجات مل سکے۔

ٹیچر میں سرمایہ کاری مستقبل کی سرمایہ کاری ہے

معیار کے مسئلے کو حل کرنے میں استاد کا رول مرکزی ہے۔ ٹیچروں سے متعلق متعدد مسائل ہیں جنہیں مناسب پالیسی اقدامات کے ذریعہ حل کرنے کی ضرورت ہے۔ حالیہ دنوں میں کرائے گئے ٹیچر ایلی جبلیٹی ٹسٹ (ٹی ای ٹی) سے یہ انکشاف ہوا کہ ٹیچر بننے کے خواہش مند امیدواروں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے پاس نہ تو مطلوبہ تعلیمی صلاحیت ہے اور نہ ہی پروفیشنل ڈگری۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ٹیچنگ کے پیشہ میں جانے کے خواہش مند امیدواروں کا معیار کتنا خراب ہے۔ گوکہ اسے ٹیچر ایجوکیشن پروگراموں کو بہتر بنا کر کسی حد تک درست کیا جاسکتا ہے لیکن اصل چیز ٹیچروں کی پیشہ ورانہ ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، جسے مسلسل بنیادوں پر کیا جانا چاہئے۔ اس مسئلے کو ایس ایس اے یا آر ایم ایس اے کے تحت وقتاً فوقتاً منعقد کئے جانے والے سروس کے دوران تربیتی پروگراموں کے ذریعہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بجائے اسکول ٹیچروں کے پیشہ ورانہ ڈیولپمنٹ کے سلسلے میں ایک مناسب پالیسی تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی کسی بھی پالیسی میں سبجکٹ میٹر کو بہتر بنانے اور آئی سی ٹی کے استعمال جیسے اہم عناصر کو شامل کرنا ضروری ہے۔ اس میں بہتری اور اپ گریڈیشن کے لئے تاحیات سیکھنے کے مواقع فراہم کرنے کا ویزن ہونا چاہئے۔ پالیسی کو کیریئر امکانات کے ساتھ پروفیشنل ڈیولپمنٹ پروگراموں میں شرکت کو موثر طور پر مربوط کرنا ہوگا۔ ان اقدامات کے علاوہ ٹیچروں کے اندر ملکیت اور

ادارہ جاتی عہد بندی کا احساس جاں گزیں کرنے کے لئے ٹیچروں کو مخصوص اسکولوں میں تقرری کی پالیسی بھی ہونی چاہئے۔اب وقت آ گیا ہے کہ ٹیچروں کی تقرری کے نوآبادیاتی طریقے پر سوالات اٹھائے جائیں ، جس میں ان کی تقرری ایک مخصوص سسٹم کے تحت ہوتی نہ کہ مخصوص اسکول کی ضرورت کے تحت۔حالانکہ اس موضوع پر بار بار بحث ہوتی رہی ہے لیکن ٹیچروں کی پوسٹنگ اور ٹرانسفر پر مرکزی کنٹرول اتنا زبردست ہے کہ اسے ایک سیاسی آلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور کوئی بھی ریاستی حکومت قدم اٹھانے پر آمادہ نظر نہیں آتی۔حتمی بات یہ ہے کہ ٹیچروں کے مرکزی رول کو تسلیم کرنے کے باوجود ایک روایتی مینجمنٹ فریم ورک میں تعلیم سے وابستہ حکام نیز اسکول ٹیچرس حتی کہ کمیونٹی کے افراد بھی سمجھتے ہیں کہ ٹیچروں کا کام صرف اوپر کے فیصلوں کو نافذ کرنا ہے۔

کلاس روم کے موجودہ طریقہ کار کو تبدیل کرنے کے لئے ٹیچروں کو اہم کردار کے طور پر استعمال کرنے کے لئے اسکول کے گورننس میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔لیکن یہ تبدیلی کیسے لائی جائے گی؟ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے، کیوں کہ اس کے لئے کئی طرح کے اسکل اور تمام فریقین میں نئے رویوں کی ضرورت ہوگی۔ٹیچر ایجوکیشن اور ہیڈ ماسٹروں اور ایڈمنسٹریٹروں کے لئے سروس کے دوران چلائے جانے والے روایتی پروگراموں کو تبدیل کرنا ہوگا تاکہ وہ اس چیلنج کا مقابلہ کرسکیں۔یہ وہ چند سوالات ہیں جنہیں فوری حل کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیم میں صنفی بحث کی نئی صورت گری

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں سب کے لئے بنیادی تعلیم کا مسئلہ دراصل لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔حالاں کہ پچھلے برسوں میں تمام ریاستوں میں اسکولوں میں اندراج کے نتیجے میں اس صنفی خلیج میں مثبت تبدیلی آئی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ہم لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں خاطر خواہ اقدامات کررہے ہیں؟ لڑکیوں کی تعلیم کی راہ میں کئی اڑچنیں حائل ہیں۔موثر ابتدائی بچپن تعلیمی پروگرام کے نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیاں دوگنا متاثر ہوتی ہیں کیوں کہ انہیں چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔مڈل اسکول کھولنے کے لئے دوری کے ضابطے بھی لڑکیوں کے مفادات کے خلاف ہیں کیوں کہ انہیں بالعموم گاؤں سے باہر کے اسکول میں پڑھنے کے لئے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔اس کے علاوہ بنیادی اسکولوں میں انفرااسٹرکچر اور خواتین ٹیچروں کی کمی بھی لڑکیوں کی پرائمری تعلیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

بچیوں کا اسکولوں میں اندراج نہ ہونا، ابتدائی تعلیم کے بغیر ہی اسکول چھوڑ دینا یا بچیوں کو درمیان میں ہی اسکول سے نکال لینا یا انہیں اپر پرائمری اسکول یا سیکنڈری اسکول میں نہیں بھیجنے کا فیصلہ، اعداد وشمار کے لحاظ سے تو محض غیر اندراج شدہ، ڈراپ آوٹ وغیرہ ہوسکتا ہے لیکن حقیقت میں ان کا اسکولوں سے اخراج محض کوئی معاملہ یا اعداد وشمار نہیں ہے بلکہ یہ ایک بچے کی ذاتی زندگی اور اس کے خاندان کا ایک پیچیدہ عمل ہے جس میں کئی عناصر شامل ہوتے ہیں۔جب ایک لڑکی اسکول سے نکل جاتی ہے، تو کئی طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کچھ خاندان میں اور کچھ کمیونٹی اور اس لڑکی کے ہم عمر گروپ میں اور کچھ اس اسکول میں جہاں اس لڑکی کو تعلیم حاصل کرنا تھا۔کسی بچے کی زندگی میں رونما ہونے والے اس طرح کے واقعہ کو بہت قریب سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔اس کا جواب صرف والدین یا ٹیچر یا بچے سے چند سوالات پوچھ کر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اس کے لئے بچے کے انفرادی معاملات، اسکول میں اس کے گروپ اور درجہ بہ درجہ آگے بڑھنے کے پورے معاملے کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ایسا کرنا بچیوں کے اسکول چھوڑنے کے پیچیدہ مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے۔اس کے لئے پالیسی تیار کرتے وقت بچیوں کے گھر، کمیونٹی اور اسکول سے وابستہ مقامی اسباب کو مدنظر رکھنا ہوگا۔اس کے اردگرد کے واقعات اور معاملات کو بہتر بنانا ہوگا۔اس سلسلے میں کئی پروگرام شروع کئے گئے ہیں، ان میں حال ہی میں شروع کیا گیا پروگرام بیٹی بچاو، بیٹی پڑھاو بھی شامل ہے۔تاہم اس کے باوجود لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک جامع پالیسی تیار کرنے کی ضرورت ہے جو اسکول سے آگے جاکر صنفی مساوات کو یقینی بنا سکے۔یہ پالیسی ایسی ہونی چاہئے جوان کی عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔یہ پالیسی ان نوجوان مرد وعورت کے مسائل کو بھی حل کرنے والی ہونی چاہئے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں اور سماجی قدروں اور رویوں کی صورت گری کرتے ہیں۔

آئی سی ٹی اور اسکولی تعلیم

اسکولی تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے میں آئی سی ٹی کے امکانات پر کافی جامع اور طویل بحث ہوچکی ہے۔ تاہم ایسے پالیسی اور پروگراموں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے جو نوجوان طالب علموں کے اسکولی تجربات کو موثر طور پر تبدیل کرسکیں۔ہمیں اسکولوں کو ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر سپلائی کرنے اور اسکولی زندگی کے تمام پہلوؤں کو آئی سی ٹی سے آراستہ کرنے کے موجودہ رجحان سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔یہ بات تسلیم کی جانی چاہئے کہ آئی سی ٹی ہر بچے کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے، اسکولوں میں اس کے استعمال کو روکنا طالب علموں کو زندگی کے وسیع تر تجربات سے دور رکھنے کے مترادف ہوگا۔ یونیسکو کی ایک رپورٹ 'Our Creative Diversity' میں بھی کہا گیا ہے کہ ٹکنالوجی سے دور رکھنا آنے والے انفارمیشن سوسائٹی میں نقصان دہ ہوگا۔بلکہ اس سے طبقہ اشرافیہ اور پسماندہ طبقات کے مابین اونچی سوسائٹی کے لحاظ سے، اعلی ٹکنالوجی کے اعتبار سے اور جدید کاری کے لحاظ سے زیادہ وسیع خلیج پیدا ہوجائے گی۔اعلی ٹکنالوجی کی تیز رفتار ترقی سے نوجوانوں کے درمیان ایک اور دوری بڑھ جائے گی۔ثروت مند افراد کے قدموں میں پوری دنیا ہوگی جب کہ غریبوں کو انفارمیشن سوسائٹی کے پسماندہ حصے تک محدود رہنا پڑے گا۔

سیکھنے کا حصول بنیادی نکتہ

تمام تعلیمی سرگرمیوں کا مقصد سیکھنا ہونا چاہئے۔ والدین اپنے بچوں کو اس امید میں اسکول بھیجتے ہیں کہ وہ پڑھنا لکھنا سیکھے گا اور علم حاصل کرے گا۔اس سلسلے میں اسکولوں کی خراب کارکردگی ناقابل معافی ہے۔اسکولوں کی خراب کارکردگی سے محروم طبقات سے تعلق رکھنے والوں کے مفادات کو دوہرا نقصان پہنچتا ہے۔تاہم اسکولوں کے معیار کو سرکاری امتحانات میں طلبہ کی کامیابی کے فی صد یا

سرکاری ملازمت میں ان کی تعداد کی بنیاد پر طے کرنا گمراہ کن ہے۔ اگر ہم بچوں کے اسکولوں سے اخراج کا پیمانہ معیار اور مساوات کو قرار دیتے ہیں تو اسکولوں کے معیار کا تعین مارکس اور گریڈ کی بنیاد پر نہیں کیا جانا چاہئے، کیوں کہ ان میں کئی طرح کے عدم مساوات چھپے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں دو اہم امور کو تسلیم کرنا ہوگا اور ان سے نمٹنا ہوگا۔ ان میں سے ایک ہے معیاری اسکولوں کی موجودگی میں عدم مساوات اور دوسرا ہے اسکولوں کے اندر غیر مساوی اور امتیازی طریقہ کار۔

مزید برآں تجربات اور تحقیقات یہ بتاتے ہیں کہ میکرو سطح پر اصلاح کا عمل صرف ایک حد تک ہی اسکول کے معیار کو بہتر بنا سکتا ہے۔ اس لئے انفرادی اسکولوں اور مقامی ایکشن پلان پر توجہ مرکوز کی جانی چاہئے۔ ''شالا سدھی'' کے بینر تلے حال ہی میں جو قومی پروگرام شروع کیا گیا ہے وہ 'اسکول امپرومنٹ پلاننگ' کے سلسلے میں ایک جامع قومی پالیسی تیار کرنے کے لئے راستہ ہموار کرے گا۔ اس سے اسکول کے کام کاج کے تئیں ذمہ داری اور احتساب کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ اس ضمن میں ایک اور اسٹریٹیجی یہ اپنائی گئی ہے کہ اسکولوں کے اندر ہی قائدانہ صلاحیت کو فروغ دیا جائے۔ پائیدار ترقی کے لئے نئی علم اور ضروری اسکل سے لیس مستقبل کے اسکولوں کے لئے رہنماؤں کی تعمیر کے لئے پالیسی سازی میں اسکول انتظامیہ کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔

نصاب کی بحث پر توجہ

تعلیم کے معیار کا تعین میں نصاب سب سے اہمیت کا حامل ہے۔ اسکولی نصاب پر نظر ثانی کے سلسلے میں حالیہ برسوں میں کافی توجہ دی گئی ہے۔ تاہم یہ بحث نامکمل ہے کیوں کہ اس سلسلے میں بحث ومباحثے کے دوران سماجیات اور تاریخ کی نصابی کتابوں میں واقعات اور شخصیات کی شمولیت پر ہی زیادہ توجہ مرکوز کی گئی۔ اس تنگ نظری کے بجائے اسکولی نصاب کے تعین کے سلسلے میں جامع پالیسی بحث کی ضرورت ہے۔ بالخصوص سائنسی تعلیم پر توجہ زیادہ مرکوز کی جانی چاہئے کیوں کہ کوئی بھی ملک سائنس اور ٹکنالوجی میں بہتر پیشہ ور افراد کی عدم موجودگی میں ترقی نہیں کرسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج دنیا بھر یہ رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ تیز اور باصلاحیت طلبہ کو سائنس اور ریاضی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے خصوصی مواقع فراہم کئے جائیں اور انہیں خصوصی STEM (سائنس، ٹکنالوجی، انجینئرنگ اور میتھ میٹکس) اسکولوں میں داخلہ دلایا جائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں پچھلے برسوں کے دوران سائنسی تعلیم پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ سائنس اور میتھ میٹکس کے ٹیچر سائنس میں پروفیشنل تعلیم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ تعلیم کا حق قانون میں بھی اپر پرائمری درجات کے لئے اسپیشلائزڈ ٹیچروں کی تقرری کی بات کہی گئی ہے لیکن مناسب پالیسی کے ذریعہ سائنس کی تعلیم کو تمام سطحوں پر مقبول بنانے اور بچوں کو ابتدائی سطح پر ہی سائنس کی طرف مائل کرنے کے سلسلے میں ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے تو سب ایک دیرینہ خواب بن کر رہ جائے گا۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ سائنس کے بہترین دماغوں کو ملک میں سائنس کے ابھرتے ہوئے طالب علموں کی تعلیم وتربیت کے لئے مامور کیا جائے۔ یہ کام سائنس کے اعلی ترین اداروں مثلاً آئی آئی ٹی اور آئی ایس آر اور سائنٹفک ریسرچ لیباریٹریز کے تعاون سے ان اداروں کے اندر یا ان کے پڑوس میں خصوصی اسکول قائم کرکے کیا جاسکتا ہے، جہاں ان اداروں کے سینئر اساتذہ اسکول کی سطح پر بچوں میں خصوصی سائنسی تعلیم کو فروغ دے سکیں۔

سول سوسائٹی اور پرائیویٹ سیکٹر کا نیا فریم ورک

گذشتہ دو دہائیوں کے دوران بڑی تعداد میں غیر سرکاری تنظیمیں اسکولی تعلیم میں آگے آئی ہیں۔ یہ تنظیمیں بالعموم کمیونٹی کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ دراصل یہ تنظیمیں پسماندہ طبقات کے لئے تعلیم کے حق میں ایک مضبوط آواز بن کر سامنے آئی ہیں۔ اسی مدت کے دوران کارپوریٹ سیکٹر نے بھی اسکولی تعلیم کے فروغ میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ اس روایتی اپروچ کے یکسر برعکس ہے جس کے مطابق غریبوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سرکاری اسکولوں کا قیام حکومت کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ حکومت، این جی او اور نجی کمپنیوں کے ذریعہ کی جانے والی کوششوں کو بالعموم تین الگ الگ شعبے سمجھے جاتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ایک ایسی جامع پالیسی تیار کی جائے جو حکومت، این جی او اور پرائیوٹ اسکولوں کے لئے ایسی مشترکہ زمین تلاش کرسکے جہاں یہ تینوں تعلیم کے فروغ میں ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ ظاہر ہے کہ اس میں ریاست کو اہم رول ادا کرنا ہوگا۔

خلاصہ

ملک کے لئے ایک نئی تعلیمی پالیسی تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بہرحال تعلیم کا حق قانون میں جو درست خطوط طے کئے گئے ہیں اس نے اس مشکل راستے پر قدم بڑھانے کے لئے راہ کو ہموار کردیا ہے۔ مساوی حقوق کے اصول کو نافذ کرنے کے لئے مشترکہ تجربات پر عمل درآمد اور عدم مساوات کی سطح کو کم سے کم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے اداروں کے بارے میں غور کرنا ضروری ہے جو ان مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوں یا جو ان کی راہ میں رخنہ ڈالنے والے ہوں۔ بڑے پیمانے پر پائی جانے والی عدم مساوات پر قابو نہیں پانے کے نتیجے میں سماج میں کئی طرح کی نابرابری پیدا ہوگی۔ عدم مساوات والے سماج میں اس کے اراکین کی شرکت بہت معمولی ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دعووں اور شکایتوں کو سمجھ نہیں پاتے اور انہیں یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ اگر وہ دوسروں کے دعووں کو تسلیم کریں گے تو اس سے ان کے اپنے مفادات کا نقصان ہوگا۔ نئی تعلیمی پالیسی میں قدروں اور اخلاقیات کی ایک ایسی نئی دنیا شامل ہونی چاہئے جہاں لوگ مل جل کر سیکھ سکیں اور رہ سکیں۔ اگر اس پالیسی کو نعرے بازی تک محدود رکھنے کے بجائے عمل کی سرزمین پر لانا ہے تو اسے گوناگوں ثقافتی، لسانی، اقتصادی پس منظر والے وسیع وعریض ملک میں رہنے والے لوگوں کے مشترکہ قدروں اور تجربات پر مبنی ہونا چاہئے۔ درحقیقت ملک میں آج ہر کوئی تعلیم کا حامی اور طلب گار ہے، جس کی وجہ سے مستقبل کافی پرامید دکھائی دے رہی ہے۔ مستقبل کی یہ پالیسی اسی احساس، امید اور امنگوں پر تعمیر ہونی چاہئے۔

☆☆☆

جندھیالا بی جی تلک

تعلیم اور مالیہ کا بندوبست

تعلیم کے بارے میں پہلی قومی پالیسی آزاد ہندوستان میں ترقیاتی منصوبہ بندی شروع کئے جانے کے 18 سال بعد 1968 میں وضع کی گئی تھی اور اس کے ٹھیک 18 سال بعد 1986 میں دوسری قومی پالیسی مرتب کی گئی اور 1992 میں اس پر عروضی طور پر نظر ثانی کی گئی۔ گزشتہ چند برسوں میں ترقی کے تمام منصوبوں میں عمومی طور پر اور تعلیم کے شعبے میں خصوصی طور پر آئی اہم تبدیلیوں کے پیش نظر ایک نئی قومی تعلیمی پالیسی کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ نئی پالیسی کی عدم موجودگی کی وجہ سے گزشتہ دو تین دہائیوں سے سرکاری حکم ناموں اور غیر مربوط اقدامات کے ذریعے تعلیم کے شعبے میں نئی پالیسی مرتب کرے گی۔ اس سلسلے میں تعلیم کے لئے مالیہ کی فراہمی سے متعلق چند پالیسی مسائل پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مالیہ کا بندوبست از خود ایک اہم کام ہے بلکہ اس سے اس شعبہ کے تئیں حکومت کی ترجیحات کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔

نیشنل یونیورسٹی آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ ایڈمنسٹریشن نئی دہلی
jtilak@nuepa.org

تعلیم کے بارے میں عمومی تصور ہے کہ یہ عوامی بہبود اور سماجی ذمہ داری کا کام ہے۔ اس کے مفادات سے سماج متنوع طریقوں سے بہرآور ہوتا ہے جو ترقی کے مختلف پیرائے پر محیط ہے اور جن سے سماج ایک طویل عرصہ تک نسل درنسل بہرآور ہوتا ہے۔ دنیا کی بیشتر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ سوسائٹیوں میں تعلیم کے لئے مالیہ کے بندوبست کا اہم ذریعہ حکومت کی طرف سے مہیا کردہ رقوم ہیں کیوں کہ تعلیم کا تعلق براہ راست ترقی سے ہے اور زیادہ اہم اس کے عروضی فوائد ہیں۔ اس نظریہ کی تصدیق تاریخی شواہد اور عصری تجربات سے ہوجاتی ہے۔ یونیسکو (UNESCO) تعلیم کو محض عوامی بہبود کی بجائے ایک عمومی بہبود کا کام تصور کرتا ہے۔ تعلیم کے لئے حکومت کی طرف سے رقوم کی فراہمی سے تعلیم میں مضمر عوامی بہبود کا اظہار ہوتا ہی ہے۔ اس سے تعلیم کی مساوی وسعت اور قومی ترقیاتی ضروریات کی تکمیل، تمام باشندوں کے مفادات کو یقینی بنانے کی مشترکہ کوشش کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حکومت کو تعلیم کے لئے وافر رقوم فراہم کرانے کا پابند عہد ہونا چاہئے۔ اس امر کا متعدد بار اعادہ کیا جاچکا ہے کہ 1968 میں وضع کی گئی قومی تعلیمی پالیسی کے تحت ہمیں عمومی گھریلو پیداوار کا کم از کم 6 فی صد تعلیم پر خرچ کرنا ہے۔ اگرچہ اس ہدف پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے لیکن مستقبل میں اس کو کم از کم حد تصور کیا جاسکتا ہے۔ وسائل کا انتظام عمومی اور خصوصی ٹیکسوں کے ذریعہ (مثال کے طور پر محصول تعلیم) اور حکومت کے غیر ٹیکس حصولات (مرکزی اور ریاستی سطح پر) کے ذریعہ کیا جانا چاہئے۔ آج کل کم وبیش مجموعی گھریلو پیداوار کا 4 فی صد تعلیم کے لئے مختص کیا جاتا ہے۔ مرکزی اور ریاستی سطح پر حکومتوں کو مجموعی گھریلو پیداوار کا 6 فی صد حصہ مختص کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔

تعلیم کے لئے رقوم کی فراہمی کے بارے میں مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے مابین ذمہ داریوں کے اشتراک کے لئے واضح طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہئے۔ حالیہ برسوں میں مرکزی حکومت نے تعلیم کے لئے مختص رقوم میں اضافہ کردیا ہے لیکن متعدد ریاستوں میں تعلیم کے لئے مختص اپنے بجٹوں میں اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

تعلیمی شعبے کو وسعت دینے کے مقاصد کے حصول کے لئے (مثلاً ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو آفاقی بنانے کے لئے اہداف، اعلی تعلیم میں 30 فی صد داخلے کے اہداف)، تکنیکی، پیشہ ورانہ و دیگر مہارتوں کا نوجوانوں میں فروغ، کمزور طبقے کی تعلیم تک رسائی میں بہتری اور اسکولی تعلیم میں سیکھنے کی صلاحیت میں قابل قبول حد تک بہتری اور اعلی تعلیم کے شعبے میں اعلی معیارات اور مہارت کا فروغ کے لئے معقول رقوم فراہم کرانے کی ضرورت ہے۔ نئے اسکولوں، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ثانوی و اعلی تعلیم کو وسعت دینے سے پہلے اس امر کی یقین دہانی ضروری ہے کہ یہ ادارے معقول طور پر ترقی یافتہ ہوگئے ہیں اور ان میں مالی وسائل کے علاوہ مادی اور افرادی قوت کا مناسب بندوبست ہے۔ تعلیم میں کوالٹی اور معیار کو فروغ دینے کے لئے اساتذہ کی تربیت، تدریسی اور تعلیمی میٹریل بشمول روایتی اور جدید تکنالوجی پر مبنی آلات، لائبریاں، تجربہ گاہیں، یونیورسٹیوں اور اعلی تعلیم کے دیگر اداروں میں معتبر

تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔اعلی تعلیم کے شعبے میں تحقیق کے لئے مناسب بجٹ مختص کرنے کے ساتھ ساتھ میرٹ کی حوصلہ افزائی کے لئے وظائف کے لے بھی زیادہ رقوم کی فراہمی کی جانی چاہئے۔ رقوم کی فراہمی ادارے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جانی چاہئے تاکہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں اور اس کے ساتھ ان اداروں کی قابل تحسین کارکردگی کی پذیرائی کی جانی چاہئے۔

کیوں کہ تعلیم بشمول سماج کے امیر طبقے کی اعلی تعلیم کا مثبت اثر پورے سماج پر پڑتا ہے۔اس لئے طلبا کی فیس یا ان کے قرضہ جات پر زیادہ انحصار کرنے کی ضرورت نہیں ہے‘ خاص طور پر اعلی تعلیم کے شعبہ میں۔ پہلے یو جی سی (UGC) اور آل انڈیا کونسل برائے تکنیکی تعلیم (اے آئی سی ٹی ای) نے تجویز پیش کی تھی کہ یہ ادارے اپنے بجٹ مطالبات کا تقریباً 20 فی صد طلبا کی فیس اور یگر ذرائع سے حاصل کریں۔تعلیم کے لئے مرکزی مشاورتی بورڈ کمیٹی نے تجویز پیش کی ہے کہ اس 20 فی صد کو زیادہ سے زیادہ حد مانا جائے تاکہ اعلی تعلیم کے مساوی فروغ کے مقاصد مندمل نہ ہوسکیں۔ جہاں تک اسکولی تعلیم کا سوال ہے‘ حق تعلیم قانون کے تحت ابتدائی تعلیم کی فراہمی مکمل طور پر مفت کی جاتی ہے جن میں سرکاری اسکولوں میں فیس کا کوئی سوال نہیں۔حق تعلیم قانون کو ثانوی (اور سینئر سکنڈری) سطح تک توسیع دینے کے حق میں دلائل موجود ہیں۔

دنیا کے ترقی یافتہ خطوں میں مستحکم آفاقی اور اعلی تعلیم کے نظاموں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں اسکولی تعلیم کے لئے کل رقوم کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی جاتی ہے اور اگر اعلی تعلیم کی بات کریں تو بیشتر رقوم سرکار فراہم کرتی ہے اور باقی سماجی طبقوں خصوصاً خیراتی چیزوں‘ کارپوریٹ شعبوں اور شخصی عطیات بشمول ادارے سے متعدد افراد کی طرف سے فراہم کردہ رقوم سے حاصل کی جاتی ہیں۔ان سوسائٹیوں میں طلبا کی فیس کے طور پر حاصل کردہ رقم چاہے وہ اعلی تعلیم کے لئے ہی کیوں نہ ہو‘ وسائل کا ایک قلیل حصہ ہوتی ہے۔ ہندوستان میں رقوم کی فراہمی کے لئے ایک ایسا نظام مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو غیر سرکاری ہو اور جس کا تعلق طلبا سے بھی نہ ہو‘ نہ مخیر حضرات کا شعبہ۔اس کے علاوہ کارپوریٹ سماجی ذمہ داری قانون خصوصاً تعلیم کے تعلق سے اختراعی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جن کے تحت تعلیم کے لئے افرادی اور کارپوریٹ عطیات تلاش کئے جاسکیں گے۔

اس کے علاوہ اس بات کو بھی یقینی بنانا چاہئے کہ سرکار تعلیم کے شعبے میں غیر مخیر اور منافع کمانے والے نجی شعبے کو فروغ نہ دے کیوں کہ ایسے اداروں میں تعلیم اگرچہ کوالٹی کے اعتبار سے قدرے بہتر ہوسکتی ہے‘ قومی اقدار کے فروغ میں معاون ثابت نہیں ہوسکتی۔اسی طرح تعلیم کے میدان میں پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے اطلاق پر احتیاط کی ضرورت ہے۔شراکت کی یہ نوعیت بنیادی ڈھانچے و دیگر شعبوں میں کارگر ثابت ہوسکتی ہے لیکن تعلیم کی خصوصی نوعیت اور کارکردگی کے پیش نظر اس کا اطلاق اس شعبے میں اطمینان بخش نہیں معلوم ہوتا۔اختتام کے طور پر متعدد ترقی یافتہ ممالک کے عصری تجربات و تاریخی شواہد کے مد نظر یہ اثر قابل توجہ ہے کہ تعلیم کے لئے رقوم کی فراہمی میں حکومت کا کردار اہم ہے اور یہ رول ہر سطح پر ہے۔اس کے علاوہ ادارے سے منسلک افراد‘ داخلی وسائل اور مخیر حضرات وغیرہ سے بھی وسائل جٹانے کے مواقع موجود ہیں لیکن یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ غیر سرکاری وسائل سے حاصل کردہ رقوم غیر مستقل اور عروضی ہیں۔

اخیر میں اہم بات یہ ہے کہ ملک میں تعلیم کی ترقی کے طویل مدتی تناظر میں تعلیم کے لئے رقوم کی فراہمی کے واسطے کم از کم 10 سے 20 سال کا قومی منصوبہ وضع کیا جانا چاہئے جو معقولیت‘ مساوات اور افادیت جیسے منصوبوں پر مبنی ہو اور جس کے تحت شعبہ تعلیم کو رقوم فراہم کی جائیں۔ اس طرح کے منصوبہ سے 10 سے 20 سال تک ہر سطح پر تعلیمی نظام کو یقینی بنایا جاسکتا ہے جس میں انعام و سزا دونوں کا التزام ہو۔

☆☆☆

دلوں اور ذہنوں کی تہذیب سے مثبت سماجی تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے: صدر جمہوریہ

☆ صدر جمہوریہ مسٹر پرنب مکھرجی نے کہا ہے کہ تعلیمی اداروں کو یہ بات ثابت کرکے دکھانی چاہئے کہ دلوں اور ذہنوں کی تہذیب و تربیت کرکے مثبت سماجی تبدیلیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔صدر جمہوریہ احمد آباد میں گجرات ودیاپیٹھ کے 62 جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کررہے تھے۔انہوں نے کہا کہ بابائے قوم آنجہانی گاندھی جی نے سماج کی بازتعمیر کے لئے نئی تعلیم کے اصول کا تصور پیش کیا تھا۔اس میں کہا گیا ہے کہ علم اور کام ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔نئی تعلیم کے اجزائے ترکیبی میں دل، دماغ اور ہاتھ کے تین عنصر شامل ہیں۔گاندھی جی نے ان اصولوں کے فلسفے کو عملی شکل دینے کی غرض سے سبھی کے لئے ابتدائی تعلیم ایک نصاب تعلیم شروع کیا تھا جو ملک کے دور دراز علاقوں میں آشرم شالاؤں اور بنیادی اسکولوں کی شکل میں کام کرتے ہیں۔گجرات آج شاید ملک کی واحد ایسی ریاست ہے جہاں نئی تعلیم ایک ادارہ جاتی شکل میں موجود ہے۔مسٹر مکھرجی نے کہا کہ گجرات ودیاپیٹھ میں جو تعلیم فراہم کرائی جاتی ہے اس کا مقصد طلباء میں کردار سازی، اہلیت،تہذیب اور حساسیت پیدا کرنا ہے۔یہ تمام عنصر گاندھیائی نظریات کے مطابق مثبت سماجی تبدیلیوں کے لئے ضروری ہیں۔حالانکہ ملک میں شہرکاری کا رجحان بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے لیکن اس کے باوجود ملک کی 68 فیصد آبادی آج بھی دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور غذائی سلامتی،تعلیم ، ہنرمندی کے فروغ ، ملازمت کے مواقع ،ٹکنالوجی کی فراہمی، صحت سہولیات اور غذا کی فراہمی، ہاؤسنگ، پینے کا پانی اور صفائی ستھرائی کے اقدامات سے ان علاقوں میں آباد لوگوں کی غریبی سے متعلق مسائل کو بڑی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔مسٹر مکھرجی نے کہا کہ گاندھی جی نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے کام کیا۔امن اور رواداری کے ماحول میں تعلیم کی فراہمی سماج کی انتشار پسند طاقتوں کو قابو میں رکھنے میں معاون ہوتی ہے۔ گجرات ودیاپیٹھ کا نعرہ ہے: آزادی کے لئے تعلیم‘‘ حالانکہ گجرات ودیاپیٹھ کے طلباء کو گاندھیائی تعلیمات تو حاصل نہیں ہوتیں لیکن انہیں عالمی مذاہب سے روشناس کرایا جاتا ہے۔اس ادارے کو عدم تشدد کے ذریعہ مثبت سماجی تبدیلی کو ممکن بنانے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔

وملا رام چندرن

ہندوستان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم

یہ بات اب روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تعلیم میں صنفی مساوات اور لڑکیوں کی بنیادی تعلیم تک رسائی کو فروغ دینے کا معاملہ تین ایسے مسائل سے جڑا ہوا ہے جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں مواد اور تعلیم کا عمل و مالی حالت، سماج اور ثقافت شامل ہیں۔ اسے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ طریقہ کار تجزیہ کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے۔

اس حقیقت پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ ایک زمرے کے طور پر صنف کو وسیع تر سماجی، علاقائی اور محل وقوع کے سیاق سباق میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان ایسی سرزمین ہے جہاں کافی تنوع پایا جاتا ہے اور یہاں کافی عدم یکسانیت بھی ہے۔ سماجی و معاشی عدم مساوات اور صنفی رشتے ایک ایسا پیچیدہ جال بنتے ہیں جو لڑکیوں کی اسکولی تعلیم کی صلاحیت کو یا تو سست کر دیتے ہیں یا اس میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اقتصادی عدم یکسانیت اور سماجی عدم مساوات کا مسئلہ اہم ہے لیکن متعدد محققین کا خیال ہے کہ ثقافتی عقیدہ اور اعمال نیز علاقائی شناخت بھی اہم رول ادا کرتے ہیں۔

اس لئے ہندوستان میں غریبی، سماجی عدم مساوات اور صنفی رشتوں کی پیچیدگی کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ تینوں ملک کے مختلف حصوں میں الگ الگ طرح سے ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ کچھ معاملے میں وہ ایک کو تقویت پہنچاتے ہیں جبکہ دیگر معاملے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اسے سمجھنا اور سلجھانا آج کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے:

☆ اندراج، حاضری اور تکمیل کے معاملے میں دیہاتوں اور شہروں میں فرق مرد و خواتین میں فرق سے زیادہ ہے۔

☆ پسماندہ اور ترقی یافتہ علاقوں اور علاقائی فرق صنفی اور سماجی گروپوں میں پائے جانے والے فرق سے زیادہ ہے۔

☆ انتہائی غریب خاندانوں (خط افلاس سے نیچے) اور اعلی طبقوں کے درمیان عدم مساوات صنفی، سماجی اور علاقائی فرق سے زیادہ ہے۔

☆ سماجی گروپوں خاص طور سے قبائلی برادریوں، مسلمانوں اور درج فہرست ذاتوں میں مخصوص ذیلی گروپوں اور اعلی ذاتوں کے عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے درمیان فرق بہت زیادہ ہے۔

☆ درون کمیونٹی فرق اکثر بین کمیونٹیز کے درمیان فرق بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ قبائل کی خواندگی حیثیت دیگر سے بہتر ہے اور کچھ دلت گروپ دیگر سے بہتر ہیں۔

90 کی دہائی میں تعلیم میں صنفی فرق سے متعلق بیشتر تجزیے اسکولنگ (رسائی/سپلائی) اور مانگ کے پروویژن یعنی خاندانوں کی اپنے بچوں، خاص طور سے لڑکیوں کو اسکول بھیجنے پر آمادگی کے سروے سے شروع ہوئے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ یہ محسوس ہوا کہ تعلیم کے لئے سپلائی اور مانگ کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں بھی قابل رسائی اسکول ہیں اور جہاں بھی اسکول باقاعدہ کھلتے ہیں اور بہتر تعلیم کا نظم ہے مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں اسکول باقاعدگی سے نہیں کھلتے ہیں، جہاں ٹھیک سے پڑھائی نہیں ہوتی ہے اور جہاں لوگوں میں یہ اعتماد نہیں ہے کہ ان کی لڑکیوں کے لیے اسکول محفوظ ہے، مانگ میں بہت زیادہ کمی ہوجاتی ہے۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ اچھے اسکول کا ہونا اہم ہے کیوں کہ اس کا خاندانوں کے فیصلوں پر کافی اثر پڑتا ہے۔ تحقیق سے یہ پتہ چلا ہے کہ قدر اعلی سماجی گروپوں کے اساتذہ اور طلبا کے برتاؤ اور ان کے طور طریقے سماجی اعتبار سے محروم بچوں کے اسکول جانے پر آمادگی کو متاثر کرتے ہیں۔ غیر سرکاری تنظیموں جیسے ایم وی فاؤنڈیشن کے تجربوں سے یہ بات نمایاں ہوجاتی ہے کہ کلاسز کی سرگرمیوں،

مصنفہ لڑکیوں اور خواتین کی ابتدائی تعلیم کے لئے کام کرتی ہیں۔
erudelhi@gmail.com

اساتذہ/انتظامیہ کے برتاؤ، تعصب اور نصاب کو جاننے کی ضرورت ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے سماجی تعصب/امتیازی سلوک اور روایتی صنفی تفریق کو بڑھاوا مل رہا ہو۔

جومٹین (تھائی لینڈ) میں 1990 میں ہوئی ای ایف اے کانفرنس کے چوبیس سال بعد اب یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ تعلیم میں صنفی فرق اب بھی کافی زیادہ ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل جدول سے ظاہر ہوتا ہے۔

صنف اور تعلیمی معاملات کی گتھی سلجھانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ عدم مساوات کی تہوں اور ذات برادری پر مبنی صف بندیوں کے بڑھتے ہوئے رجحان کو دیکھتے ہوئے اندراج کے معیاری اشاریے سے آگے بڑھ کر بچوں کے اسکولی تجربات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صنفی فرق/تعلیم میں صنفی مساوات کے تئیں پیش رفت کا پتہ لگانے کے لیے اختیار کئے جانے والے طریقہ کار سے سماج میں رائج عدم مساوات اور موجودہ تعلیمی نظام سے اسے ملنے والی تقویت کا بہت کم اندازہ ہوتا ہے۔ تعلیم میں صنف اور سماجی موضوعات کو ایک ایسے فریم ورک کی ضرورت ہے جو متنوع صنفی حقائق اور محرومیوں کا احاطہ کرسکے۔ ہندوستان میں صنف ایک پیچیدہ سماجی اور ادارہ جاتی ڈھانچے میں پیوست ہے۔ اس لیے تعلیم میں صنفی عدم مساوات کو سماجی، معاشی اور ایک طرف مخصوص مقام پر پائی جانے والی نابرابری اور دوسری طرف موجودہ اسکولی نظام کے وسیع تر فریم ورک میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟

بامعنی رسائی

اس بات پر ہر کسی کا اتفاق ہے کہ اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کرنے، بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانے، اندراج کو آفاقی بنانے اور پی ٹی آر کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے، لیکن جس بات پر توجہ نہیں ہے وہ ہے کلاس میں درس وتدریس میں پائی جانے والی ناہمواری۔ بامعنی رسائی باقاعدہ تعلیمی نظام میں شرکت کے لئے نہ صرف جسمانی رسائی فراہم کرنا ہے بلکہ تمام بچوں کے لیے یکساں مواقع فراہم کرنا ہے تاکہ وہ معیاری تعلیمی نظام سے جڑ سکیں۔ بامعانی رسائی تعلیم کی فراہمی کے نظام کے ہر قدم پر ہونی چاہئے۔ جس کے تحت بچوں کو اسکول تک لانا یا اسکول کو بچوں تک لے جانا شامل ہے۔ اس بات کو یقینی بنانا کہ اسکول کسی بھی سماجی گروپ کے تمام بچوں کے لئے دستیاب ہو۔ یہ بھی یقینی بنانا ضروری ہے کہ بچے کے اسکول پہنچنے کے بعد اس کی صلاحیت کے لحاظ سے درس حاصل کرنے کیلئے وہ محفوظ جگہ ہو نہ کہ اسے کچھ ہنر سکھا دیے جائیں۔ بامعنی رسائی میں اساتذہ تک بھی رسائی شامل ہے، جو مختلف طرح کی مدد فراہم کریں گے، جن میں سیکھنے کے طریقے شامل ہیں اور جوان بچوں پر خصوصی توجہ دیں گے جنھیں دیگر بچوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے اضافی کوشش کی ضرورت ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ بامعنی رسائی کا مطلب ایسی محفوظ جگہ فراہم کرنا ہے جہاں کسی بھی سماجی گروپ کا بچہ مذاق اڑائے جانے یا کسی امتیازی سلوک کے خوف کے بغیر اپنی بات کہہ سکے یا اپنی شناخت ظاہر کرسکے۔

بامعنی رسائی اسکول چھوڑنے والے بچوں کی تعداد میں کمی، تعلیم کی مختلف سطحوں کے درمیان سہل منتقلی، اعلی تعلیمی سطح اور سب سے اہم تمام بچوں کو معیاری تعلیم حاصل کرنے کے لئے یکساں پلیٹ فارم فراہم کرسکتی ہے۔

اساتذہ اور طلبا کے لیے محفوظ اور تفریق سے پاک ماحول

کہا جاتا ہے کہ اسکول سماج کا جہان کو چک ہوتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر کمیونٹی میں رائج بین انفرادی اور بین گروپ کی محرکات بھی اسکول میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایسے اساتذہ جنھیں مناسب طریقے سے

ٹیبل۔1 شرح خواندگی میں عدم یکسانیت

	مردم شمار 2001	مردم شماری 2011
دیہی خواتین درج فہرست قبائل	32.4	46.9
درج فہرست درج فہرست ذات	37.6	52.6
کل دیہی خواتین	46.13	57.9
دیہی خواتین غیر ایس سی/ایس ٹی	50.2	61.1
دیہی مرد ایس ٹی	57.4	66.8
شہری خواتین ایس سی	57.5	68.6
شہری خواتین ایس ٹی	59.9	70.3
دیہی مرد ایس سی	53.7	72.6
کل دیہی مرد	70.7	77.1
کل شہری خواتین	72.86	79.1
دیہی مرد غیر ایس سی/ایس ٹی	74.3	79.9
شہری خواتین غیر ایس سی/ایس ٹی	75.5	81.0
شہری مرد ایس ٹی	77.8	83.2
شہری مرد ایس سی	77.9	83.3
کل شہری مرد	86.27	88.8
شہری مرد غیر ایس سی/ایس ٹی	87.6	89.7

ماخذ: Adapted by Vimala Ramachandran from Marie Lall and S SrinivasaRao 2011 :

ذی حس نہیں بنایا گیا ہے یا تربیت نہیں دی گئی ہے وہ اپنے مخصوص برتاؤ اور تعصب کو اسکول کو منتقل کرسکتے ہیں۔ تعلیمی منتظمین اور سیاست داں اسے اسکول میں رائج امتیازی سلوک کے لیے ایک جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہاں ہمیں ان ممالک سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے جنھوں نے اس رجحان پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسکول اور سرکاری فنڈ سے چلنے والے دیگر ادارے آئینی طور پر دیئے گئے حقوق اور ذمہ داریوں پر عمل کریں۔ اساتذہ اور تمام تعلیمی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ دستور ہند میں موجود حق مساوات اور امتیازی سلوک کے خلاف اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائیں کہ اسکول میں امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ اساتذہ اور ہیڈ ماسٹرس کو اسکا اختیار نہیں ہے کہ وہ ذات، مذہب، صنف، صلاحیت اور معاشی حیثیت کی بنا پر تفریق کریں۔

دستور ہند کو رہنمائی کے جذبے کے طور پر لیتے ہوئے اساتذہ، منتظمین اور کمیونٹی لیڈروں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کی مساوات کے حق اور امتیاز نہ برتے جانے کے حق کی کوئی بھی خلاف ورزی ہونے پر سخت تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ ان تمام لوگوں کو جو اسکولی تعلیم کا حصہ ہیں انھیں برتاؤ سے متعلق ایک ایسے ضابطے کے بارے میں بتانے کی ضرورت ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ اسے تحریری طور پر کرنے اور تمام اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں نمایاں طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی بچوں خاص طور سے لڑکوں کو ایسی سرگرمیوں میں شامل کرنے کی ضرورت ہے جس سے وہ تنوع کو سمجھ سکیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرسکیں نیز فرق کا احترام کرسکیں اور دیگر بچوں اور لڑکیوں کے تئیں اختیار کئے جانے والے برتاؤ سے متعلق اسکول کی سطح کے ضابطوں کو بروئے کار لاسکیں۔ بچوں کو مساوات پر مبنی ماحول کے قیام کے عمل میں شامل کرنے سے اساتذہ، منتظمین اور مقامی رہنماؤں پر دباؤ بڑھے گا کہ وہ تفریق اور عدم مساوات سے کام نہ لیں۔

جیسا کی آج کل ہوتا ہے اساتذہ کے لیے تعارفی کورس اور ٹریننگ اکثر انتظامی ضرورتوں اور مضامین کی معلومات تک محدود ہوتی ہے۔ اساتذہ میں ٹریننگ سے ہونے والی تکان سے متعلق بھی شکایات بھی بڑھ رہی ہیں۔ اسی طرح سے مختصر مدتی تربیتی پروگرام مضمون کے بارے میں بنیادی معلومات اور فن تدریس سے متعلق مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ ایک ایسا متبادل پلیٹ فارم قائم کرنا جہاں اساتذہ اور کمیونٹی لیڈران اس بات پر تبادلہ خیال کے لیے جمع ہوسکیں کی اسکولوں کو امتیازی سلوک سے پاک رکھنے کے لئے کس طرح کا قدم اٹھانے کی ضرورت ہے یہ عمل کافی سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔ ابتداء میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم سنجیدگی سے یہ دیکھیں کہ اسکولوں میں امتیازی سلوک نہ ہو اور زمینی سطح پر تبدیلی لانے کے لئے کام کریں۔ کوئی مختصر راستہ نہیں ہے اور حکومت اور سماجی تنظیموں کو اس مسئلے کو سنجیدگی سے لینے اور حل کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک ایسا تعلیمی نصاب جو نہ صرف تعصب سے پاک ہو بلکہ ایسا ہو جو ناقدانہ فکر اور علم کی تشکیل میں صنف کو نمایاں کرنے کی بھرپور حوصلہ افزائی کرے۔

''جب تک میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی جس میں مشہور رانیوں نے حکمرانی کی اور دشمنوں سے لوہا لیا، اپنی نصابی کتاب سے یہی سیکھا کہ صرف مرد ہی بادشاہ اور فوجی ہوتے ہیں۔

اپنی نصابی کتابوں سے میں نے یہی جانا کہ صرف مرد ہی ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ جب میں ایک ڈاکٹر کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ ایک عورت تھی۔ میں نے اپنی کتاب میں پڑھا کہ صرف مرد ہی میرے ملک میں کھیتی کرتے ہیں لیکن ایک ٹرین کے سفر کے دوران میں نے کھیتوں میں عورتوں کو کام کرتے دیکھا۔

مجھے معلوم ہوا کہ مشاہدے سے سیکھنے کی مجھے تحریک ملی۔''

تقریباً دو دہائیوں تک اپنی نصابی کتابوں کو تعصب اور روایتی چیزوں سے پاک صاف کرنے سے متعلق شوروغل کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ نصابی کتابیں صنفی عدم مساوات اور سماجی بالا دستی کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ تذکیرو تانیث سے متعلق روایتی خیالات اور ذات پات پر مبنی نظریات نصابی کتابوں کی تصویروں، محاوروں اور مثالوں میں موجود ہیں۔ گاؤں اور شہروں سے متعلق گھسے پٹے

ٹیبل۔2۔اسکول چھوڑنے کی شرح میں عدم یکسانیت۔2010-11

پرائمری کلاس ایک تا پانچ		پرائمری کلاس ایک تا آٹھ		سکنڈری کلاس ایک تا10	
ایس ٹی لڑکے	37.2	ایس ٹی لڑکیاں	55.4	ایس ٹی لڑکیاں	71.3
ایس ٹی	33.9	ایس ٹی لڑکیاں	54.7	ایس ٹی لڑکے	70.6
ایس سی لڑکے	29.8	ایس سی لڑکے	46.7	ایس سی لڑکے	57.4
کل لڑکے	28.7	کل لڑکیاں	41	ایس سی لڑکیاں	54.1
کل لڑکیاں	25.1	کل لڑکے	40.3	کل لڑکے	50.4
ایس سی لڑکیاں	23.1	ایس سی لڑکیاں	39	کل لڑکیاں	47.9

ماخذ: SES, GOI 2012

خیالات کو نہ صرف بڑھاوا دیا جاتا ہے بلکہ شہر کو گاؤں اور قبائل کو غیر قبائل پر ترجیح دی جاتی ہے۔مضامین میں بیشتر مثالیں شہر کی ہوتی ہیں ہیرو اور رہنما مرد ہوتے ہیں اور دیکھ بھال اور گھر کا کام کاج کرنے والی ہمیشہ عورتیں ہوتی ہیں۔اس سچائی کو دیکھتے ہوئے این سی ایف 2005 گروپ کا ماننا ہے کہ ''تعلیم ان تمام بندوبست کا اہم حصہ ہے جو کہ بچوں کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں اس طرح ایک مساوی شہریت کے مقصد کے حصول کے لئے اور بچوں کو بااختیار بنانے کے لئے ایک خصوصی نصاب اور فن تدریس سے متعلق حکمت عملی وضع کرنی ہوگی۔ اس میں لڑکیوں کا خاص طور سے خیال رکھنا ہوگا تاکہ وہ اپنی محرومیوں سے باہر نکل سکیں اور اپنے حقوق اور پسند اور ناپسند کو بروئے کار لانے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو فروغ دے سکیں۔اس کا مقصد محض مساوات سے متعلق روایتی برتاؤ نہیں بلکہ ٹھوس بنیاد پر مبنی مساوات کو حاصل کرنا ہے۔ دراصل ہمیں برتاؤ میں عدم مساوات کی ضرورت پڑسکتی ہے یعنی سماجی طور پر محروم طلبا کے ساتھ خصوصی برتاؤ، تاکہ وہ بھی برابری کرسکیں۔''

اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے اساتذہ اوران لوگوں کو جو نصاب تیار کرتے ہیں ،نصابی کتابیں تحریر کرتے ہیں،اساتذہ کو ٹریننگ دیتے ہیں اور اسکولوں کی نگرانی کرتے ہیں، مساوات کے لئے ایک ٹھوس اور صحیح نظریہ اختیار کرنا ہوگا صرف یکساں برتاؤ اور یکساں نتیجہ کے بارے میں تشویش کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نصاب اور نصابی کتابیں بھی مساوایانہ قدروں کی ترسیل تنوع اور فرق کا احترام اور امتیازی سلوک سے تحفظ کے لئے ایک اہم وسیلہ بن سکتی ہیں لڑکوں کو دوسروں کا احترام کرنے اور جب کوئی منع کرے تو اس کا احترام کرنے کی تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔جنسی زیادتی کے کلچر پر قابو پانے کے لئے یہ لازمی ہے۔تذکیر کیا ہے اور تانیث کیا ہے،اس کو سمجھنے میں جو ایک بڑا تضاد ہے،اس پر سوال اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس طرح ایجوکیٹر کو اس یقین کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد ملے گی کہ لڑکی اور لڑکے میں جنس کے حوالے سے فرق کی حیثیت کسی امتیاز کی نہیں بلکہ اس سے یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس امتیاز کے پیچھے کس سوچ کا دخل ہے۔ اس طرح امتیاز کے نتیجے میں کیا محرومیاں سامنے آتی ہیں، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور ایسی صورت نکالی جاتی ہے جو ان محرومیوں کو ختم کرتا ہے۔

ایک صنفی معاشرتی نظام لڑکیوں کا احاطہ بھی کرتا ہے جس کی نوعیت ذات، قبائل اور کمیونٹی اور دیہی وشہری علاقوں میں مختلف ہوتی ہے ۔ اس کے نتیجہ میں مختلف آرزوئیں، صلاحتیں اور اعتماد کی سطحیں پیدا ہوتی ہیں۔ مساوات کے تئیں اس طرح کے نظریہ سے تفریق پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے جو سیکھنے والے کو ناموافق صورت حال سے نمٹنے میں بھی مددگار ہوتا ہے، الگ طرح کی صلاحیتوں کی قدر کرتا ہے اورانھیں مکمل طور پر فروغ دیتا ہے۔

ماحصل: مزید تفصیلات بیان کی جاسکتی ہیں اور تعلیم میں خواتین ولڑکیوں کی شراکت داری سے متعلق مسائل کی ایک طویل فہرست فراہم کی جاسکتی ہے۔گذشتہ پچاس برسوں میں متعدد کمیشنوں اور کمیٹیوں کی جانب سے مسائل اور تشاویش کی ایک لمبی فہرست پیش کی گئی ہے جس میں بہت سی حکمت عملی بھی شامل ہیں۔ یہ سفارشات اور حکمت عملی ابھی تک نافذ کیوں نہیں ہوئیں اس کا احاطہ کرتے وقت میں نے محسوس کیا کہ ہمیں سب سے پہلے اور ترجیحی بنیاد پر چند ایسے اصولوں پر اتفاق کرنا ہوگا جن پر سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان پر عمل درآمد ہوتا ہے تو دوسری چیزوں کی کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے صرف تین پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے: تعلیم تک بامعنی رسائی، یکساں سلوک اور کو نمایاں رکھنا۔ اگر ہم ان تینوں پہلوؤں کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوتے ہیں تو ہم وسیع تر صنفی مساوات اور سماجی انصاف کی سمت قدم بڑھا سکتے ہیں۔

☆☆☆

کوئلہ کے شعبے میں تحقیقی کام

☆ بجلی، کوئلہ اور نئی وقابل تجدید توانائی کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) مسٹر پیوش گوئل نے لوک سبھا میں ایک سوال کے تحریری جواب میں بتایا کہ حکومت نے کوئلہ سائنس تکنالوجی اسکیم اور کول انڈیا لمیٹیڈ نے ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ اسکیم کے تحت پیداوار میں بہتری لانے کے لئے تحقیق اور ترقی کی سرگرمیوں کے کام کی ذمہ داری لی ہے۔حکومت نے کوئلہ کانوں میں تحفظ کے علاوہ کوئلہ کی پیداوار بڑھانے اور ماحولیات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ سرگرمیوں کی بھی ذمہ داری لی ہے۔انہوں نے کہا کہ تحقیق وترقی کی سرگرمیاں کوئلہ کے سیکریٹری کی سربراہی میں اسٹینڈنگ سائنٹیفک ریسرچ کمیٹی اور سی آئی ایل کے چیئرمین کی سربراہی میں سی آئی ایل کے ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ بورڈ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہیں۔وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ کوئلہ کی وزارت اور کول انڈیا کی جانب سے تحقیق کے لئے فنڈ شروع کرنے کے بعد سے مختلف اکیڈمک اور ریسرچ اداروں کی جانب سے تحقیق کے متعدد پروجیکٹوں پر عمل ہوا ہے۔ تحقیق کے ان پروجیکٹوں میں کول اور لگنائٹ کانکنی کمپنیوں کی بھی سرگرم شرکت رہی ہے۔

☆☆☆

یوجنا
فروری 2016: صحت
پر خاص شمارہ ہوگا۔
yojana.urdu@yahoo.co.in
yojanaurdu.com@gmail.com
ادارہ

راجارام ایس شرما

تعلیم کے میدان میں ٹیکنالوجی:

امیدیں اور ایک بے چین نسل کی خواہشات

نئی ٹیکنالوجی کے ساتھ منسلک خواہشات میں اچانک اضافہ قابل توجہ امر ہے۔ خاص طور پر جب کوئی یہ تصور کرے کہ یہ ٹیکنالوجیز بس کچھ ہی دہائی قدیم ہیں۔ کس بات نے ان ٹیکنالوجیز کو اتنا مقبول، اتنا پرکشش اور اس کے بارے میں اتنی زیادہ تشہیر کا موقع فراہم کیا؟

ایک بہت ہی اہم وجہ رنگین اسکرین ہے۔ وہ وقت گیا جب معلومات کا ماخذ صرف شائع شدہ متن ہوتا تھا اور بیشتر تر اوقات وہ سیاہ وسفید ہوتا تھا۔ کوئی یہ بھی دلیل دے سکتا ہے کہ ہمارے پاس رنگین میگزین یا سنیما کے پردے ہیں جو رنگین ہیں۔ لیکن اب کوئی بھی اپنے ذاتی پبلیکیشن، کے بارے میں سوچ سکتا ہے جو کسی فرد واحد کی کوششوں سے سامنے آئے اور فرد واحد کے ذریعہ منتخب رنگوں میں شائع ہو۔ خیر ابھی موسم بہار کا وقت ہے اور بلا شبہ یہ بہت ہی خوشگوار احساس چھوڑ جاتا ہے۔

دوسرا بہت اہم سبب آلے یا ڈیوائس کو اپنے اعتبار سے ڈھالنا ہے۔ جب ہم پرنٹ کے بارے میں سوچتے ہیں، ہم پیشہ ورانہ پرنٹنگ پریسوں اور افراد کے بارے میں سوچتے ہیں جو بہتر پرنٹنگ کے فن کو جانتے ہوں۔ آج ہم ایک دستاویز یا ڈاکیومنٹ تیار کرتے ہیں اور اسے اچھے فانٹ، ترتیب اور ڈیزائن میں تبدیل کر کے قریبی لیزر پرنٹر کو بھیج دیتے ہیں، یہاں تک کہ یہ کام ہم اپنے اسمارٹ فون سے بھی کر لیتے ہیں۔ جب ہم تصاویر کے بارے میں سوچتے ہیں، تو اس کا بھی معاملہ بہت زیادہ پیچیدہ تھا اور وہ سسٹم کچھ لوگوں کے پاس تھا یعنی کہ تصویر کو دیکھنے کے لیے دن کی روشنی کی ضرورت تھی اور پھر اس کی ایک یا دو پرنٹ ہوتی تھیں۔ سیلفی Selfie کے بارے میں کون سوچتا تھا جسے بس کسی بھی لمحے کھینچ لو، اور سیکنڈوں میں ہزاروں دوستوں کے پاس بھیج دو اسے سیکنڈوں میں لاکھوں دوسرے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں، یہاں تک کہ اسے بہترین معیار کے رسالوں میں شائع بھی کر سکتے ہیں۔

ایک تیسری وجہ بلا شبہ آلے کا حجم ہے۔ آج آلہ یا ڈیوائس جتنا پتلا ہے اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہو چکا ہے اور کسی کی بھی خواہشوں میں بہت زیادہ فروغ کا سبب بھی ہے۔ اسے مقاصد کے آس پاس رکھنے کی سہولت اس کی دیگر خوبیوں پر غالب آسکتی ہے۔

میرے خیال میں نئی ٹیکنالوجی کی مقبولیت کا چوتھا سبب اسے استعمال کرنے میں آسانی ہے۔ میں نے ان جدید آلات کا استعمال کرنے والے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو انہیں چلانے کے لیے سیکھنے یا تربیت حاصل کرنے کے لیے کہیں گیا ہو۔ ان آلات کو جتنا بہتر بنایا جا رہا ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کا استعمال آسان ہو رہا ہے۔ بلاشبہ اس میں عمر ایک بڑی پریشانی کی وجہ ہے۔ نوجوان نسل ان آلات کو ان کی صلاحیت کے اعتبار سے زیادہ بہتر اور تیز رفتار ڈھنگ سے استعمال کرنے کے قابل ہے۔ ڈیزائن مطالعہ میں ہونے والی اکثر تحقیق اس کی حمایت کرتی ہے کہ گوریلا گلاس کی پتلی سلیب کے پیچھے، صرف ایک ٹچ پر سافٹ ویر اپلیکیشن کی زبردست طاقت چھپی ہے، جو کسی بھی تصور کے دباؤ یہاں تک کہ عوام کے شکوک وشبہات سے زیادہ چمتکاری ہوتا ہے۔

اس براعظموں میں ایک فون کال، ایک نقشہ، ایک تصویر، ایک گیت، ایک ویڈیو، یا یہاں تک کہ ایک کمپاس، ایک پیڈومیٹر یا ایک بلڈ پریشر گیج، کچھ بھی ہو، سب کو کچھ کوڈ لائنوں میں پیک کیا جا سکتا ہے جو ہمیں ان بہت سی چیزوں سے باخبر کرتے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔

تو، کیا یہ تمام خصوصیات ہمیں ان آلات کو اپنے اسکولوں میں فوری طور پر مہیا کرانے پر ابھارتے ہیں۔ یہ واقعی میں بہت پرکشش ہوگا۔ کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اپنے اسکولوں میں جو کچھ کرتے ہیں اس سے بہتر کر سکتے ہیں۔ سیکھا زیادہ دلچسپ بن جائے گا، بچے سیکھنے کے عمل سے پیار کرنے لگیں گے اور بچوں اور اساتذہ کی کارکردگی آسمان چھو لے گی۔ ہم جلد ہی اس کی جانچ پڑتال کریں

جوائنٹ ڈائریکٹر، تعلیمی ٹیکنالوجی کے مرکزی انسٹی ٹیوٹ، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

گے، یہ ہماری خواہشات کہ ہم دراصل اپنے طالب علموں ، اساتذہ اور اسکولوں سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں، کی بنیاد کے لیے احتیاطی قدم ہوگا۔

اسکولنگ طالب علموں کی صلاحیت میں ایک سرمایہ کاری ہے۔ کوئی بھی بچہ اسکول میں برسوں گزار کر جو سیکھتا ہے، جمع کرتا ہے، معلومات حاصل کرتا ہے، سب اس کے ارد گرد موجود ہوتی ہیں۔ کچھ یہ بھی سیکھتے ہیں کہ زبانوں کے حروف اور ریاضی کو کیسے توڑا مروڑا جائے تاکہ دنیا اور ہماری زندگی کو متاثر کرنے کے لیے اعداد وشمار، رشتوں اور مظاہر کو معقول بنایا جائے۔ کچھ یہ بھی سیکھتے ہیں کہ کس طرح کسی کی پیدائشی صلاحیت کو قابل استعمال بنائے جائے تاکہ علم کے ساتھ ساتھ مادی دنیا کی تخلیق ہو اور ان کا فنکارانہ انداز میں اظہار ہو سکے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھنے پر، اسکولنگ انسانی صلاحیت کو بڑھانے، زندگی کے معیار کو بہتر بنانے کی سمت میں انسانی حصولیابیوں کی توسیع کرنے کے لئے طالب علم کی حوصلہ افزائی کے ضمن میں ایک سرمایہ کاری کی حیثیت رکھتی ہے ۔ تو، تکنیکی سرمایہ کاری ان مقاصد کی حاصل کرنے کے لئے ہماری صلاحیت کو مزید بہتر بنائے گی۔

ترقی پذیر دنیا کے معاشروں، نے اپنا جدید سفر، دانشور یا مادی وسائل کی محرومی یا بہت سے معاملات میں دونوں کی صورت میں شروع کیا۔ معذور صورتوں میں شروع کرنے کے لیے ان کے پاس تاریخی وجوہات ہیں۔ ان کے لیے دور جدید کے فوائد حاصل کرنے سے پہلے بہت زیادہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ تعلیم تک رسائی، جو ہمارے معاشرے کے لئے ایک قیمتی ہدف ہے، آبادی کے ایک بڑے حصہ کی پہنچ سے باہر ہے۔ تکنیکی تنصیبات، اخراجات کو کم کرنے میں معاون ہوں گی، صلاحیتوں کو بہتر بنائیں گی اور عمومی طور پر اس تک لوگوں کی رسائی آسان کریں گی اور قیمتوں کو بھی سستا کریں گی۔ رکاوٹ کی کھڑی ڈلان کو کم از کم قابل فتح لگنا چاہیے جو بڑھنے کے بعد بہتر منافع کی ضمانت دے۔ ڈراپ آؤٹ کی شرح کو سرمایہ کاری کے جواز کے لئے کافی حد تک ڈراپ کرنا ضروری ہے۔

ترقی یافتہ شمال سے آگے بڑھ جانے کی مجنونانہ ریس میں، وہاں تک لے جانے کے راستے فراہم کرنے والی ایک غلط فہمی میں، ہم نے شاید غیر متناسب طور پر اعلی تعلیم اور وہ انگریزی میں زیادہ تر سرمایہ کاری کی۔

جب کہ اس کا اچھا فائدہ چند باصلاحیت لوگوں کے حصے میں آتا ہے جسے اکثر جواز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ یہ بھی تباہی کی صورت میں اس بھیڑ میں پیچھے چھوڑ دیتا ہے جو ناقابل برداشت ہے ۔ ایک نو نسل پرست نظریہ سخت محنت، جدت اور تخلیقی صلاحیت کو دیکھتا ہے ، ہماری جڑوں، ہماری زبان، ہماری ثقافت کی شرمناک توہین، شاید ہی سیکھنے کی سرگرمیوں میں کثیر تعداد میں شریک ہونے کے لیے ہمارے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرے۔ زبانوں کو کھونا ثقافتی شناخت سے محروم کرنے کا راستہ تیار کرتا ہے اور ان اکثر بنیادوں کو چیلنج کرتا ہے، جس پر ہمارا معاشرہ تعمیر کیا گیا تھا۔ ایک طرف، جدید ٹیکنالوجی نے ہر شخص کے لئے اس میں حصہ لینے کو آسان کر دیا ہے، تو دور جدید کی روکاٹوں نے اسے مشکل بنا دیا ہے۔ تعلیمی سرمایہ کاری بلکہ تکنیکی سرمایہ کاری میں ہمیں پھل حاصل کرنے کے لیے بہتر نقطۂ نظر اپنانا ہوگا۔

اس کے بعد ہندوستانی تعلیم کے مسائل کی گہری سمجھ کی ضرورت ہوگی۔ کچھ لوگوں کو اس کے حجم اور تکنیکی معلومات کی سمت کا پتہ لگانے کے لئے مقرر کرنا ہوگا۔ کوئی بھی چھوٹی چھوٹی مثالوں اور مغربی دنیا کی کامیابیوں کو دیکھ کر تکنیکی کینو سیز کو باہر بننے پر تکیہ کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہاں تک کہ مغربی دنیا میں جہاں سرمایہ کاری کرنے میں پریشانی نہیں تھی، ٹیکنالوجی کے غلط استعمال نے دکھا دیا کہ تکنیکی آلات، اپنے طور پر، تعلیمی نتائج کی قیادت نہیں کر سکتے ہیں۔ کوئی یہ کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ ایسی بہت سی شاندار مثالیں ہیں کہ ٹیکنالوجی کیا کر سکتی ہے۔ مگر مجموعی طور پر، محققین نے افسوس کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ٹیکنالوجی نتائج فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

جبکہ اسے ہمیں بہت زیادہ سرمایہ کاری سے بچنے کی جانب اشارہ کرنا چاہیے، خصوصاً 'چلیے اپنے بچوں کے لیے ٹیبلیٹس خریدیں' جیسی باتوں سے، لیکن تعلیم کے میدان میں زیادہ بہتر ڈھنگ سے تیار کیے گئے، عملی طور پر زیادہ بامعنی اپلی کیشنز پر یقین کرنا غلط نہیں ہوگا۔ ہندوستانی تعلیمی منظر نامے کے مخصوص اہم مسائل کو صرف ٹیکنالوجی کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے۔ کچھ تکنیکی امکانات کے بہت زیادہ فوائد نظر آتے ہیں جس نے سخت گیر ناقدین کو اس پر اعتراض کرنے سے روک رکھا ہے۔ آیئے ایسے کچھ امکانات اور اقدامات کی جانچ پڑتال کی جائے۔

ہندوستان نے سرمایہ کاری کی ہے اور دنیا میں ایک سب سے بڑا اسکولی نظام تیار کیا ہے۔ عملی طور پر ملک میں ہر بستی کے قریب ہی ایک اسکول بنا ہے۔ اس وسیع تقسیم نے بھی وسائل فراہم کرنے کے نظام کو چیلنج کیا ہے، مثال کے طور پر، لائبریریاں۔

سب سے زیادہ مقبول ٹیکنالوجی کی اپلی کیشنز میں سے ایک ڈیجیٹل اور ڈیجیٹل وسائل ہیں۔ ایسے وقت میں جب ویب پورٹل عام ہو گیا ہے اور انسائیکلو پیڈیا جیسے وکی پیڈیا مقبول ہو گئے ہیں، بھارتی ہم منصبوں میں بھی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے۔ وہ (contextualisation) سیاق وسباق، لوکلائزیشن پر اضافی توجہ دیتے ہیں نیز ہماری ثقافت پر توجہ دینے کا کام کرتے ہیں۔ اوپن تعلیمی وسائل کے قومی ذخائر (http://nroer.gov.in) اسکول کی سطح پر مقبول ہے۔ مختلف ہندوستانی زبانوں کو پیش کرتے ہوئے اور اساتذہ اور دیگر لوگوں کو وسائل کی کیوریشن میں حصہ لینے کا اہل بناتے ہوئے یہ اقدام سبھی کے لیے یہ ایک شراکتی فورم کے طور پر فروغ پا رہا ہے۔ اعلی تعلیم میں اسی طرح کے اقدامات میں آئی آئی ٹی، کھڑک پور اور ایک تعلیمی مخزن، ای۔ گیان کوش کی طرف سے شروع کیا گیا ایک منصوبہ قومی ڈیجیٹل لائبریری بھی شامل ہے۔

ایک دوسرا مقبول تکنیکی اپلی کیشن آن لائن کورس کی سہولت ہے۔ بڑے پیمانے پر کھلے آن لائن کورس جسے عام طور پر MOOC کے طور پر جانا جاتا ہے، کی آمد ہوئی ہے، اس کی توسیعی صلاحیت اور پہنچ میں کافی دلچسپی دیکھی

جارہی ہے۔تعلیم کے لیےقومی مشن کے تحت آئی سی ٹی (NMEICT) این پی ٹی ای ایل کورس ہے۔ (https://onlinecourses.nptel.ac.in)۔بنیادی طور پر انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کے لیے ہے، تاہم اس پلیٹ فارم پر پہلے سے ہی سینکڑوں کورس چلائے جاتے ہیں اور مقبول ہیں۔یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی جانب سے اسی طرح کا ایک اقدام کیا ہے جسے ای پی جی پاٹھ شالا EPGpathshala کےطور پر جانا جاتا ہے،اس کے تحت موضوعات اور ڈیسیپلنس میں پوسٹ گریجویٹ سطح پرکورس کی ترقی کی جارہی ہے۔

MOOCs میں تعلیم کی تمام سطحوں پر اساتذہ کی ابھرتی ہوئی کمی سے نمٹنے کی صلاحیت ہے۔ان کے یہاں اسکول کی سطح پر معیار کے سنگین مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت ہے۔

عام طور پر اسکول کی سطح پر اساتذہ سروس میں موجود اساتذہ کی تربیت سے گزرتے ہیں، جو اس میں شامل تعداد کے شکریہ کے ساتھ ایک کیسکیڈ ماڈل میں تقسیم ہوتے ہیں۔ایک ماہر اہم ریسوس پرسنس کو تربیت دیتا ہے، جو اس کے بدلے میں کسی اور ریسوس پرسنس کو تربیت دیتے ، جس کے بعد پھر وہ اساتذہ کو تربیت دیتے ہیں۔ ان تمام سطحوں پر ایک سے وسائل کی فراہمی میں اس نظام کی ناکامی کی وجہ سے معیار کو نقصان پہنچتا ہے۔اس کے علاوہ بڑی تعداد میں اساتذہ کی شمولیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے تمام کے تمام ،سبھی مواد کو کور کرلیں گے اور اکثر کافی ہوں گے۔آن لائن یا ڈیجیٹل کورسوں کی دستیابی میں ان رکاوٹوں پر قابو پانے کی صلاحیت ہے۔

اوپن تعلیمی وسائل سے متعلق بڑھتی ہوئی بیداری کے ساتھ، استعمال کرنے کے لئے ممکنہ قانونی رکاوٹوں سے بھی نمٹا گیا ہے۔اوپن کے تصور کا مطلب ، ماخذ کی اس طرح کی لائسنسنگ ہے جو مفت حصول، تقسیم نو، مرضی کے مطابق اور مفت استعمال کی اجازت دے۔یہ زیادہ تر ہندوستانی زبانوں میں ترجمے کے پس منظر میں مناسب ہے، جسے اخراجات اور مقامی زبانوں میں مہارت کے فقدان کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ویب پر ہندوستانی زبان کے مواد اور ترجمہ میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔محکمہ الیکٹرونکس اور انفارمیشن ٹیکنالوجی، کے ڈیجیٹل اقدامات کے تعاون سے انڈین لینگویج انیشی ایٹیوس (http://www.tdil-ac.in) کی وجہ سے سافٹ ویئر ایپلی کیشنز اور آلات سامنے آئیں ہیں جو ہندوستانی زبان کی نسل اور انتظامیہ کی مدد کرتے ہیں۔

یہ اقدامات ، ماحول کو بہتر بنانے کی جانب ایک اچھا اشارہ ہیں، جو ڈیجیٹل تقسیم اور ڈیجیٹل رسائی سے متعلق پابندیوں کے اہم مسائل کو ختم کرسکتے ہیں۔ان کا مقصد ان کا راستہ روکنا ہونا چاہیے تاکہ ان مسائل کے تحت معاشرے کے ہر طبقے میں دلچسپی بڑھائی جائے، جو علم ، خدمات اور ملک کی اقتصادی خوشحالی میں بڑے پیمانے پر لوگوں کی شرکت سے روکتے ہیں۔

☆☆☆

آفات کے بندوبست کو ہندوستان کی پالیسی میں ایک اہم مقام حاصل: راج ناتھ سنگھ

☆ وزیر داخلہ جناب راج ناتھ سنگھ نے کہا ہے کہ ہندوستان کے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے کہ وہ آفات کے بندوبست سے متعلق جنوب ایشیائی سالانہ مشق کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہا ہے جس کی اب ہر سال باری باری سارک ممبر ملکوں کی طرف سے میزبانی کی جائے گی۔جناب راج ناتھ سنگھ نئی دہلی میں ایس اے اے ڈی ایکس 2015 کے اختتامی اجلاس کے موقع پر اظہار خیال کررہے تھے۔انہوں نے کہا کہ جنوب ایشیا میں ہوئے حالیہ آفات کے پیش نظر یہ یونٹ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔انہوں نے مزید بتایا کہ ہندوستان کو 2001 میں گجرات کے زلزلے 2011 میں سکم کے زلزلے، سمندری طوفان فیلن اور 2013 اور 2014 میں اڈیشہ اور آندھرا پردیش کے ساحلی علاقوں میں سمندری طوفان ہدہد سمیت حالیہ برسوں میں قدرتی آفات کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے کہا کہ ہندوستان احتیاطی اقدامات کرسکتا تھا اور ساحلی علاقوں سے لوگوں کو بروقت نکال لینے کی وجہ سمندری طوفان فیلن کے معاملے جانی نقصان کم کیا جاسکتا تھا۔اسی طرح احتیاطی اقدامات اور روک تھام کی کوششوں کی وجہ سے سمندری طوفان ہدہد کے معاملے میں بھی انسانی جانوں کے نقصان کو کم کیا جاسکتا تھا۔انہوں نے مزید کہا کہ آفات کے بندوبست کو ہندوستان کی پالیسی میں ایک اہم مقام حاصل ہے کیوں کہ غریب لوگوں کو ہی ان آفات سے زیادہ متاثر ہونا پڑتا ہے۔ جناب راج ناتھ سنگھ نے کہا کہ ہندوستان ضرورت پڑنے پر دوسری کی مدد کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہے۔انہوں نے کہا کہ جب 25 اپریل 2015 میں نیپال میں زلزلہ آیا تھا تو ہندوستان کی حکومت نے زلزلے کے پانچ گھنٹے کے اندر اندر راحت وبچاؤ ٹیمیں بھیجی تھیں اور ہندوستان اس سلسلے میں سرکردہ رول ادا کررہا ہے۔وزیر داخلہ نے کہا کہ جنوبی ایشیا میں حالیہ واقعات کے پیش نظر ایس اے اے ڈی ایم ای ایکس نے آفات کے معاملے میں بہترین کاموں کو شیئر کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا تھا۔انہوں نے کہا کہ قومی اور علاقائی پالیسیاں اچھی حکمرانی پر مبنی ہونی چاہیں اور تباہی کو کم کرنے کے کام میں معروف اداروں کے درمیان تعاون اور معلومات کا تبادلہ ہونا چاہیے۔ وزیر داخلہ نے ریاستوں کے وفد کے لیڈروں اور ہیڈ مشاہدین کو میمنٹو زاور سرٹیفکٹس بھی فراہم کیے۔سارک کے سکریٹری جنرل ارجن بہادر تھاپا نے ممبران کو مبارکباد دی اور کہا کہ اس خطے میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مشق ہے۔انہوں نے اس مشق میں سارک ڈزاسٹر مینجمنٹ سینٹر کے لیے ہندوستان کی حکومت کی ستائش کی جو 2006 میں قائم کیا گیا تھا۔انہوں نے کہا کہ یہ مشق مندوبین کے حوصلے کو بلند کرے گی۔

☆☆☆

جے ایس راجپوت

اقدار پر مبنی سماج کی جانب

مل جل کر رہنے کے لئے تعلیم کا حصول ضروری

"انسان کی بقا کا اس صورت میں کوئی امکان نہیں ہے' اگر معلومات صرف معلومات تک ہی محدود رہتی ہیں لیکن اگر ہم معلومات کو دانش مندی میں تبدیل کرسکتے ہیں تو انسان کا وجود نہ صرف قائم رہے گا بلکہ وہ حصولیابیوں اور کامیابیوں کی زیادہ سے زیادہ بلندیوں پر بھی پہنچ سکے گا"۔ جی بی شا

مصنف پدم شری ایوارڈ یافتہ ہیں۔

rajput_js@yahoo.co.in

تمام جاندار مخلوق میں سے صرف انسانوں کو ہی منفرد' جبلی اور زندگی بھر کی لگن عطا کی گئی ہے جس سے وہ تلاش تصور کرسکتے ہیں' استحکام حاصل کرسکتے ہیں' ترقی کرسکتے ہیں' تخلیق کرسکتے ہیں' بہتر بناسکتے ہیں' استفادہ کرسکتے ہیں اور قائم رہ سکتے ہیں نیز اسی کے ساتھ ساتھ بہتر زندگی نیز مزید معلومات اور دانش مندی کے سلسلے میں بہتری کی مزید کوششیں کرسکتے ہیں۔ جیسے جیسے انسانی تہذیبوں نے ترقی کی' حاصل کردہ تجربات اور معلومات آنے والی نسلوں کو منتقل کرنے کی ضرورت ایک صریحی ذمہ داری بن گئی۔ چناں چہ اپنے نوجوان لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے ہر ایک تہذیب میں تدبیر و وسائل تلاش کئے گئے تھے۔ اس بات کا تصور کرنا ایک قدرے پیچیدہ معاملہ ہوسکتا ہے کہ عظیم مذہبی کتابیں' کسی کاغذ اور پنسل کی مدد کئے بغیر صرف زبانی تعلیم حاصل کرنے کی روایات کے ذریعے پہلے سے حاصل کردہ کاملیت میں ایک نسل سے دوسری نسل کو کیسے منتقل کی گئی تھیں۔ تاریخ کے اس موجودہ موڑ پر معلومات کی تشہیر' تخلیق' تیاری' اضافے اور استعمال کے عمل کو تعلیم اور تحقیق کے زمرے میں شامل کردیا جاتا ہے۔ اسے تفاعل' تبادلے' تکنیکی مدد اور اطلاعاتی تکنالوجی میں ان بہتریوں کے ذریعے مستحکم کیا جاتا ہے جو ایک بار پھر مستقبل انسانی خوش تدبیری اور اقدامات کے نتائج ہیں۔ پچاس سال پہلے تک بھی ایک آئی پیڈ یا لیپ ٹاپ کمپیوٹر کی موجودہ شکل بیشتر لوگوں کا ایک خیال پرستانہ خواب معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت بنی نوع انسان کو عطا کردہ مجموعی معلومات' ادراک اور دانش مندی سے جو کچھ بھی فوائد اور فوقیتیں حاصل ہوئی ہیں' وہ ان پر لگن اور موقوف بنی انسانوں کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہیں جنھوں نے انسانی بہبود کو اپنی زندگی کا بنیادی مطمح نظر بنالیا تھا۔ جیسے جیسے مختلف مقامات اور حالات میں معلومات میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوا تھا اور انسانوں کی آمد و رفت بڑھی تھی' حاصل کردہ معلومات کی عالم گیریت کو سمجھا گیا تھا' اس کا اعتراف کیا گیا تھا تاکہ اس کو مزید کرنے کی رفتار میں مزید اضافہ ہوسکے۔ آج بنی نوع انسان قدرت کی طاقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ اس برآمد شدہ دفینے کو کیسے استعمال کیا جائے جو انسانی زندگی کی بہتری کے لئے اس سرزمین میں موجود ہے۔ بنی نوع انسان اس بات کو بھی سمجھتے ہیں کہ تمام انسانوں کا مستقبل مشترکہ اور ساجھے دارانہ ہے۔ اسے برقرار رکھنے اور آنے والی نسلوں کے لئے اسے بہتر بنانے کے لئے وہ ساجھے داری اور خیالی رکھنے کی اس قدر کو بھی سمجھتے ہیں جو بنی نوع انسانوں کے دائمی اتحاد سے جبلی طور پر ابھرتی ہے یعنی دنیا ایک کنبہ ہے!

تاریخ سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ حاصل کردہ معلومات اور علم کا استعمال منفیت کی نشو و نما کرنے اور اسے فروغ دینے کے لئے بھی کیا گیا ہے۔ جیسے جیسے انسان براعظموں میں گیا۔ اس کے نتیجے میں نوآبادیت' غلامی' نسل پرستی اور اس طرح کے دیگر غیر انسانی رجحانات پیدا ہوئے تھے۔ جب انسان نے ایٹمی طاقت کا علم اور معلومات حاصل کی تھیں تو اس نے ہیروشیما اور

ناگاساکی کا المیہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ آج وہ بنیادی پرستی، دہشت پسندی نیز سائبر حملوں کے ڈر سے متاثر ہوتا ہے۔ بنی نوع انسان اس بات کی پوری معلومات ہوئے بھی عالمی قدرتی وسائل سے ناجائز طور سے بے اندازہ فائدہ اٹھا کر لطف اندوز ہو رہا ہے کہ قدرتی وسائل محدود ہیں نیز انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سیارہ موجود نہیں ہیں۔ جب انسانی ضمیر پر لالچ غالب آجاتا ہے تو تشدد کو پھلنے پھولنے کے لئے سب سے زیادہ بار اور ماحول اور موقع مل جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لڑائیاں اور جنگیں ہوتی ہیں۔ انسانی اور قدرتی وسائل کی بے اندازہ تباہی و بربادی عام طور پر مروج ہوجاتی ہے۔ بنی نوع انسانوں نے انسان اور قدرت کے اس رابطے کو اتنی بے رحمی سے پہلے کبھی بھی منتشر نہیں کیا تھا۔ جتنی بے رحمی سے وہ اس وقت کر رہا ہے۔ ایک اناڑی اور ناسمجھ آدمی تک کے لئے بھی، خشک ہوتے ہوئے دریا اور ندیاں، آلودہ ہوا اور آلودہ پانی پوری کہانی سناتے ہیں۔ صحت کے تحفظ اور ادویہ کے شعبہ میں عظیم پیش قدمیاں ان صحتی خطرات کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں محض ناکافی نظر آتی ہیں، جو انسان نے اپنی ان بے اندازہ لطف اندوزانہ مادہ پرستانہ کوششوں کے ذریعے خود پیدا کئے ہیں جو اس نے ان کی وجہ سے برآمد ہونے والے صریح آفت انگیز نتائج کو مکمل طور سے نظر انداز کرتے ہوئے کی ہیں۔ آج اس بارے میں سائنسی طور سے ٹھوس اندازے لگائے جارہے ہیں کہ اگر اصلاحی اقدامات سنجیدگی اور ایمانداری سے شروع نہیں کئے جاتے ہیں تو اس سیارے یعنی کرۂ ارض کا وجود کتنے عرصے تک قائم رہے گا۔ مرض معلوم ہے، دوا بھی معلوم ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور اپنے قبضے میں رکھنے کا سحر اور چمک دمک ملکوں اور ان کے لیڈروں کو ایسی حکمت عملیوں پر عمل درآمد کرنے سے روکتی ہے جن سے ان آفات کی روک تھام ہوگی جو ہم سب کے سامنے بڑے پیمانے پر خوفناک نظر آرہی ہیں نیز جن سے اس سیارے یعنی کرۂ ارض کی بقا کو خطرہ لاحق ہے۔ لیڈروں اور لوگوں میں کیا چیز غائب ہوگئی ہے؟ بنی نوع انسان خود اپنے ہم وطنوں کو جان سے مار کر نیز عام بنی نوع انسانوں کے لئے ایک پر امن، شاندار اور مہذب زندگی کی حامل اس دنیا کو غیر محفوظ اور غیر موزوں بنا کر خود اپنے اس مسکن کو تباہ و برباد کرنے پر کیوں آمادہ ہیں؟ جواب کی تلاش بھی دائمی کہی جا سکتی ہے۔ ویدوں نے کافی پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ جو لوگ ویدانت سے ناواقف ہیں، ان کے لئے افلاطوں کا ذکر کرنا کارآمد ہوگا۔ اپنی ''جمہوریہ'' میں افلاطون اپنے سامعین سے یہ چاہتا تھا کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ ''ایک اچھی زندگی محض کچھ اقسام کے اقدام کرنے کی بجائے ایک شخص کی ایک صحیح نوع ہونے میں مشتمل ہوتی ہے''۔ افلاطون کے تئیں جواب ''مجھے کیا کرنا چاہئے'' سے آگے بڑھ ''مجھے کس قسم کا شخص ہونا چاہئے'' میں مضمر ہوتا ہے اور یہاں استاد اور تعلیم کا معاملہ آتا ہے۔ استاد ایک اناڑی معصوم فرد کو ایک شخصیت میں بدل دیتا ہے۔ استاد اسے انسانیت سے دینیات کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل کر لیا جاتا ہے تو سچائی، عدم تشدد اور امن کی اقدار ہر طرف نظر آئیں گی۔ نتیجتاً محبت اور بھائی چارہ دیکھنے میں آئے گا نیز محبت نظر نہ آنے والی ایک آرزو نہیں رہے گی۔ یہ تعلیم کی وہ طاقت ہوگی جس سے اس استاد کے ذریعے اقدار پیدا ہوتی ہیں جو ایک طرف ایک رول ماڈل کے طور پر نیز دوسری طرف قوم کے ایک معمار کے طور پر اپنے کردار سے واقف ہے۔ وہ نصاب تعلیم کا محض ایک ترسیل کنندہ ہونے سے کہیں آگے بڑھتا ہے۔

مختلف ڈگریوں کے سلسلے میں مادہ پرستانہ عالمی رجحانات ہر ایک کو اثر انداز کرتے ہیں نیز جن میں اساتذہ اور تعلیمی نظام بھی شامل ہیں۔ تعلیم کو ہمیشہ بنی نوع انسان کے لئے امید کی کرن رہنی چاہئے۔ معلومات اور علم نیز ان کا حصول ضروری ہیں لیکن تنہا وہ کافی نہیں ہے۔ انسانی نسل کے وجود کو قائم رہنے دینے کے لئے دانشمندی اور 'دویک' لازمی جزو ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس سلسلے میں کوئی تنبیہ نہیں تھی۔ لیکن ہم انہیں قطعی طور پر نظر انداز کرتے ہیں۔ جب مہاتما گاندھی نے یہ کہا تھا کہ قدرت ہر ایک کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی کچھ کی حامل ہے، نہ کہ ہر ایک کی طمع تو انہوں نے درحقیقت ان الفاظ میں انسانی نسل کے پورے مستقبل کا لب لباب بیان کیا تھا۔ یہ انسان اور قدرت کے تعلق کی حساسیت اور باہمیت کا ادراک کرتا ہے نیز ایک تنبیہ کا حامل ہے کہ قدرتی وسائل سے ناجائز طور سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ ختم ہونا چاہئے۔ جب 'اپاری گرہ' یعنی عدم اجتماع کا معاملہ ہندوستانی فلسفے میں بڑھا، تو یہ ایک تنبیہ اور ایک قدر دونوں تھا جسے سننے جانے اور جس پر توجہ دیئے جانے کی ضرورت تھی۔ آج ہم عالمی تشویشات کے بارے میں سنتے ہیں جن کا اظہار باقاعدہ وقفوں سے کرۂ ارض سے متعلق چوٹی کانفرنس، آب وہوا سے متعلق چوٹی کانفرنس اور دیگر کانفرنسوں میں کیا جارہا ہے۔ ان کے نتیجے میں کوئی زیادہ موثر اقدام سامنے نہیں ہوتا ہے اور اقدار کے رفتہ رفتہ خاتمے کے بارے میں کوئی بات نہیں کررہا ہے، جس سے جامع طور سے وہ تمام نقصان واضح ہوتا ہے جو بنی نوع انسان اپنی تمام تر واقفیت اور ادراک میں، اپنے آپ کو پہنچا رہے ہیں۔ انسانی خوش تدبیری کو ایک حل تلاش کرنا چاہئے۔ وہ واحد حل اسکولوں، کالجوں اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنا نیز اقدار پیدا کرنے، تربیت کرنے اور نشوونما کرنے پر بنیادی توجہ مرکوز کرنا ہے۔

ہندوستانی روایت میں اس شعبے میں دیگر تہذیبوں کے داخل ہونے سے کہیں پہلے، عالموں اور طباع لوگوں نے نہ صرف اس سیارے پر زندگی کو بلکہ اس بات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی تھی کہ اس سیارے سے قطعی رخصت کے بعد کیا ہوگا۔ اس جستجو میں انہوں نے خود اپنے طریقے میں کائنات کا حقیقی مقصد تلاش کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں روحانیت کے فلسفے اور رواج کو فروغ ملا تھا۔ پوری دنیا نے اسے تسلیم کیا تھا۔ روحانی جستجو کے نتیجے میں دنیاوی زندگی کا بھی بہتر ادراک ہوا تھا۔ صحیح سلوک دوسروں کی فکر، دائمی انسانی فکر، زندگی میں نیز دوسروں کے ساتھ امن کی اقدار ابھر کر سامنے آئی تھیں اور ان کی اہمیت کو باضابطہ سمجھا گیا تھا۔ ہندوستانی مذہبی کتابوں میں یہ بات تفصیل سے بتائی گئی ہے کہ انسان اور قدرت کے تعلق کو اس کی تمام تر اثر پذیری میں کیسے اور کیوں قائم رکھنا چاہئے۔ یہ بنی نوع

انسانوں کو یہ ذمہ داری بھی تفویض کرتی ہیں کیوں کہ انہیں سوچنے، تصور، تدبیر کرنے اور جہاں کہیں ضروری ہے، اصلاحی اقدامات کے طور پر نئی حکمت عملیاں وضع کرنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ وسیع طور سے ڈیلورس کمیشن کی رپورٹ (یونیسکو 1996) میں جس میں اکیسویں صدی میں تعلیم کا ایک تصور پیش کیا گیا ہے، ان سات تناؤوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو اس وقت بنی نوع انسانوں کو درپیش ہیں۔

☆ عالمی اور مقامی

☆ ہمہ گیر اور انفرادی

☆ روایت اور جدید طرز

☆ طویل مدتی اور مختصر مدتی ملاحظات

☆ مسابقت اور موقع کی مساوات

☆ معلومات کا دھماکہ اور جذب کرنے کی صلاحیت

☆ روحانی اور مادی

ان تناؤ کے نتائج اور اس سیارے یعنی کرۂ ارض پر اب نہ صرف سب پر عیاں ہیں بلکہ صورت حال متعدد شعبوں میں فوری اصلاحی اقدامات کی بھی متقاضی ہے۔ ایک طرف عالمی گرماؤ کا معاملہ ہے اور دوسری طرف موجودہ نسل کو بڑھتے ہوئے تشدد، تعصب اور دہشت پسندی کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ یہ چیزیں قطعی طور پر انسانی پیش قدمی اور ترقی کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی ہیں۔ مزید برآں عملی طور سے ہر ایک ملک ایک اقتصادی بحران کا سامنا کر رہا ہے۔ ترقی پذیر ملک تکنیکوں اور ٹکنالوجیکل پیش قدمیوں کے سلسلے میں نیز مختلف دیگر شعبوں میں اقتصادی امداد، تعاون کے لئے ترقی یافتہ ملکوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس طرح کی مدد مفت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اکثر اس کے نتیجے میں پیش رفت کے تصور کا ایک بحران پیدا ہوتا ہے جو ایک مخصوص ملک کو موافق آ سکتا ہے اور دوسرے کو نہیں۔ اس سب کے نتیجے میں 'کسی قدر ایک اخلاقی بحران' کی صریحی موجودگی رہتی ہے جس کا سامنا اس وقت ہر ایک ملک کر رہا ہے۔

ایک 'انسان دوست اور ہمدرد' فرد تیار کرنا

ہر ایک تہذیب اور ہر ایک مذہب نے خود ہی اپنی روایات، معیارات اور طریقے مرتب کئے ہیں جو لوگوں کو زندگی بسر کرنے اور روزی روٹی کمانے کے ان کے طریقوں میں ایک دوسرے سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذاہب نے سلوک کرنے اور انسانی سماجی کاری کے معیارات بھی مرتب کئے ہیں۔ ہر جگہ، یہ بات بے خوف و خطر کہی جا سکتی ہے کہ لوگ کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہیں۔ بڑھی ہوئی حرکت پذیری کی وجہ سے کمیونیٹیاں تیزی سے فروغ پا رہی ہیں جن میں مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے پیروکاروں کے ساتھ مل کر رہنا ہوتا ہے اور ایک ساتھ مل کر کام کرنا ہوتا ہے۔ 2001 کے دو ٹاور والے سانحے سے پتہ چلا ہے کہ ساٹھ قومیتوں کی نوجوان لڑکیاں اور لڑکے ان دونوں عمارتوں میں ایک ساتھ مل کر کام کر رہے تھے۔ ان کی نسلی، ثقافتی، لسانی اور سماجی تعلیم و تربیت کافی مختلف تھی لیکن انہوں نے یہ سیکھا تھا کہ کل کی دنیا کیا مشکل اختیار کرے گی نیز لوگوں کو پیش رفت اور ترقی کے راستے پر آگے بڑھنے کے سلسلے میں ایک ساتھ مل کر جد و جہد کرنا کیسے سیکھنا ہوگا۔ ثقافتوں، مذاہب اور زبانوں یا قومیتوں کی گونا گونی انسانی ترقی اور پیش قدمی کی راہ میں اس صورت میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اگر بنی نوع انسان کے لازمی اتحاد اور مساوات کو حاصل کر لیا جاتا ہے نیز سبھی لوگ اسے اپنا لیتے ہیں۔ یہ بات بچے کی پرورش کے عمل اور کمسن بچے کی تعلیم کے حصول کے عمل کے دوران سب سے زیادہ موثر طور سے واقع ہوتی ہے۔

ایک ملک تعلیم کے اس ماڈل کے بارے میں کیسے فیصلہ کرتا ہے، جس پر وہ عمل درآمد کرتا ہے۔ اس بات کو اب وسیع طور سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہر ایک ملک اور قوم کی تعلیم کی جڑ اس سے ثقافت میں ہونی چاہئے اور اسے ترقی کے لئے پابند ہونا چاہئے۔ یہ ہندوستان کا اپنا تجربہ ہے کہ تعلیم کے منتقل کردہ ڈھانچے غیر ملکی سرزمینوں میں قطعی طور سے پھل پھول نہیں سکتے ہیں۔ آزادی کے بعد ہندوستان نے تعلیم کے اس ماڈل پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا تھا جس کا مقصد حکمرانی کے نظام کے نچلے پائیدانوں میں غیر ملکی حکمرانوں کی مدد کرنے کی غرض سے افرادی طاقت تیار کرنا تھا۔ یہ ماڈل سب کے لئے نہیں تھا۔ اس کا تعلق ثقافت، تاریخ نیز معلومات اور علم کی جستجو کی ہندوستانی روایت سے نہیں تھا۔ جب کہ کچھ دائمی انسانی اقدار ہیں تاہم ثقافتوں اور روایتوں کی اپنی مخصوص تعبیریں ہیں جو اپنے لوگوں کو طاقت اور ترغیب عمل فراہم کرتی ہیں۔ یہ خوب صورتی کے اس احساس کو پھیلاتی ہیں کہ گونا گونی تمام براعظموں میں مذاہب اور علاقوں کی پیش کش کرتی ہے۔ چناں چہ باہمی تفاعلوں نیز توسیع، استحکام اور بہتر بنانے کے عمل کے ذریعے انہیں محفوظ رکھا اور مستحکم بنایا جانا ہوگا۔ اس سب کے لئے نیز ایک بہتر اور زیادہ بھرپور انسانی زندگی کے لئے بنیادی طاقت موجودہ زمانے میں تعلیم کا عمل ہے۔ تعلیم کے مقاصد، جس کسی بھی انداز میں انہیں واضح کیا جاتا ہو، بالآخر ایک جامع بیان کی طرف لے جاتے ہیں یعنی یہ انسان کو بنانے والی تعلیم ہونی چاہئے۔ جب سوامی وویکانند نے یہ کہا تا کہ تعلیم اس کاملیت کا اظہار ہے جو پہلے سے ہی انسان میں موجود ہے تو وہ کچھ الفاظ میں انسانی زندگی، اس کے مطمح ہائے نظر، مقاصد، عمل اور ماحصل کی کلیت بیان کر رہے تھے جس کی ترسیل عظیم رسائل تک بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے انسان اور قدرت کے ایک تعلق کے طور پر تعلیم کے بارے میں اپنا ادراک پیش کیا تھا۔ اعلیٰ ترین تعلیم یہ ہے کہ جس سے ہمیں معلومات حاصل نہ ہوں بلکہ تمام وجود کے ساتھ ہماری زندگی ہم آہنگ ہو"۔ 1909 میں مہاتما گاندھی نے "ہند سوراج" لکھی تھی اور اس میں انہوں نے تعلیم کی توضیح نقل کی تھی، جس میں بھی لازمی طور سے انسان بنانے کی بات کہی گئی ہے۔ اس طرح تعلیم کی تلاش کا سلسلہ دنیا بھر میں جاری ہے نیز یہ اپنے آپ میں تہذیب کی نشو و نما اور ارتقا ایک بہت ہی حوصلہ افزا علامت ہے۔ ہکسلے نے اس بات کا اشارہ دیا ہے کہ تعلیم میں افضلیت کا ماحصل کیا ہو سکتا ہے۔ بخوبی نشو و نما یافتہ بخوبی مربوط شخصیت ارتقا کی اعلیٰ ترین پیداوار ہے، وہ بھرپور ترین حصول جو ہمیں اس دنیا میں معلوم ہے"۔ انہوں نے مزید زور دیا ہے کہ انسانی فطرت اور اس کے امکانات کی تلاش کا سلسلہ قریب قریب شروع ہو چکا ہے۔ غیر منشور شدہ امکانات کی ایک نئی وسیع دنیا اپنے کولمبس کا انتظار کر رہی ہے"۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اسے ان الفاظ میں کہا ہے، 'جو تعلیم کو اس کی کلیت میں ذہن

میں لاتے ہیں: تعلیم کی حتمی پیداوار ایک آزاد تخلیقی انسان ہونی چاہئے جو تاریخی حالات اور قدرت کے مصائب سے لڑ سکے''۔ اندھی جستجو اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے کے نتیجے میں ہی اترا کھنڈ میں قدرتی آفات رونما ہوئی ہیں نیز ممبئی اور چنئی کو بڑی تکالیف پہنچی ہیں۔ وہ ہوا' جس میں دہلی کے باشندے اور یہاں آنے والے سیاح سانس لیتے ہیں' خطرناک اور بچوں کے لئے تو وہ سب سے زیادہ ضرررساں ہے لیکن اس کو مزید آلودہ کرنے کا سلسلہ بغیر روک تھام کے جاری ہے۔ یہ اقدار کے بغیر ترقی ہے جس سے قدرتی آبی ذخائر' دریاؤں اور ندیوں کو ختم کر دیا ہے اور اس نے اس سیارے یعنی کرۂ ارض پر دریاؤں میں سب سے زیادہ محترم یعنی گنگا تک کو بھی بخشا ہے۔ کیا اس سے اقدار کے رفتہ رفتہ خاتمے کا پتہ نہیں چلتا ہے جس سے اب انسانی نسل کی بقا کو خطرہ لاحق ہے؟ اس صورت حال کی ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب اس وقت ہو رہا ہے جب دنیا اور ہندوستان خواندگی کی زیادہ شرحوں نیز ابتدائی تعلیم کو ہمہ گیر بنانے کے سلسلے میں عظیم حصولیابیوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال فوری اصلاحی اقدامات کرنے کی متقاضی ہے تاکہ تعلیم کو کلیت میں اپنے مقاصد حاصل کرنے دیا جائے۔ نیلسن منڈیلا نے بہت جامع طور سے اسے واضح کیا تھا: ''تعلیم سب سے زیادہ طاقت ور اور موثر ہتھیار ہے جسے آپ دنیا کو بدلنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں''۔ اس سلسلے میں تعلیم کو 'جسم' ذہن اور روح' میں سے بہترین عنصر باہر نکالنا چاہئے۔ شخصیت کی کل نشو و نما اور ارتقا کے لئے کنبے' کمیونٹی اور تعلیم کی سطح پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ فکر' عمل اور فعل کے ذریعے ترقی کرنے کا راستہ ہموار ہو سکے۔

کیا کیا جا سکتا ہے؟

ہندوستان کی جد و جہد آزادی کئی لحاظ سے بے مثال تھی۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں مہاتما گاندھی کی موجودگی نیز جو کچھ بھی ہو' سچ پیروی میں ان کا ٹھوس یقین تھا۔ انہوں نے ایک جملے میں اس کا خلاصہ کیا تھا: '' میری زندگی ہی میرا پیغام ہے''۔ خود اپنی مثال اور افعال کے ذریعے انہوں نے کروڑوں ہندوستانیوں کو اقدار پر مبنی زندگی گزارنے' ضرورت مند کے کام آنے کی ضرورت کو سمجھنے اور بالآخر ملک اور ہم وطنوں کے لئے ہر ایک چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہنے کی ترغیب دی تھی۔ کم خواندگی اور مواصلات کے بہت کم ذرائع نیز پرنٹ میڈیا کی ناکافی موجودگی والے اس زمانے میں لوگوں کو اس بات میں دلچسپی تھی کہ گاندھیائی نظریات اور اقدار کو ملک کے کونے کونے میں تیزی سے کیسے پھیلایا جائے! یہ بات ان لوگوں کے ساتھ جنہیں جد و جہد آزادی میں شرکت کرنے کا فخر حاصل تھا' نجی تفاعل میں

ابھر کر سامنے آئی تھی کہ گاندھیائی خیالات کو پھیلانے کے سلسلے میں اسکولی اساتذہ کا کردار درحقیقت سب سے زیادہ وقیع ہے۔ انہوں نے کھادی کے استعمال کو پھیلایا تھا اور اس کا مطلب 'اپاری گرہ' یعنی عدم اجتماع کی اقدار کی حصولی تھا۔ جو کوئی بھی اپنی ضروریات کو محدود کرتا ہے' وہ یقیناً بدعنوانی کے ان طریقوں کے ذریعے لالچ دے کر پھانسا نہیں جا سکے گا' جو صرف ان لوگوں کو پھانس لیتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں خوش ہوتے ہیں اور اس کے عادی ہوتے ہیں۔ ایک عظیم صاحب بصیرت' جو مہاتما گاندھی تھے' وہ اس بات کا ادراک کر سکے تھے کہ مستقبل میں اقدار کے رفتہ رفتہ خاتمے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر حکمرانی کے نظاموں کے ذریعے اور اس سے بھی زیادہ اہم طور سے لوگوں کے ذریعے ضروری احتیاط نہیں برتی جاتی ہے۔ 1925 میں انہوں نے 'ینگ انڈیا' میں سات سماجی گناہ شائع کئے تھے:

اخلاق کے بغیر تجارت
کردار کے بغیر تعلیم
ضمیر کے بغیر خوشی
اصولوں کے بغیر سیاست
انسانیت کے بغیر سائنس
کام کے بغیر دولت
خدمت کے بغیر عبادت

یہ سات قول ہر ایک ملک کے منصوبوں اور عمل درآمد کنندگان کے لئے جامع رہنما خطوط پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کو اس بات کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ جب تک وہ عملاً اقدار پر مبنی سماج کا ایک ماڈل پیش نہیں کرتا ہے' اس وقت تک روحانیت کے سلسلے میں دنیا کی رہنمائی کرنے کا اس کا خواب ایک خواب بعید ہی رہے گا۔ مذکورہ بالا سات گناہوں کو ''سات انفرادی عملی نکات'' میں بدلیے اور معجزہ دیکھئے! ایک بار' سنجیدہ اقدامات اور کوششوں کے ذریعے' لوگوں کو ان اظہارات پر مبنی زندگی گزارنے کے لئے آمادہ کر لیا جاتا ہے تو کام کرنے کی جگہوں پر کام کے کلچر کی جہتیں نیز تعلیمی اداروں میں ماحول بھی بدل جائے گا۔ ہر ایک شخص ہر ایک پیشہ ور افراد' ہر ایک والدین کو ہندوستان کو بدلنے کے سلسلے میں اپنے کردار کو سمجھنے دیجئے۔ روزانہ بنیاد پر جائزہ لینے کے لئے ان میں سے ہر ایک کو یہ بات ذہن نشین کر دیجئے کہ میں نے آج دوسروں کے لئے کیا کیا ہے' میں نے آج کمیونٹی اور اپنے ملک کے لئے کیا کیا ہے؟ اور میں نے آج وہ کیا غلطیاں کی ہیں جو سچ کے راستے میں مخل ہوتی ہیں۔ اس میں لوگوں کی اپنی جبلی صلاحیت حاصل کرنے دینے نیز ایک قائدانہ کردار ادا کرنے دینے کی صلاحیت ہے۔ جی ہاں ہر ایک شخص کے لئے ایک رول ماڈل بن سکتا ہے۔ اس سے ایک تخلیقی اور تعاون کرنے والی زندگی گزارنے کے لئے گھر سے لے کر اسکول تک اور اسکول سے لے کر کام کرنے کی جگہ تک ایک ماحول پیدا ہوگا۔ تعلیم کو اس انفرادی کردہ منصوبۂ عمل کے لئے جس کا مقصد ہر ایک شخص کو ایک شخصیت میں بدلنا ہے' ایک ماحول پیدا کرنے کے سلسلے میں مدد کرنے کا چیلنج قبول کرنے دیجئے۔

☆☆☆

ڈاکٹر انوپریہ چڈھا

ہندوستان میں داخلی تعلیم کا نقش راہ

داخلی تعلیم سے مراد ایسا طریقہ ہے جو سیکھنے والوں کو در پیش دشواریوں کا ازالہ کر کے ان کے سیکھنے کی ضروریات کو پورا کرے، خاص طور پر ایسے افراد کی جو مخصوص ضروریات کے حامل ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ تمام سیکھنے والے نوجوان جو معذور ہیں یا نہیں ہیں، اسکول جانے سے پہلے اسکولوں میں یا سماجی تعلیمی اداروں میں مشترکہ طور پر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔بس ان کے لئے معقول امدادی خدمات کے نیٹ ورک کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ کسی لچک دار تعلیمی نظام میں بھی ممکن ہے جو مختلف نوعیت کے سیکھنے والوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے مطابق طریقہ اختیار رکھتا ہے۔ داخلی تعلیم کا مطلب ہے تمام لوگوں کے انسانی اور شہری حقوق بشمول جسمانی، حسی، ذہنی یا حالات کے متقاضی خامیوں کا حصول جس کے لئے ہر سطح کے تعلیمی نظام، ان کی اقدار، نظام تعلیم، ثقافت، طریقہ کار اور ڈھانچوں میں داخلی پالیسیاں وضع کرنا اور ان کو عمل میں لانا ہوتا ہے۔قومی نصاب فریم ورک برائے اسکولی تعلیم نے مواد میں پیش کش اور ترسیلی حکمت عملی میں مناسب ترمیمات کر کے اور اساتذہ تیار کر کے نیز سیکھنے والوں کے موافق معقول اقداری طریقہ وضع کر کے مخصوص تعلیمی ضروریات کے حامل طالب علموں کے لئے داخلی اسکولوں کی سفارش پیش کی ہے۔

مشیر اعلیٰ، داخلی تعلیم، سروشکشا ابھیان
iedtsgssa@gmail.com

موجودہ تعلیمی نظام سے متعلق معلومات

اس کے مدنظر ان عوامل کا جائزہ لینا اور ان سے متعلق معلومات حاصل کرنا اہم جو زیادہ داخلی تعلیمی نظام کے قیام کے فروغ میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ 3R کے طریقہ کار کے تحت تمام تر توجہ مرکوز کرنے سے تعلیم ایک طریقہ کار نہ ہو کر محض ایک شئے بن کر رہ گئی ہے جس کا صلہ رپورٹ، مارک شیٹ یا سندی شکل میں سال کے آخیر میں حاصل ہوتا ہے۔تعلیمی نظام کے مجموعی مقاصد کو ازسرنو ترتیب دینے کی فوری ضرورت ہے تا کہ طلبا کو ایک قابل قدر عالمی شہری بنایا جا سکے۔ جب بچے اسکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کر پاتے یا سیکھنے سے محروم رہ جاتے ہیں تو یہ آسانی تصور کر لیا جاتا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ خامی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تعلیمی نظام کا احتساب کیا جائے۔

داخلی تعلیم کے اس موقف کے پیش نظر ہمیں داخلی اسکول قائم کرنے ہوں گے جن میں

☆ ہر فرد حصہ دار ہے، قابل قبول ہے، معاون ہے اور مدد کا طالب ہے۔

☆ رفیق اور اسکول برادری کے دیگر اراکین سب طالب ہیں۔

☆ اس کی تعلیمی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔

ایک روایتی کلاس روم میں اسباق، تدریسی عمل جس کے لئے سمجھا جاتا ہے کہ وہ طلبہ کو سکھانے میں مدد کرے گا، جانچ کے طریقے جو کاغذ اور پنسل پر مرکوز ہوتے ہیں اور اقدار کے تعین میں تیز اور سہل ہوتے ہیں،

کا فیصلہ بالغ افراد کرتے ہیں۔عام طور پر مستعمل طریقہ کار ٹیچر کا لیکچر اور طلبا کی ورک شیٹ پر مبنی ہوتا ہے۔اس کو ایک عام زبان میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ طلبا ایک ایسا برین ہیں جن کو استاد ضروری معلومات سے بھر دیتا ہے۔اس کے برعکس داخلی کلاس روم ایک ایسا ماحول ہے جس میں اساتذہ اور طلبا سیکھنے والوں کو مدد اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور جہاں اساتذہ اور طلبا مختلف معتبر رفقاء کی مدد سے نصاب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ داخلیت پسند اساتذہ خود کو نصابی کتابوں کے حصار اور سامنے کھڑے ہو کر درس دینے کے طریقوں سے آزاد کر کے سکھانے کے زیادہ معاون طریقے، آسان زبان، بہتر الفاظ میں ہدایات دے کر تنقیدی نظریہ، مسلسل حال کرنے کی صلاحیت اور معتبر جائزے کی صلاحیت پیدا کرنے کے طریقہ کو اپنا رہے ہیں۔

ضروریات میں تنوع ایک چیلنج تو ہے لیکن یہ علم اور سماجی تعلقات کو مستحکم کرنے کے لئے ایک موقع بھی ہے۔ یہ انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ نظام اور ادارے کے لئے ایک

تعلیمی چیلنج ہے۔اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کا مطلب ہے نظام اور اسکولوں میں اصلاح کرنا اور کلاس روم کے عمل کو ازسرنو ترتیب دینے کی ضرورت ہے تاکہ سیکھنے والے مواقع کا مناسب استعمال کرسکیں اور اساتذہ اس میں تعمیری رول ادا کرسکیں۔اگر داخلی تعلیم کے ذریعہ 'سب کے لئے تعلیم' کا مقصد حاصل کرنا ہے تو نئے مطالبات، مسائل، دشواریوں، تذبذب اور کشیدگیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا

ہوگا جو ممکنہ طور پر سامنے آسکتی ہیں۔

عالمی برادری کی نوجوان نسل کی تیاری کے لئے اسکول، سماجی تجربہ کی غرض سے ایک اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔اس لحاظ سے 'داخلیت' وہ واضح طریقہ ہے جس کے ذریعے زیادہ روادار، مہذب اور اجتماعی عالمی برداری کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

اسکولوں پر متعدد ذمہ داری عائد رہتی ہے۔یہاں ثقافت کو فروغ بھی نصیب ہوتا ہے اور اس سے انحراف بھی۔اس لئے داخلی تعلیم کی کسی بھی تحریک میں علاقائی برادری کی شمولیت لازمی ہے۔سیکھنے والوں کے مابین تنوع بھی سیکھنے کا ایک اچھا طریقہ ہے۔آپس میں ایک دوسرے کو پڑھانے اور آپسی شراکت سے بچے اپنی برادری کے دیگر سیکھنے والوں کے لئے اچھا وسیلہ ثابت ہوسکتے ہیں۔تمام سیکھنے والوں کے والدین اپنے بچوں کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں اور یہ ان بچوں اور نوجوانوں کے لئے جن کے سیکھنے کی صلاحیت پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے مثلاً معذور طلبا کے لئے ایک اچھا قدم ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر برادری میں سیکھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے بس اس کو تحریک دینے کی ضرورت ہے۔

مستقبل کی راہ

داخلیت ایک ایسی دلکش فلاسفی ہے جس کا ہر پیشہ ور کسی نہ کسی حد تک معترف ہے۔اس کی عمل آوری میں اسکولوں کے مابین اختلاف ہے اور یہ اختلاف اساتذہ میں بھی پایا جاتا ہے۔اگرچہ کوئی ایسا واحد طریقہ نہیں ہے جو سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو لیکن چند تدریسی حکمت عملیاں ایسی مل جاتی ہیں جو تمام طلبا کی منفرد تعلیمی، سماجی اور ادارہ جاتی ضروریات کو عمومی تعلیمی کلاسوں کے پیرائے میں پورا کرتی ہیں۔یہ حکمت عملیاں ضروری ہیں تاکہ داخلیت کی مفادات تصوراتی پیرائے سے نکل کر کلاس روم میں عمل آوری تک پہنچ سکیں۔

داخلیت میں تنوع کی گنجائش

داخلیت کی کامیابی کلاس ٹیچر کے ہاتھ میں ہے جو تعلیم میں تبدیلی اور اسکولوں کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔وہ متعین تعلیمی حقائق کے مابین طے شدہ پالیسیوں کی عمل آوری میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔اس کے لئے نظریاتی تبدیلی کی ضرورت ہے۔جہاں تضاد کے باوجود برادری کے تمام اراکین کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ٹیچر کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ تمام طلبا سیکھ سکتے ہیں اور متنوع سیکھنے والوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔یہ ضروری ہے کہ ٹیچر کلاس میں تنوع طلبا کی سیکھنے کی صلاحیت کو سمجھے اور قبول کرے یعنی ٹیچروں کو تنوع قبول کرتے ہوئے مساوات کو فروغ دینا چاہئے۔

ایک داخلی کلاس روم میں موثر تدریس کے لئے ایسی حکمت عملی کی ضرورت ہوتی ہے جو مختلف نوعیت کے طلبا کے لئے جن کے پس منظر، ضروریات اور مثبت اقدار مختلف ہیں، یکساں طور پر مفید ہو۔میرے خیال میں ان حکمت عملیوں میں کلاس روم میں مندرجہ ذیل تین عوامل ہونے چاہئیں۔

☆سکھانے کے سیاق وسباق

☆سکھانے کے مضامین

☆سکھانے پڑھانے کا عمل

سکھانے کے سیاق وسباق

اگر داخلیت کو اس دوطرفہ طریقہ کے طور پر دیکھا جائے جس میں شراکت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ایسے عوامل میں جو سیکھنے اور سیکھنے والے افراد کی شرکت میں منفی کردار ادا کرنے میں تخفیف ہوتی ہے تو سکھانے کے سیاق وسباق کی منصوبہ بندی اہمیت کی حامل ہے۔اس میں صرف ماحولیاتی ترمیمات مثلاً مادی (انتظامات)، روم کے انتظامات میں تبدیلی جیسا کہ اہم مقامات پر ریلنگ کا انتظام، وہیل چیئر کے لئے فرش پر چلنے کی جگہ وغیرہ بلکہ عام اسکولوں میں مستعمل تدریسی موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی جس میں تعلیمی کارکردگی کا پیمانہ مختلف ہوتا ہے۔داخلیت کے طریقہ کار میں جن میں مختلف عمر کے بچے مقابلہ آرائی کے بجائے باہمی تعاون سے کام کرتے ہیں، ایک طرح کا برادرانہ احساس اور اعتماد پایا جاتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ احتیاط سے تیار کیا گیا ماحول اور سیکھنے والوں کے لئے مطلوب میٹریل وتجربہ تمام بچوں کے لئے ضروری ہے۔یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ عمومی تعلیم میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ سماجی مہارت اور رفقاء کے مابین تعلیمی حصولیابیاں سے زیادہ نہیں تو مساوی اہمیت کی حامل ہیں۔عمومی اسکولوں میں سیکھنے والے باہمی گروپوں کے مابین اعتماد کو فروغ دینے اور رفقا کے مابین باہمی تعلق کو مستحکم کرنے میں تدریسی حکمت عملیاں بہت کامیاب ہیں۔طلبا میٹریل کی وضاحت کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں بلکہ اپنے تجربات بھی ایک دوسرے کو بتاتے ہیں جس سے متعدد تناظر میں باہمی امداد فراہم ہوتی ہے۔گروپ ایسے بھی ہوسکتے ہیں جیسے کہ شرکاء یعنی دو کے گروپ میں کام کررہے طلبا یا مختلف صلاحیت والے بڑے گروپ میں ہر رکن کو ایک مخصوص ذمہ داری دی جاتی ہے مثلاً ٹائم کیپر، پریزنٹر وغیرہ، اس لئے باہمی طور پر سیکھنے کے لئے کلاس روم میں طلب اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر ثابت کرنے کے لئے مقابلہ آرائی میں ملوث نہیں ہوتے بلکہ طلبا ایک دوسرے کو سیکھنے سکھانے میں مدد کرتے ہیں۔

سکھانے کے مضامین

تدریس کا معیار کیسا ہونا چاہئے، یہ مدعا تو اکثر زیر بحث رہتا ہے لیکن حقیقت میں کوالٹی ویسی نہیں ہوتی کیوں کہ اساتذہ اس میں موثر کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔اب تک تدریس کا انحصار عمومی طور پر اوسط پر ہوتا ہے یعنی کچھ طلبہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں جب کہ دیگر طلبا کو وہ آسان لگتا ہے اور وہ بور ہوتے ہیں۔کلاس میں ان

متنوع ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ہر طالب علم کی سیکھنے کی صلاحیت کے مطابق مختلف اسباق تیار کرنے چاہئیں۔ ان متنوع کلاسوں میں سیکھانے کے متنوع طریقے اپنائے جانے چاہئیں جوان کی سیکھنے کی صلاحیت کے مطابق وضع کئے گئے ہوں۔اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

نصابی معلومات کے لئے طلبا مختلف طریقے اپنا سکتے ہیں۔☆مختلف سرگرمیوں کے ذریعے طلبا مضمون کو اپنے طور پر سمجھ سکتے ہیں اور معلومات میں شراکت کرسکتے ہیں۔☆ایسے متبادل جن کے ذریعہ طلبا اس بات کا مظاہرہ کرسکیں کہ انہوں نے کیا سیکھا ہے، (مثال کے طور پر طلبا کے سمجھنے کے اپنے انداز تحریری/ زبانی یا متبادل مباحثی مواصلاتی نظام پر مبنی ان کے اپنے خصوصی سیکھنے اور سمجھنے کے طریقے کے ذریعے)

کلاس میں طلبا کے سیکھنے کی متنوع صلاحیتوں کے متقاضی ہدایت کے مختلف مطابقتی طریقے اپنائے جانے چاہئیں جس کے ایک ہی متعین سبق کی پابندی استاد کے لئے ضروری نہیں، وہ اپنے طریقوں میں طلبا کی صلاحیت کے مطابق رفتار اور انداز میں لچک پیدا کرسکتا ہے۔تدریس کے طریقہ کی توجہ سمجھانے پر مرکوز ہونی چاہئے جس کے لئے استاد طلبا کی صلاحیت کے مطابق اور اپنی بصیرت کو استعمال کرتے ہوئے ایسے طریقے اور انداز استعمال کرتا ہے جس سے اصل بات طلبا کے ذہن کی تسکین ہوجائے۔ایسے طریقوں سے صرف معذور طلبا ہی مستفید نہیں ہوں گے بلکہ کلاس میں موجود دیگر طلباء کو بھی مضمون سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

سکھانے کے طریقوں کی تدریس

داخلیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلاس میں موجود تمام طلباء کو ایک سطح پر تصور کرلیا جائے اور ان کو پہلے سے طے شدہ سبق پڑھادیا جائے۔معلومات کا حصول ایک فعال عمل ہے۔اس کے نتیجے میں تبدیلی رونما ہونی چاہئے جس کے لئے سیکھنے والے کی شرکت ضروری ہے۔ایک داخلی کلاس روم میں ایک ہی وقت مختلف سرگرمیاں چلائی جاسکتی ہیں۔اس لئے تدریس کے طریقوں میں تبدیلی کی جانی چاہئے۔ان کو استاد پر مرکوز نہ کرکے طلباء پر مرکوز کیا جانا چاہئے۔طلباء کو معلومات کا متلاشی بنایا جانا چاہئے اور اس کے لئے ایسی حکمت عملی جس سے طلبا میں سوچنے اور اپنی عقل استعمال کرنے کو فروغ حاصل ہو، ایک اچھا تدریسی طریقہ ہوسکتا ہے۔

اس حکمت عملی کو بروئے کار لانے کے لئے اساتذہ کو طلبا کو ایسے تجربات سے متعلق روشناس کرانا ہوگا

جس سے وہ اپنے طور پر ان اصول وضوابط کا جائزہ لے سکیں۔اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے قومی کونسل برائے تعلیم، تحقیق وتربیت (این سی دی آر ٹی) نے حال ہی میں نصاب پر مبنی ایسا مواد تیار کیا ہے جو داخلی تدریس کے لحاظ سے داخلی کلاس میں معذور بچوں کے لئے موزوں ہے۔ اس میٹریل میں ایسا موقف اختیار کیا گیا ہے جس سے کلاس میں موجود تمام بچوں کو مفید تجربات آسان زبان میں دلکش انداز میں بتانا ہے جس سے تمام بچے استفادہ کرتے ہیں۔ اس میٹریل میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ تدریسی طریقوں کو تبدیل کرکے داخلی کلاس روم آزادانہ طور پر سوچ سکیں۔اس لئے نئے طریقے کے مطابق سروشکشا ابھیان سے منسلک 1.58 لاکھ اساتذہ کو پہلے ہی تربیت فراہم کردی گئی ہے۔

مستقبل کے اقدامات:اساتذہ کی صلاحیت میں فروغ

داخلی تعلیم کی ترقی سے نہ صرف اساتذہ کی اقدار، ان کے مزاج، پیشہ ورانہ اور تعلیمی قابلیت میں مسلسل تبدیلی رونما ہوئی ہے بلکہ ان پر بھی اثر پڑا ہے جو ان کی تربیت اور معاونت کے ذمہ دار ہیں۔اس عظیم تبدیلی سے نبردآزما ہونے کے لئے تعلیم سے منسلک تمام افراد کے لئے پیشہ ورانہ ترقی کا ایک مسلسل اور مربوط پروگرام وضع کرنے کی ضرورت ہے۔اس عظیم تبدیلی میں اساتذہ کا کردار کلیدی ہے۔اس لئے ان کی مطلوبہ صلاحیت کو فروغ دینے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی جانی چاہئے تاکہ داخلی تعلیم کے خواب کو حقیقت میں بدلا جاسکے۔

گرچہ معلمین تعلیم میں طلباء پر مرکوز طریقوں کی حمایت کرتے ہیں لیکن اساتذہ کی تعلیم میں اپنائے جانے والے طریقے اس کی نفی کرتے ہیں۔اساتذہ کے تربیت دہندہ اس سے مطمئن نہیں ہوتے۔اساتذہ کے متعدد تعلیمی نصابوں میں داخلیت کو ایک اضافی ماڈیول تصور کیا جاتا ہے جس کا استعمال معذور یا مخصوص ضروریات کے حامل طلباء کے لئے کیا جاتا ہے، نہ کہ ایک ایسے طریقے کے طور پر جو تمام کورسوں میں تمام طلبا کے لئے یکساں طور پر کارگر ہو، اسی لئے جنس، نسلی اور زبان سے متعلق مسائل کو نظرانداز کردیا جاتا ہے۔وقت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک فعال 'داخلی تعلیمی نصاب' تیار کرنے کی غرض سے عمومی اور خصوصی تعلیم کے نصابوں کے جائزے اور احتساب کی فوری ضرورت ہے۔

مسلسل اور جامع جانچ (سی سی ای) کا نیا طریقہ اس سمت میں ایک مثبت قدم ہے۔سی سی ای طلباء کا اسکول پر مبنی جانچ کا ایک ایسا نظام ہے جو طلباء کی تمام تر ترقی پر محیط ہے۔اس کے دوہرے مقاصد ہیں۔یہ مقاصد ہیں بچے کے تعلیمی عمل کے تمام پہلوؤں کا مسلسل جائزہ اور تعین اقدار۔طلبا کی نمو اور ترقی کے منتخب پہلوؤں کی جانچ ایک مسلسل عمل ہے تاکہ ایک طے شدہ عرصے کے بعد لئے گئے سالانہ یا ششماہی امتحانات۔دوسرے لفظ 'جامع' میں طلباء کی نمو اور ترقی سے منسلک عملی اور متعلقہ پہلو شامل ہیں۔

داخلیت کی طرز پر طلباء کی تعلیم اس وقت ہی کامیاب ہوسکتی ہے جب اس کی توجہ تمام طلباء کی شمولیت پر مرکوز ہو جن کو پڑھانے/سکھانے کے لئے مختلف طریقے اپنائے جائیں۔سوال ناموں، تحقیق، باہمی طور پر سیکھنے، انفرادی توقعات اور تنقیدی ذہن سازی پر مشتمل طریقے سے دی گئی تعلیم جن کو عرف عام میں بیسٹ پریکٹسیز کہا جاتا ہے، طلباء کی تعلیم کے لئے ایک بہتر طریقہ ہے۔ اسکول کے ہر طالب علم کو اس کی سیکھنے کی صلاحیت کے مطابق نصاب، نصابی کتب اور تعلیمی مواد فراہم کیا جانا چاہئے، یہ ان کا مساوی حق ہے۔

☆☆☆

ایس سری نواس راؤ

پسماندہ طبقات کی تعلیم

مسائل، چیلنجز اور مستقبل کا لائحہ عمل

تعلیم ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعہ افراد اور گروپوں کو ہماری طرح کے جدید معاشرے میں سماجی نقل وحرکت حاصل ہوتی ہے۔ یہ سماجی تسلسل جو عام طور پر تنظیمی ڈھانچے پر مشتمل ہے، کی تشکیل نو کا اوزار بھی ہے، جہاں ناہمواریاں عام ہیں۔ ہندوستانی سماج میں جو بنیادی طور پر اور تاریخی اعتبار سے ذات پات کی بنیاد پر مبنی ہے، جو ہندوستانی سماج میں، ذات پات کی بنیاد پر ہی سماجی عدم مساوات نے بار بار جنم لیا ہے۔ اقتصادی ذرائع، سماجی حیثیت، سیاسی شراکت داری اور تعلیمی مواقع میں کچھ قوموں کو استحقاق حاصل ہے جبکہ کچھ دیگر لوگ اس سے محروم ہیں۔ ذاتیں مثلاً درج فہرست ذاتیں جنہیں استحقاق حاصل نہیں ہے، وہ روایتی کاروباری تنظیمی ڈھانچے کے حاشیے پر ہیں اور عام طور پر معاشرے یا خاص طور پر دیہی کمیونٹی کے مقامی اور سماجی حدود کا حصہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح، بڑے پیمانے پر ہندوستانی سماج کے حاشیے پر پڑے رہنے والوں کا ایک گروپ درج فہرست قبائل کا ہے، جو جغرافیائی اعتبار نام نہاد مہذب، مرکزی دھارے اور مستحکم تہذیبوں سے علاحدہ ہوکر جنگلوں، پہاڑوں اور بمشکل رسائی حاصل کیے جانے والے علاقوں میں، اپنی منفرد ثقافتوں، مذہبی رسومات، زبان اور زندگی کے طور طریقوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ چوں کہ ان گروپوں کی طرز زندگی ہندوستانی معاشرے میں پائے جانے والے دیگر سماجی گروپوں سے الگ تھا، اس لیے ان کی زندگی پر ان کے آس پاس موجود قدرتی ماحول کا منفرد اثر تھا۔ تاہم جغرافیائی علاحدگی ان کے لیے ترقی پذیر معاشرے کے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی علاقوں میں ناہموار شراکت داری کا سبب بنی۔

ایسوسی ایٹ پروفیسر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی

نتیجے کے طور پر، کئی دہائیوں اور صدیوں سے ان ذاتوں اور قبائل کو سماجی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے حاشیہ پر رہنا پڑا اور انہیں پستی اور محرومی کی زندگی جینے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ سچ ہے کہ آزادی کے بعد، ہندوستان کے ایک جمہوری سماج کے طور پر اپنا سفر شروع کرنے کے بعد اس نے اپنے سبھی شہریوں کو سماجی شناخت اور گروپ کی رکنیت میں مساوی حقوق دیے، اس نے تعلیم سمیت سماجی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں ان کی شرکت تبدیل کردی تھی۔ تاہم، معاشرے اور تعلیم کے میدان میں ان گروپوں کی شمولیت کی سطح دیگر مراعات یافتہ سماجی گروپوں جن کو تاریخی اعتبار سے فائدے حاصل تھے، کے مقابلے میں مختلف ہے۔

مسائل

کچھ معاملوں میں، ان گروہوں نے کچھ تعلیمی ترقی حاصل کی ہے، تاہم وہ کچھ معاملوں میں پیچھے رہ گئے ہیں جو انہیں، تعلیمی، ترقیاتی اور سماجی تحریکی کارروائیوں میں انہیں حاشیے پر برقرار رکھے ہوئے ہے، جس کے سبب ان ذاتوں اور قبائل کے لوگوں کو ناہموار ہندوستانی سماج میں برابر کی حیثیت دلانے کی ضرورت ہے۔ وہ شعبہ جس میں ان گروپوں کی زبردست پیش رفت ہوئی ہے، وہ تعلیم کے تمام مدارج پر ان کی نامزدگی ہے۔ بنیادی تعلیم کے میدان میں، منظم اور رسمی تعلیم میں داخلے کی پہلی سطح پر، ان کا اندراج تمام مراعات یافتہ طبقوں سے ملتا جلتا ہے، لیکن پانچویں معیار تک پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد میں کمی آنے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر، 'سب کے لئے تعلیم: معیار اور ایکوئٹی کی طرف' پر ہندوستان کی رپورٹ جسے قومی یونیورسٹی برائے منصوبہ بندی اور انتظامیہ (NUEPA) نے 2014 میں شائع کیا، 2000-01 سے 2013-14 تک اندراج کے دستاویزات میں پرائمری تعلیم میں درج فہرست ذاتوں کے بچوں کی تعداد 21.3 ملین سے بڑھ کر 26.3 ملین ہوگئی۔ اس شعبے میں صرف ایک دہائی میں 24.1 فی صد کا قابل ذکر اضافہ ہوا۔ اسی طرح، اسی دہائی کے دوران بنیادی تعلیم کے میدان میں درج فہرست قبائل کے بچوں کے اندراج

میں اضافہ 33.6 فی صد درج کیا گیا۔ ان کی تعداد 11 ملین سے بڑھ کر 14.7 ملین پہنچ گئی۔ پرائمری سطح سے اوپر بھی درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل نے اچھی ترقی حاصل کی ہے۔اسی دہائی میں اس زمرے میں درج فہرست ذات نے 6.7 ملین سے 12.9 ملین تک رسائی حاصل کی جبکہ درج فہرست قبائل نے 3.1 سے 6.5 ملین تک کا سفر طے کیا۔ بنیادی تعلیم میں مجموعی نامزدگی تناسب کے لحاظ سے، 2013 میں درج فہرست ذات نے 01-2000 کے 86.8 فی صد سے بڑھ کر 14-2013 میں 107.7 فی صد تک رسائی حاصل کی جبکہ درج فہرست قبائل کے تناسب میں 01-2000 کے 88 فی صد سے بڑھ کر 14-2013 تک 105.52 فی صد کا زبردست اضافہ ہوا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ مجموعی نامزدگی تناسب میں 100 فیصد سے زائد کا اضافہ خاص طور پر بڑی یا چھوٹی عمر کے بچوں کو ان کے معیاری سیکشن میں نامزدگی کی وجہ سے ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ رپورٹ نے درج فہرست ذاتوں کے لڑکوں کے مقابلے میں درج فہرست ذاتوں کی لڑکیوں کے اندراج میں کافی زیادہ اضافہ دکھایا ہے۔ (درج فہرست ذاتوں کی لڑکیوں کی تعداد میں 48.6 فی صد اور 18.8 فی صد کا اضافہ درج فہرست ذاتوں کے لڑکوں میں) اس کا مطلب یہ ہے کہ درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے والدین اور کمیونٹیز اپنے بچوں، لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو بنیادی (پرائمری اور اس کے بعد کی سطح دونوں) اسکول کلاس میں داخل کراتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے پرجوش نظر آرہے ہیں۔ تاہم اگر بات درج فہرست قبائل کی کی جائے تو 01-2000 سے 14-2013 تک ان کے لڑکوں کے تناسب میں 2.5 فی صد پوائنٹس کی کمی آئی ہے جبکہ لڑکیوں میں اس دوران 26.4 فی صد اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح، نامزدگی، مجموعی نامزدگی تناسب اور تعلیم کے ابتدائی سطح پر خصوصاً لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ واقعی ایک خوش آئند ترقی ہے جو خوشی کا باعث ہے۔

تاہم، جب بنیادی مرحلے میں ڈراپ آؤٹ کی شرح پر نظر پڑتی ہے، تو نامزدگی میں حاصل ہونے والی شرح کا جوش ہوا ہو جاتا ہے۔ 09-2008 میں تمام طبقوں کے بچوں کے ڈراپ آؤٹ کی شرح 42.3 فی صد تھی، جس میں درج فہرست ذاتوں کے بچوں کی تعداد 47.9 فی صد اور درج فہرست قبائل کے بچوں کی تعداد 58.3 فی صد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے پرائمری اسکول میں داخل ہونے والے ان بچوں میں سے تقریباً پچاس فی صد یا اس سے اوپر بچے اس خاص مرحلے کو مکمل کرنے کے بعد تعلیم کا حصول چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ تجزیہ کار یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ اس طرح کی اعلی سطح کے ڈراپ آؤٹ کے باوجود، واقعی میں گزشتہ چند برسوں میں رجحان کی کمی آئی تھی۔ تاہم، یہ منطق اور جواز بنیادی تعلیم کی عالمگیریت کی مجموعی کامیابی میں مددگار نہیں ہوسکتی ہے، کیوں کہ یہ اپنے تمام بچوں کو بنیادی تعلیم کی فراہمی کا دعوی کرنے والے ملک کے لئے ایک بڑا چیلینج بنا ہوا ہے۔ ڈراوپ آؤٹ کے مسئلے سے نجات اور بچوں کو اس نظام میں برقرار رکھنا، بچوں کی اعلی تعلیم کے حصول کا ذریعہ بنے گا۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اسکول میں داخل ہونا بچوں اور ان کے والدین کے لئے دلچسپ تھا، لیکن انہیں ان کو اسکول میں اس وقت تک رہنے میں کوئی دلچسپی نہیں جب تک کہ وہ ایک بہترین سطح کی تعلیم حاصل کرلیں۔ درج فہرست ذات اور قبائل کے گھروں سے آنے والے بچوں کے لئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر و بیشتر غیر تعلیم یافتہ یا بمشکل تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہوتے ہیں اسی لیے ملک میں ہونے والی ترقی یا تعلیمی فوائد کا دعوی کرنے کے وقت حاشیے یا محروم حالت کا شکار ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ درج فہرست ذاتیں اور قبیلے مزید محرومی اور نقصان کی جانب دھکیل دیے جائیں گے کیوں کہ تعلیم یافتہ روزگار مارکیٹ میں کھولے گئے مواقع کو حاصل کرنے کے لیے، خواندگی اور تعلیم کے میدان میں اپنے تاریخی فائدے کی وجہ سے دیگر سماجی گروپ پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس طرح، ایک طرح سے پسماندہ تعلیمی کامیابیوں میں معمولی یا نہ ہونے کے برابر بہتری کی وجہ سے، نتیجتاً معاشرے میں عدم مساوات کو مزید مضبوط کر دیا گیا ہے۔

چیلنجز

درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے بچوں تک رسائی کے لحاظ سے اکثر تک جسمانی اور سماجی دونوں سطح پر پہنچنے میں کامیابی ملی ہے جس کے لیے ان اقدامات کا شکر گزار ہونا چاہیے جو حکومت نے کیے ہیں۔ مثلاً، آپریشن بلیکبورڈ (OBB)، قومی خواندگی مہم (NLCs)، ضلع پرائمری تعلیم پروگرام (ڈی پی ای پی) اور سروشکشا ابھیان (ایس ایس اے)۔ تاہم یہ سچ ہے کہ ان بچوں کو اسکول میں رک کر کم سے کم بنیادی سطح کی تعلیم مکمل کرنے کے لیے اسکول غیر پرکشش بنے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں، درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے بچوں کے لیے اسکول کی تعلیم تک جسمانی رسائی جس قدر اب ہے، پہلے کبھی نہ تھی، تاہم اسکول تمام بچوں کے لئے، جس میں درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے بچے بھی شامل ہیں، کے مساوی تعلیمی تجربے کے جگہ میں تبدیل ہونا اب بھی باقی ہے۔ غربت، سماجی درجے، ذات اور سماجی شناخت کے ڈھانچے کو دوبارہ سامنے لایا گیا ہے جس نے مختلف سماجی پس منظر سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور بچوں، اسی طرح اساتذہ اور بچوں کے والدین کے درمیان تفاوت کو مزید جگہ دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی، استاد کی بے حسی اور متعصّبانہ رویہ بچوں کو اسکول سے دور کر دیتا ہے کیونکہ اسے سیکھنے کے لئے ایک پریشان کن جگہ بنادیا گیا ہے۔

مطالعات کے مطابق استاد کے امتیازی اور نامناسب تصورات میں اس طبقے کے بچوں کو تعلیم اور سیکھنے سکھانے کے لیے احمق، نااہل اور غیر موزوں سمجھا جاتا ہے، اس لیے انہیں اپنے روایتی کام کاج کرنا چاہیے یا پھر جنگلوں اور پہاڑوں میں پڑے رہنا چاہیے۔ کچھ محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ دلت اور قبائلی بچوں کو 'سست'، 'ناپاک' اور 'غیر مہذب' سمجھا جاتا ہے اور اس وجہ سے

انہیں سیکھنے کے لئے موزوں نہیں تصور کیا جاتا ہے۔ مطالعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ چھوا چھوت اور سماجی و جغرافیائی علاحدگی کے خیالات کو صرف عام معاشرے میں نہیں بلکہ اسکولوں تک میں پیوست کیا گیا ہے۔ سماجی امتیاز اور درج فہرست ذات وقبائل کے بچوں کے تئیں ، مڈ ڈے میل اسکیم جو غریب اور محروم بچوں کو روکے رکھنے کے لیے ہے، اس کے نفاذ میں سماجی امتیازات اور نا مناسب رویے کے تجربات سے ہم سبھی واقف ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس طرح کے امتیازی رویے صرف دیہی علاقوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ شہری علاقوں میں بھی موجود ہیں۔ تحقیق سے اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سماجی علاحدگی عام طور پر ہندوستان میں شہری معاشرے اور خاص طور پر شہری اسکولوں میں موجود ہے ۔ سماجی امتیازات عام طور پر غیر معروف اور ذاتی سماجی مواقع پر موجود ہوتی ہیں ،اسی لیے اس طرح کے امتیازی سلوک کی نوعیت اور فارم دیہی علاقوں سے مختلف ہے۔

مستقبل کا لائحہ عمل

بچوں کو اسکولوں میں جانے اور اسکولوں سے ان ڈراپ آؤٹ کو روکنے کے لئے حکومتوں ، اسکولوں اور کمیونٹیز کے تئیں ضروری ہے کہ وہ تمام بچوں اور درج فہرست ذات وقبائل سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لیے مساویانہ اسکولی تعلیمی تربیت فراہم کریں۔ اگر اسکول ان بچوں کے لئے ایک پریشان کن اور غیر پرکشش جگہ بنے رہے تو اسکولنگ میں ان بچوں کی مجموعی تعلیمی شراکت اسی صورت میں برقرار رہے گی بلکہ جیسا پہلے کہا گیا کہ اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس لیے ابتدائی اور اس کے بعد کی تعلیمی سطح پر محض نامزدگی کے عمل سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ ایک بار اسکول پر لطف ڈھنگ سے سیکھنے کی جامع آماجگاہ بن گئے تو اس سے ان گروپوں کے بچوں کو اعلیٰ تعلیمی سطح تک لے جانے میں مدد ملے گی ،نتیجتاً وہ تعلیم یافتہ لیبر مارکیٹ میں اپنی موجودگی کو یقینی بنا سکیں گے۔ ہم پہلے سے ہی یہ جانتے ہیں کہ درج فہرست ذات اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے طلبا اعلیٰ تعلیم کے حصول کے پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کا رخ کر رہے ہیں اور متفرق موضوعات کے شعبے میں داخل ہو رہے ہیں اور ایسی کوششیں کر رہے ہیں جو بالآخر ہندوستانی معاشرے کے کاروباری اور اقتصادی ڈھانچے کو بدل دیں گی۔ مزید یہ کہ اس کے ذریعہ وہ ملک کی مجموعی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے والے موثر اور باصلاحیت، تعلیم یافتہ انسانی وسائل کا ایک سلسلہ تیار کریں گے۔

درج فہرست ذاتوں اور قبائل کی لڑکیوں کی بڑی تعداد کو اسکولی تعلیم مہیا کرانے کے لیے خصوصی کوششیں کرنا ایک اہم چیلنج ہے۔ کیوں کہ اپنے طبقے کے لڑکوں کے مقابلے یہ دوگنا یا تین گنا زیادہ محرومی کی شکار ہیں۔ ان طبقوں کی لڑکیاں ذات ،قبیلہ، جنس اور سماجی درجہ جس میں ان کا تعلیمی اخراج بھی شامل ہے،اس کے تناظر میں محرومی کی شکار ہیں۔ تبدیلی کے کسی بھی عمل میں مشترکہ کوششوں یا ذات اور قبائل کی بین طبقاتی جنس اور سماجی مرتبے سے متعلق احتیاط رکھنا ضروری ہے۔ دلت اور قبائلی لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے ، اسکول کو ان کے سابقہ تاریخی حقائق اور ان کے ایک خاص کمیونٹی میں پیدا ہونے کی بنیادوں سے آزاد ہونا چاہیے۔ اسی لیے اسکول اور معاشرہ دونوں کو مزید جامع بنانے کی ضرورت ہے اور ان طبقوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کے ساتھ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رویہ رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہندوستانی سماج صحیح معنوں میں یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ ایک ایسا جمہوری سماج ہے جو اپنے تمام شہریوں کے ساتھ مساوی سلوک کرتا ہے۔

☆☆☆

102 شہروں میں بنیادی انفراسٹرکچر کو بہتر بنانے کے لئے ترقیاتی منصوبوں کو منظوری

☆ شہری ترقیات کی وزارت نے شہری علاقوں میں بنیادی انفراسٹرکچر کو بہتر بنانے کے لئے شہرکاری اور تجدیدکاری کے اٹل مشن (اے ایم آر یو ٹی) کے تحت 3120 کروڑ روپے کے سرمایہ کاری منصوبوں کو منظوری دی ہے۔ اس منصوبے کے تحت 102 شہروں میں پانی کی سپلائی، سیوریج کنکشن، پانی کی نکاسی، موٹر گاڑیوں سے پاک نقل وحمل کا نظام اور عوامی تفریح گاہ کے قیام جیسے مختلف کام کئے جائیں گے۔ شہری ترقیات کی وزارت کے سکریٹری مدھوسدھن پرساد کی صدارت میں ایک بین وزارتی اعلیٰ کمیٹی نے 16-2015 کے دوران ریاستوں کی سطح پر قومی ایکشن پلان کو منظوری دی ہے جس کے تحت 18 اے ایم آر یو ٹی شہروں والے ہریانہ کے لئے 438 کروڑ روپے، 9 امرت شہروں والے چھتیس گڑھ کے لئے 573 کروڑ روپے، 12 امرت شہروں والے تلنگانہ کے لئے 106 کروڑ روپے، 9 امرت شہروں والے کیرالا کے لیے 588 کروڑ روپے اور 54 امرت شہروں والے مغربی بنگال کے لئے 1,105 کروڑ روپے کو منظوری دی گئی ہے۔ اسی طرح 58 شہروں میں پانی سپلائی کے پروجیکٹوں کے لئے کل 2386 کروڑ روپے کی سرمایہ کاری، 17 شہروں میں سیوریج پروجیکٹوں کے لئے 495 کروڑ روپے کی سرمایہ کاری، 9 شہروں میں پانی نکاسی کے لئے 106 کروڑ روپے کی سرمایہ کاری، 9 شہروں میں شہری نقل وحمل کے لئے 61 کروڑ روپے کی سرمایہ کاری اور 102 شہروں میں پارکوں کے قیام نیز ہریالی والے مقامات کے لئے 72 کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کو منظوری دی گئی ہے۔ اس اعلیٰ کمیٹی نے متعلقہ ریاستی حکومتوں کے ذریعہ تجویز کردہ مختلف بنیادی شہری انفراسٹرکچر شعبوں میں سرمایہ کاری کو منظوری دی ہے۔ شہری ترقیات کی وزارت کل 1540 کروڑ روپے کی امداد فراہم کرے گی جو کہ آج منظور شدہ پروجیکٹ پر کل خرچ کا تقریباً 50 فی صد ہے۔ اس کی منظوری کے ساتھ ہی شہری ترقیات کی وزارت اب تک اٹل مشن کے تحت آنے والے 272 شہروں کے تمام گھروں میں فی دن فی کس 135 لیٹر پینے کا پانی مہیا کرنے کے علاوہ پانی اور سیوریج کو یقینی بنانے سے متعلق بنیادی ڈھانچے کو بہتر کرنے کے لئے 11,654 کروڑ روپے کی کل سرمایہ کاری کو منظوری دے چکی ہے۔ فی الحال صرف 50 فی صد شہری گھرانوں میں پانی کا کنکشن ہے جبکہ پانی کی سپلائی 75 لیٹر فی دن اور فی کس ہے۔ سیوریج کنکشن کی شرح نہایت کم ہے۔ اٹل مشن کے تحت اس فاصلے کو کم کرنے کا منصوبہ ہے۔

شیلندر شرما

تعلیم تک رسائی

پس منظر

تاریخی ثبوتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں تعلیم ایک استحقاق تھی اور ان لوگوں کے لئے قابل رسائی تھی جن کا تعلق اعلیٰ طبقے اور ذات سے تھا نیز وہ عوام کے لئے قابل رسائی نہیں تھی۔ تعلیمی مواد تعلیم کے بہترین ذریعے کے ساتھ زیادہ تر مذہبی تھا جس کی وجہ سے تعلیم بڑے پیمانے پر سماج کے لئے ناقابل رسائی ہوگئی تھی۔ یہ عدم تنوع ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دوران اس وقت ٹوٹا تھا جب مملکت کی اسپانسر کردہ مفت اور لازمی تعلیم کی مانگ 1882 میں ہنٹر کمیشن کے سامنے رکھی گئی تھی۔ 1911 میں ایک بل شاہی قانون ساز اسمبلی میں لازمی تعلیم کے سلسلے میں پیش کیا گیا تھا' گو اسے کامیابی نہیں ملی تھی اور اس کی سخت مخالفت ہوئی تھی۔ یہ مانگ 1937 میں تعلیم کے بارے میں کل ہند قومی کانفرنس میں دہرائی گئی تھی جس میں پیشہ ورانہ اور باہمی تربیت کے ذریعے سات سال کی مدت کے لئے خود معاونت والی بنیادی تعلیم کا نظریہ تجویز کیا گیا تھا۔ خود معاونت کا یہ نظریہ حکومت کی طرف سے وسائل کی کمی کے سلسلے میں پیش کئے گئے مستقل عذر کا توڑ کرنے کی غرض سے پیش کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں مفت اور لازمی تعلیم (ایف سی ای) کی تاریخ میں اگلی سنگ میل پیش رفت 1994 کا تعلیم کی ترقی و فروغ کا جنگ کے بعد کا منصوبہ تھا جسے سارجنٹ منصوبہ بھی کہا جاتا ہے' جس میں آٹھ سال کے لئے ایف سی ای کی سفارش کی گئی تھی (چھ سے چودہ سال کی عمر کا گروپ)۔

اس کے بعد 1968 میں تعلیم کے بارے میں قومی پالیسی (این پی ای) تشکیل دی گئی تھی جو پہلی سرکاری دستاویز تھی جس سے اسکولی تعلیم کے سلسلے میں ہندوستانی حکومت کے بعد کے عہد کا ثبوت مل رہا تھا۔ اس این پی ای میں اس کے بعد سے کئی ترامیم کی جا چکی ہیں۔ تعلیم تک رسائی حاصل کرنے کی تاریخ میں ایک کلیدی سنگ میل دسمبر 2002 میں منظور کردہ 86 ویں آئینی ترمیم کا قانون تھا جس کے ذریعے مفت اور لازمی تعلیم کو چھ سے چودہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لئے ایک بنیادی حق بنایا گیا تھا۔ ہندوستان کے آئین کی دفعہ 21۔اے نیز اس کے نتیجے میں قانون یعنی مفت اور لازمی تعلیم کے لئے بچوں کے حق (آر ٹی ای) کا قانون 2007' جو یکم اپریل 2010 کو ملک میں نافذ ہوگیا ہے' حکومتوں پر اس بات کو لازمی کرتے ہیں کہ وہ 6 سے 14 سال تک کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کریں۔

ریاستی حکومتوں کے تعاون کی اہمیت کو کم نہ کرتے ہوئے نیز تعلیم متفقہ فہرست میں شامل ہوتے ہوئے حکومت ہند نے معیاری تعلیم تک رسائی کو بہتر بنانے کے لئے متعدد اسکیمیں/ پروگرام بھی شروع کئے ہیں۔ ذیل میں کلیدی پروگراموں/ اسکیموں کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جو مرکزی حکومت نے گزشتہ دو دہوں کے دوران یعنی 1991 (عالم کاری کی شروعات) سے شروع کی ہیں۔

- ☆آپریشن بلیک بورڈ (او بی بی)
- ☆لوک لمبش پروجیکٹ
- ☆اساتذہ کی تعلیم کو مستحکم بنانا
- ☆مہیلا ساکھیا
- ☆تعلیم کی گارنٹی کی اسکیم نیز متبادل اور اختراعی تعلیم (ای جی ایس آور اے آئی)
- ☆ابتدائی تعلیم کا ضلعی پروگرام (ڈی پی ای پی)
- ☆کستور با گاندھی بالیکا ودیالیہ (کے جی بی وی)
- ☆ماڈل اسکول
- ☆دوپہر کے کھانے کی اسکیم (ایم ڈی ایم)
- ☆مدرسوں کے لئے معیاری تعلیم فراہم کرنے کی اسکیم (ایس پی کیو ای ایم)
- ☆اقلیتی اداروں میں بنیادی ڈھانچے کی ترقی و فروغ (آئی ڈی ایم آئی)
- ☆سرو شکشا ابھیان (ایس ایس اے)
- ☆راشٹریہ مادھیامک شکشا ابھیان (آر ایم ایس اے)۔
- ☆راشٹریہ مادھیامک شکشا ابھیان (آر ایم ایس اے)۔
- ☆راشٹریہ اُچتر شکشا ابھیان (آر یو ایس اے)

مذکورہ بالا پروگراموں اور اسکیموں کے ذریعے 'اسکولی تعلیم تک رسائی کی سہولت' فراہم کرنے کے سلسلے

قبائلی امور کی وزارت میں براہ راست تکنیکی امداد کے سلسلے میں مشیر تعلیم' شیلندر شرما کے ذریعہ تیار کردہ

میں نمایاں اور وقیع پیش رفت حاصل کی گئی ہے۔ لیکن 'تعلیم تک رسائی' کے لئے نہ صرف ایک اعلان کردہ فاصلے کے اندر پڑوس کے ایک اسکول تک جسمانی رسائی' بلکہ بنیادی سہولیات حسب ضرورت فراہم کرنے نیز اساتذہ اخراجی طریقے' خاص طور سے ذات' صنف' نسل اور معذوری پر مبنی طریقے ختم کر کے سماجی رسائی کی بھی ضرورت ہے۔

رسائی اور شرکت

مجموعی داخلہ فی صد (جی ای آر)

تعلیم تک رسائی کا تعین کرنے کے لئے ایک غائبانہ لیکن سب سے زیادہ مفید' اشاریہ جی ای آر ہے۔ اس کی توضیح عمر کے متعلقہ گروپوں میں بچوں کی تخمینہ شدہ آبادی کے لئے زیر غور کلاسوں میں داخلوں کے فی صد کے طور پر کی جاتی ہے۔ ان مرحلوں میں داخلے میں کم عمر اور زیادہ عمر کے بچے شامل ہیں۔ چناں چہ کل فی صد کچھ معاملات میں 100 فی صد سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔

گراف 1: ابتدائی سے اعلی تعلیم تک مجموعی داخلے

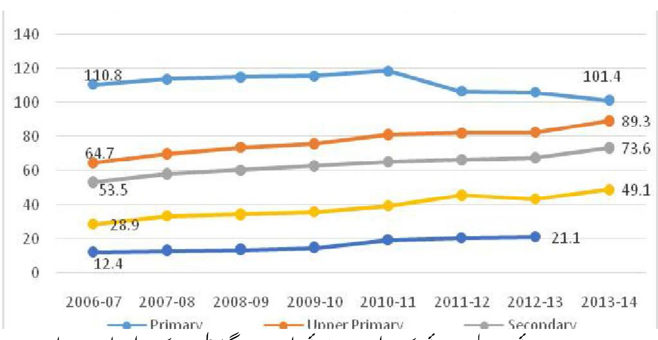

ماخذ: ابتدائی اور اعلی ابتدائی کے لئے یوڈی آئی ایس ای' دیگر سطحوں کے لئے ایس ای ایس

جیسا کہ گراف 1 سے ظاہر ہے' ابتدائی سطح پر جی ای آر سب سے زیادہ ہے نیز جب ہم تعلیم کی سطح میں اوپر کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اس سے واضح طور سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بنیادی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی بڑی تعداد میں بچے اس نظام کو چھوڑ رہے ہیں اور پانچ میں سے صرف ایک بچہ ہی اعلی تعلیم تک پہنچتا ہے۔ اس بات کا ذکر کرنا برمحل ہے کہ ایسی ریاستیں بھی ہیں جہاں جی ای آر قومی اوسط کے مقابلے میں نمایاں طور سے کم ہیں نیز چھوٹے علاقوں (ضلع یا بلاک) میں جی ای آر اوسط کے مقابلے میں کہیں کم ہوسکتے ہیں۔ چناں چہ صنف سماجی زمرے اور ریاست/ضلع کے ذریعے جی ای آر کے ایک تفصیلی تجزیے سے ریاستوں اور اضلاع کے اندر خصوصی توجہ والے علاقوں کی نشاندہی کرنے میں مدد ملے گی۔

ابتدائی سطح: ایس ایس اے نے ایک دہے سے بھی زیادہ طویل اپنی سرمایہ کاری کے دوران ہزاروں اسکولوں کی منظوری دی ہے جس کے نتیجے میں ابتدائی اور اعلی ابتدائی اسکولوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ 2005-2006 میں ملک میں 7,38,150 ابتدائی اسکول تھے' جن کی تعداد بڑھ کر 2013-14 میں 858916 ہوگئی یعنی ان کی تعداد میں 59 فی صد کا اضافہ ہوا۔ ان اسکولوں کی زیادہ تر منظوری غیر مستفید بستیوں میں نئے اسکول کھولنے کے سلسلے میں ریاست کے لئے مخصوص معیارات کی بنیاد پر دی گئی تھی۔ ابتدائی اسکول کے لئے معیار حسب قاعدہ ایک کلومیٹر اور اعلی ابتدائی اسکول کے لئے 3 کلومیٹر تھا۔ رسائی کو 2010 تک ابتدائی سطح پر تقریباً ہمہ گیر (ایم ایچ آر ڈی کی رپورٹوں کے مطابق تقریباً 98 فی صد) بنا دیا گیا تھا۔ حالاں کہ اعلی ابتدائی سطح پر اب بھی موجود تھی۔ آر ٹی ای قانون کے نافذ ہونے سے ہر ایک بچہ پڑوس کے ایک اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا حق دار بن گیا تھا۔ اس کے لئے پڑوس کی توضیح کرنا نیز جہاں کہیں ضرورت ہے' نئے اسکول فراہم کرنا ضروری تھا' آگے چل کر ریاستوں نے پڑوس کے سلسلے میں اپنے اپنے معیار کی توضیح کی تھی نیز آر ٹی ای کے ریاستی قواعد وضوابط کے مطابق نئے اسکول فراہم کئے گئے تھے۔ ان معاملات میں جہاں پڑوس میں مثلاً چھوٹی اور تتر بتر بستیاں ہونے' دشوار گزار علاقہ ہونے اور زمین کی عدم دستیابی وغیرہ کی وجہ سے اسکول کھولنا ممکن یا پائیدار نہیں تھا' بچوں کے لئے نقل وحمل/محافظ کی سہولت فراہم کی گئی تھی' تاکہ وہ قریب کے اسکول میں جاسکیں۔ متبادل طور سے رہائشی سہولیات (زیادہ تر اعلی ابتدائی عمر کے گروپ کے بچوں کے لئے) بھی جسمانی رسائی کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے فراہم کی گئی تھیں۔ شہری علاقوں میں رہنے والے بالغ تحفظ کے نہ حامل بچوں کے لئے رسائی کے سلسلے میں سہولت بہم پہنچانے کے لئے بھی رہائشی سہولیات فراہم کی گئی تھیں۔ مساوات کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے سماجی رسائی پر رفتہ رفتہ توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ان علاقوں میں اسکول کھولے گئے ہیں جن میں درج فہرست ذاتوں (ایس سی)' درج فہرست قبیلوں (ایس ٹی) اور مسلمانوں جیسے الگ تھلگ کردہ فرقوں کا اجتماع ہے۔ کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ (کے جی بی وی) کے نام سے خصوصی اسکیم پر ایس ایس اے کے اندر عمل درآمد کیا جاتا ہے تاکہ اعلی ابتدائی سطح پر درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والی لڑکیوں کو رہائشی سہولت فراہم کی جائے۔ 2500 سے زیادہ کے جی بی وی شروع ہوچکے ہیں نیز مداخلتوں کے نتیجے میں زبردست دلچسپی اور مانگ پیدا ہوئی ہے۔ اعلی ابتدائی اسکولوں کے معاملے میں کافی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جن کی تعداد 2005-06 میں 385883 تھی جو بڑھ کر 2013-14 میں 585796 ہوگئی جس میں تقریباً 52 فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔

ٹیبل 1۔ سماجی زمرے کے ذریعے فی صد داخلے اور آبادی

	آبادی کا فی صد حصہ (2001) کی مردم شماری	داخلوں میں فی صد حصہ (ڈی آئی ایس ای 2013-14)
ایس سی	16 فی صد	20 فی صد
ایس ٹی	8 فی صد	11 فی صد
مسلم	13 فی صد	14 فی صد

ماخذ: یوڈی آئی ایس ای

ثانوی سطح: ثانوی اسکولوں کی سہولیات کی توسیع کے لحاظ سے کافی پیش رفت کی گئی ہے۔ بڑی آر ایم ایس اے مداخلتوں میں جن کا براہ راست اثر اسکولوں کی سہولیات کی توسیع نیز ثانوی تعلیم تک ہمہ گیر رسائی کا مطمح نظر حاصل کرنے پر پڑا تھا' درج ذیل مداخلتیں شامل ہیں:

☆موجودہ اسکولوں کو بہتر بنانا اور نئے ثانوی اسکول کھولنا' آر ایم ایس اے کی شروعات سے کل 11599 نئے ثانوی اسکولوں کی منظوری دی گئی تھی۔ ان میں سے 10,082 (86.9 فی صد) اسکولوں کو 972,000 کے کل داخلوں کے ساتھ عملی بنادیا گیا ہے۔ 30 ریاستوں/مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں نئے ثانوی اسکولوں کی منظوری دی گئی ہے۔ ان ریاستوں میں جنہیں 1000 سے زیادہ اسکول کھولنے کے لئے منظوری موصول ہوچکی تھی۔ جھارکھنڈ (1000)، تمل ناڈو (1096)، بہار (1153)، چھتیس گڑھ (1357) مدھیہ پردیش (1428) اور اتر پردیش (1504) شامل ہیں۔

☆**موجودہ اسکولوں میں اضافی کلاسز روموں کی تعمیر**: 2014-15 تک کل 52,715 اضافی کلاس روموں کی تعمیر کے لئے منظوریاں جاری کی گئی تھیں۔ ان میں سے کل 20,839 اضافی کلاس روم تعمیر کئے جاچکے ہیں۔ 16774 اضافی کلاس روموں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

اعلی تعلیم: جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے' جی ای آر کا استعمال رسائی کا اندازہ لگانے کے لئے ایک غائبانہ اشاریے کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ گراف 1 میں ظاہر ہے' اعلی تعلیم کی جی ای آر 2006-07 میں 12.4 فی صد تھی' جو کافی طور سے بڑھ کر 2012-13 میں 21.1 فی صد ہوگئی۔ اعلی تعلیم کے بارہویں پنج سالہ منصوبے میں اعلی تعلیم کی توسیع کے لئے مندرجہ ذیل باتیں تجویز کی گئی ہیں:

گراف ۔2 پرائمری اور اپر پرائمری اسکول کی تعداد

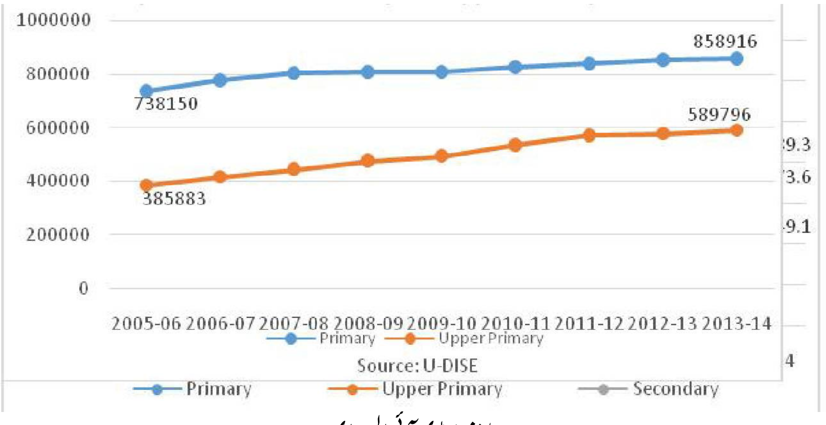

ماخذ: یوڈی آئی ایس ای

☆اندیشہ ناک علاقائی اور سماجی فرق کو ختم کرنے کے لئے درکار نئے اداروں کے استثنیٰ کے ساتھ' اداروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی بجائے موجودہ اداروں کی صلاحیت میں اضافہ کرکے رسائی کی توسیع کرنا۔

☆طلبا کے ایک گوناگوں ادارے کی ضرورت اور آجرین کی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لئے ادارہ جاتی امتیاز اور خصوصیت کا ایک نظام قائم کرنا۔

☆موثر اور شفاف حکمرانی کو فروغ دیتے ہوئے نیز تعلیم اور تحقیق کے معیار کو بلند کرتے ہوئے معیار کو بہتر بنانے' اخراجات کم کرنے' عمل اور کارکردگی کو بہتر بنانے نیز طلبا کے ایک بڑے ادارے تک پہنچنے کے لئے نئی ٹکنالوجیوں کی منتقلانہ صلاحیت کا استعمال کرنا۔

بچپن کی دیکھ بھال اور تعلیم (ای سی ای):

اس وقت ای سی سی ای خواتین اور بچوں کی ترقی کے محکمے کی ذمہ داری ہے۔ لیکن کچھ ریاستوں میں اسکول جانے سے قبل کی سہولت ابتدائی اسکولوں میں ابتدائی سے قبل کا شعبہ کھول کر تعلیم کے محکمے کے ذریعے فراہم کی جارہی ہے۔ تعلیم کے لئے متحدہ ضلعی اطلاعاتی نظام (یو ڈی آئی ایس ای) کے 2013-14 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 49 فی صد سرکاری ابتدائی اسکولوں میں ابتدائی سے پہلے یا آنگن واڑی کی سہولت ہے۔ اگرچہ ابتدائی سے پہلے کی سہولت کے حامل اسکولوں کی تعداد آنگن واڑی سہولت کے مقابلے میں بہت کم (ایک تہائی) ہے جو کہ کل سہولیات کا تقریباً دو تہائی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یو ڈی آئی ایس ای صرف ابتدائی سے پہلے یا آنگن واڑیوں کی ان سہولیات کے بارے میں اطلاعات دیتا ہے جو ابتدائی اسکول کے اندر یا اس سے ملحق دستیاب ہیں۔ اگر ابتدائی اسکول کے اندر یا اس سے ملحق دستیاب ہیں۔ اگر ابتدائی سے پہلے یا آنگن واڑی کی سہولت ابتدائی اسکولوں سے باہر ہے (اور ملحق بھی نہیں ہے) لیکن اسی بستی/گاؤں میں واقع ہے تو یہ یو ڈی آئی ایس ای کے اعداد و شمار میں نہیں آئے گی۔ ابتدائی اسکولوں میں ابتدائی سے پہلے اور آنگن واڑی سہولیات میں مثال کے طور پر ابتدائی اسکولوں کے اندر سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا ہے' جہاں ابتدائی سے پہلے کی سہولت تقریباً 10.9 فی صد ابتدائی اسکولوں میں دستیاب تھی نیز آنگن واڑی کی سہولت تقریباً 29.3 ابتدائی اسکولوں میں دستیاب تھی جو 2013-14 میں بڑھ کر بالترتیب 15.8 فی صد اور 33.3 فی صد ہوگئی تھی۔

محروم فرقوں اور گروپوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کی رسائی اور داخلے

جہاں تک تعلیم تک مساوی رسائی کا تعلق ہے' سماجی طور سے الگ تھلگ کردہ گروپوں کے داخلوں کے رجحانات سے بہتری کا پتہ چلتا ہے۔ سال 2013-13 کے لئے یو ڈی آئی ایس ای کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ایس سی' ایس ٹی اور مسلم بچوں کے داخلوں میں فی صد حصہ آبادی میں ان کی فی صد حصے کے مطابق ہے۔ فی صد داخلوں اور آبادی کی تفصیل ٹیبل 1 میں دی گئی ہے۔

لڑکیوں کے داخلوں میں اضافہ صرف مختلف سماجی زمروں' خاص طور سے ایس سی' ایس ٹی اور مسلم فرقے سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے داخلوں میں بہتری سے

ممکن تھا۔ چارٹ 3 میں ان سماجی زمروں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے داخلوں میں اضافہ دکھایا گیا ہے۔

داخلوں میں ان کے حصے مطابق ایس سی/ایس ٹی اور مسلم طلبا کے حصے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرقوں کو الگ تھلگ کردیئے جانے سے ہمہ گیر داخلوں کے لئے چیلنج نہیں پیدا ہوتا ہے۔ چوں کہ مسلمانوں کی آبادی مختلف مقامات پر مختلف گھنے پن کی حامل ہے' اس لئے داخلوں میں اسی کے مطابق فی صد حصہ ہونے کے باوجود ان فرقوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے بچے اب بھی اسکول نہیں جاتے ہیں۔ اس طرح کی صورت حال نصاب تعلیم اور درس کے طریقوں میں معیاری بہتری کے علاوہ سماجی رسائی' مساوات اور کثرت پر زیادہ سے زیادہ توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔

چیلنج

رسائی کی راہ میں رکاوٹیں

اسکول نہ جانے والے بچوں کی اکثریت کا تعلق محروم فرقوں یعنی درج فہرست ذاتوں' درج فہرست قبیلوں' مسلمانوں' نقل مکانی کرنے والے لوگوں' خصوصی ضروریات والے بچوں' شہری محروم بچوں' کام کرنے والے بچوں' دیگر دشوار حالات میں رہنے والے بچوں دشوار گزار علاقے میں رہنے والے بچوں' کسی جگہ سے ہٹائے گئے کنبوں کے بچوں نیز سول تنازع سے متاثرہ علاقوں کے بچوں سے ہوتا ہے۔ آر ٹی آئی قانون ریاستی حکومتوں پر محروم گروپوں اور کمزور طبقوں کا تعین کرنے اور ان کے بارے میں اعلان کرنے کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔

سماجی رسائی اور مساوات کے معاملے پر تبادلہ خیالات کرتے ہوئے رجحان یہ رہتا ہے کہ اسے وسیع زمروں مثلاً ایس سی' ایس ٹی' مسلمانوں' لڑکیوں تک محدود رکھا جائے۔ اس بات کو سمجھنا ہوگا کہ ہم نسل گروپ نہیں ہیں۔ سماجی حقیقتیں کہیں زیادہ پیچیدہ ہیں نیز ان گروپوں کے اندر بھی گروپ ہیں جو مختلف وجوہات سے کہیں زیادہ محروم ہیں۔ ہمہ گیر رسائی کے مطمح نظر کو مکمل طور سے حاصل کرنے کے لئے پروگرام پر عمل درآمد کے آگلے مرحلے میں رسائی کی راہ میں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت ہوگی جو مندرجہ ذیل سماجی اور معاشی حقائق کی وجہ سے پیدا ہورہی ہیں:

صنف: لڑکیوں سے مزدوری کرانے اور ان کی جلد شادیاں کرانے کے معاملے میں سنگین چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں اس حقیقت کی وجہ سے اور اضافہ ہوجاتا ہے کہ اسکول شمولیت پر مبنی نہیں ہیں نیز وہ لڑکیوں کے لئے محفوظ جگہیں نہیں ہیں۔ اگرچہ کے جی بی وی اور این پی ای جی ای ایل جیسی اسکیمیں کامیاب رہی ہیں۔ لیکن ان کی رسائی تعداد کے لحاظ سے محدود رہی ہے۔ تعلیم کی فراہمی کے وسیع تر نظام کو زیادہ موثر طور سے ان روکاوٹوں کو دور کرنا چاہئے تاکہ لڑکیاں داخلوں کے بعد اسکولی نظام میں برقرار رہیں۔

ذات: اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ایس ایم سی کی سطح پر جامع چھوٹی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ آر ٹی ای قانون نے ان رکاوٹوں سے نمٹنے کے لئے ممانعت کردہ اور لازمی سرگرمیوں کا ایک قانونی ڈھانچہ فراہم کیا ہے۔ تاہم گاؤں کی سطح پر سماجی اور اسکول کا لائحہ عمل بنانے کی مشقوں کی سطح پر کافی کام کرنا ہوگا۔ زبانی حوالوں' مختلف پس منظروں والے بچوں کو کام تفویض کرنے اور کلاس روم میں مساوات کے عمل کے بارے میں تعلیم فراہم کرنے والی مشینری کی سوچ میں تبدیلی ایک شدید چیلنج ہے جس سے اساتذہ کی تربیت کے ذریعے نمٹنا ہوگا۔ ایس ایس اے کے عمل درآمد کے ڈھانچے میں مستثنیٰ کردینے کے طریقوں کی ایک جامع فہرست دی گئی ہے اور اسے رویے کے حقیقی طریقوں میں بدلنا ہوگا۔ اس رکاوٹ کے سلسلے میں ایک اور چیلنج بروقت پتہ لگانے کے نظام قائم کرنا نیز رویے کے سلسلے میں معیارات وضع کئے جانے کے بعد تیزی سے ازالہ کرنا ہوگا۔

نسل اور زبان: اسکول اور گھر کے درمیان ہیئتی اور ثقافتی منظر میں کھلے امتیاز سے لے کر محض فرق تک مختلف ہوتی ہے۔ اسکول اور گھر کی زبان میں فرق ہونے کی وجہ سے بچے اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ سکتے ہیں کیوں کہ بچے کلاس روم کی کارروائی کو نہیں سمجھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرسکتے ہیں۔ یہ چیز رسائی کے سلسلے میں ایک ناقابل فتح رکاوٹ ہوسکتی ہے۔

معذوری: یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ تمام سی ڈبلیو ایس این میں سے 34 فی صد بچے اسکول نہیں جاتے ہیں۔ ان کے لئے چیلنج گوناگوں ہیں۔ تعمیراتی رکاوٹیں' امداد اور آلات' وسائلی مدد اور نصابی رسائی کا ناکامی اہتمام۔

منتقلی: موسمی نقل مکانی' قدرتی آفات' سول تنازع کے سبب منتقلی کی وجہ سے محروم گروپوں اور کمزور طبقوں کے بچے شدید طور سے متاثر ہوتے ہیں۔ جہاں منتقل کئے جانے کے بارے میں پیشگی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً نقل مکانی کے طریقوں کے ذریعے وہاں ان بچوں کا اسکولی سلسلہ جاری رکھنے کے لئے جن کے والدین اور اسکول کی نقشہ سازی عمل کے دوران نقل مکانی کرتے ہیں' موسمی ہوسٹل بنانے کے لئے تدارک اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ متبادل طور سے جس جگہ وہ منتقل ہوتے ہیں' وہاں انہیں مستقبل میں اصل دھارے

چارٹ 3:
کل مطابق داخلوں کے لئے فی صد ایس سی/ایس ٹی

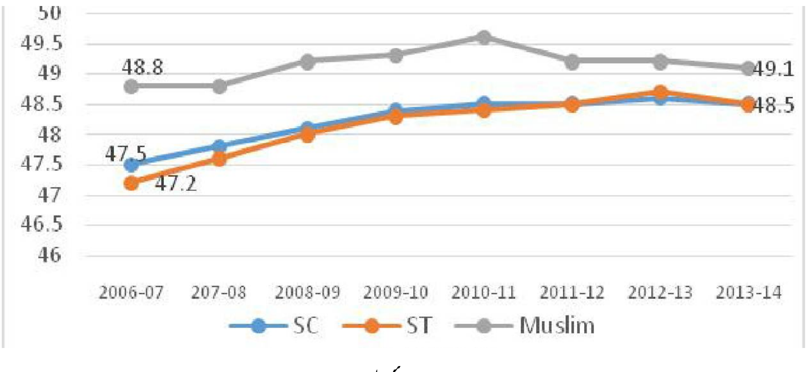

ماخذ: یوڈی آئی ایس ای

میں رکھنے کے پیش نظر خصوصی تربیت دی جاسکتی ہے۔ آفات مثلاً سیلابوں' زلزلوں' سول تنازعوں کی وجہ سے منتقل کئے گئے بچوں کی ضروریات مناسب انداز میں پوری کئے جانے کی ضرورت ہوگی۔

عمر : ان بچوں کو رسائی کے سلسلے میں رکاوٹ پیش آتی ہے جن کی عمر زیادہ ہوگئی ہے یا اسکول میں ان کا داخلہ کبھی نہیں ہوا ہے۔ یہ رکاوٹ چھوٹے بچوں کے ساتھ بیٹھنے میں ذلت کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ آر ٹی ای قانون ان بچوں کے لئے خصوصی تربیت کا اہتمام کرتا ہے تاکہ وہ عمر کے لحاظ سے موزوں کلاس میں داخلہ لے سکیں۔ ریاستوں کو بھی ایک تیز رفتار نصاب تعلیم کے سلسلے میں کام کرنا ہوگا جو خصوصی تربیتی مرکزوں میں پڑھایا جائے نیز انہیں ساتھ ہی اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ اساتذہ کو مناسب فن تعلیم کی تربیت دی جائے۔

آگے کا راستہ

اسکولی تعلیم: ہمہ گیر رسائی اور شرکت آناً فاناً حاصل نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک طویل اور سست رفتار عمل ہے۔ ہمیں ہیئتی بنیادی ڈھانچہ قائم کرکے نیز اسے بہتر بناکر بہتر جسمانی رسائی کے لئے آگے بھرپور قوت عمل جاری رکھنے کی ضرورت ہے لیکن سماجی رسائی کو بہتر بنانے کے لئے ہمیں اس بات کو یقینی بنانے کے لئے سماج کے ساتھ زیادہ مصروف ہونے کی ضرورت ہے کہ تمام طبقوں کے بچوں کو مساویانہ معیار کی تعلیم فراہم کی جائے۔ ایک جامع تشخیص مطالعہ کرنے کے بعد اسکولی تعلیم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات پر کام کئے جانے کی ضرورت ہے:

- اسکول اور سماجی خاکہ سازی
- کمیونٹی کی سرگرم شمولیت
- ابتدائی اور اعلیٰ ابتدائی اسکول کھولنا
- نقل وحمل/محافظ کی سہولیات فراہم کرنا
- اسکول نہ جانے والے بچوں کے لئے خصوصی تربیتی سہولیات کو بہتر بنانا۔

اعلیٰ تعلیم: مستقبل قریب میں نئے ادارے کھولتے ہوئے جائے وقوع' ریاستوں' علاقوں' نظم وضبط اور اداروں کی اقسام پر توجہ مرکوز کی جانی چاہئے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تمام اقسام کے ادارے تمام علاقوں میں دستیاب ہیں۔ جہاں کہیں مانگ ہے' موجودہ اداروں کی صلاحیت میں بھی اضافہ کیا جانا چاہئے۔ اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں اختراع کی حوصلہ افزائی کئے جانے کی ضرورت ہے نیز نصاب تعلیم پر نظر ثانی اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کی جانی چاہئے کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے طلبا روزگار کے بازار یا خود روزگار کے لئے تیار ہیں۔ اداروں کا ایک نیٹ ورک قائم کئے جانے سے تجربہ کار اساتذہ کی کمی کے مسئلے کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔ حکومت اور نجی شعبے کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں تحقیق کی حوصلہ افزائی کئے جانے اور اس سلسلے میں مالیہ فراہم کئے جانے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

حکومت نے 'روپے' کارڈ استعمال کی شرائط میں 90 روز کی توسیع کی

☆پردھان منتری جن دھن یوجنا (پی ایم جے ڈی وائی)' مالی شمولیت پر قومی مہم جس کا اعلان وزیراعظم جناب نریندر مودی نے یوم آزادی 2014 کے موقع پر اپنی تقریر میں کیا تھا' کا اہم مقصد' ملک بھر کے ہر گھر میں کم ازکم ایک بینک کھاتہ کھولنا اورتمام گھروں کا احاطہ اس کے تحت کرنا تھا۔ اس مہم کا ملک بھر میں باقاعدہ طور پر آغاز' وزیراعظم نے 28/اگست 2014 کو کیا تھا۔پی ایم جے ڈی وائی کے تحت' کھاتے داروں کو ایک لاکھ روپے کا اِن بلٹ حادثاتی بیمہ بھی فراہم کیا گیا تھا۔ حادثاتی موت / یا مکمل معذوری کی صورت میں کلیم (دعویداری) حاصل کرنے کی ایک شرط یہ تھی کہ 'روپے' کارڈ کا استعمال کھاتے دار نے اپنے موت/ مکمل معذوری سے 45 روز قبل مرچنٹ اسٹیبلشمنٹ یا اے ٹی ایم یا مائیکرو اے ٹی ایم یا ای-کامرس ٹرانزیکشن کے ذیعہ کم ازکم ایک کامیاب مالی یا غیر مالی ٹرانزیکشن کیلئے ضرورکیا ہو۔ یہ شرط 'روپے کارڈ' کھاتہ داروں کیلئے مشکل کا باعث تھی۔ اس سلسلے میں 45 دن کی اس شرط کی مدت میں اضافہ کرنے سے متعلق درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔حکومت نے اس مسئلے کو ہندوستانی قومی ادائیگی کارپوریشن (این پی سی آئی) جو روپے ڈیبٹ کارڈ اسکیم کو چلارہے ہیں' کے سامنے رکھا۔ اس کے نتیجے میں ہندوستانی قومی ادائیگی کارپوریشن (این پی سی آئی) نے' روپے کلاسک کارڈ رکھنے والوں کے لئے مذکورہ مدت 45 روز سے بڑھاکر 90 روز کردی ہے' جو 25/نومبر 2015 سے نافذ العمل ہے۔ اس کے مطابق وہ حادثات جو 25/ نومبر 2015 کو 00:00:01 وقت پر یا اس کے بعد ر ونما ہوئے ہیں' بھی اس اضافی مدت میں شامل سمجھے جائیں گے' واضح رہے کہ جو حادثات 23 یا 24/ نومبر 2015 کو پیش آئے ہیں'ان کے لئے اس طرح کے دعوئے کا فائدہ نہیں حاصل کیا جاسکے گا اور نہ ہی ان کے کلیم کے لئے اس اضافی مدت کا فائدہ حاصل ہوگا۔ 20/ نومبر 2015 تک پی ایم جے ڈی وائی کھاتوں میں روپے ڈیبٹ کارڈ کے تحت حادثاتی بیمہ کے 697 دعووں میں سے 644 دعووں کو مسترد کیاجا چکا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں

سب کے لئے تمام کے سلسلے میں پیش رفت کا عدد اشاریہ

سب کے لئے تعلیم کے سلسلے میں پیش رفت کا عدد اشاریہ (ای ڈی آئی) ایک ملا جلا عدد اشاریہ ہے جو ہر سال یونیسکو کی تیار کردہ' سب کے لئے تعلیم کی عالمی نگرانی رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے 2015 تک تمام بچوں اور بالغوں کے لئے بنیادی تعلیم کے مطمح نظر کے سلسلے میں پیش رفت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اس عدد اشاریے کے سلسلے میں سب کے لئے تعلیم (ای ایف اے) کے ان چھ مطمح ہائے نظر میں سے چار مطمح ہائے نظر کا استعمال کیا جاتا ہے جن کا انتخاب اعداد و شمار اور معلومات کی دستیابی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ یہ چار مطمح ہائے نظر ہیں: 1۔ ہمہ گیر ابتدائی تعلیم (یو پی)' 2 بالغوں کی خواندگی' 3۔ تعلیم کا معیار' اور 4 صنفی مساوات۔ ای ڈی آئی کے ہر ایک جزو کو مجموعی عدد اشاریے میں یکساں اہمیت دی جاتی ہے۔

ای ایف اے کے چاروں مطمح ہائے نظر میں سے ہر ایک مطمح ہائے نظر کے لئے ایک اشارے کا استعمال ایک غائبانہ پیمانے کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ہمہ گیر ابتدائی تعلیم کے لئے' اشاریہ ابتدائی ہم آہنگ کردہ خالص داخلہ فی صد (اے این ای آر) ہے جس سے پرائمری اسکول کی عمر کے ان بچوں کے فی صد کا اندازہ لگایا جاتا ہے' جن کا داخلہ یا تو ابتدائی یا ثانوی اسکولوں میں کرایا جاتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت صفر سے لے کر 100 فی صد تک ہوسکتی ہے۔ 100 فی صد کے ایک اے این ای آر کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل بچوں کا داخلہ اسکولوں میں کرایا جاتا ہے۔

بالغوں کی خواندگی کے لئے پندرہ سال یا اس سے یادہ کی عمر کے لئے بالغوں کی خواندگی کی شرح کا استعمال اس کی پیش رفت کا اندازہ لگانے کے لئے ایک غائب کے طور پر کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے معیار کے لئے گریڈ 5 تک برقرار رہنے کی شرح ای ڈی آئی کے معیاری جزو کا اندازہ لگانے کے لئے ایک بہترین دستیاب غائب ہے۔ آخر میں صنف کے لئے ابتدائی تعلیم' ثانوی تعلیم اور بالغوں کی تعلیم کے لئے ہر ایک کو دی گئی یکساں اہمیت کے ساتھ صنفی مساوات کے تین عدد اشاریوں (جی پی آئی) کا ایک سادہ اوسط لیا جاتا ہے۔

ای ڈی آئی کی قدر و قیمت کا اظہار فی صد میں کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے دو صفر سے لے کر 100 فی صد تک مختلف ہوسکتا ہے۔ ایک تناسب کے طور پر اظہار کرنے پر یہ صفر سے لے کر ایک ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ایک مخصوص ملک کے لئے ای ڈی آئی کی قدر و قیمت ان چار غائبانہ اشاریوں کا حسابی اوسط ہے۔ ای ڈی آئی کی قدر و قیمت جتنی زیادہ ہوگی' وہ ملک سب کے لئے تعلیم کا مطمح نظر حاصل کرنے کے سلسلے میں اتنا ہی قریب ہوگا۔

سارانش

سارانش طالب علم کی کارکردگی اور پیش رفت کے ایک جامع خود جائزے اور تجزیے کے لئے ایک آن لائن پلیٹ فارم ہے۔ یہ ایک ڈیجیٹل تال میل پورٹل ہے جو اساتذہ اور ان کے طلبا کے والدین کے درمیان ایک کے ساتھ ایک کے تفاعل کا پلیٹ فارم پیش کرتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے سلسلے میں مدد کرنے کے لئے اعداد و شمار اور معلومات پر مبنی ایک نظام پر کام کرتا ہے تاکہ اپنے بچوں کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ لگانے میں والدین کی مدد کی جائے نیز اپنے بچوں کی پسند اور ناپسند کے بارے میں انہیں بہتر طور سے باخبر رکھا جائے جس کے نتیجے میں وہ اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں باخبر فیصلے کرسکیں۔

سارانش ڈیجیٹل ہندوستان کی مہم کے تحت بہت سے ڈیجیٹل اقدامات میں سے ایک اقدام کے طور پر انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت کے ذریعے حال ہی میں شروع کیا گیا ہے تاکہ سی بی ایس ای سے وابستہ اسکولوں میں اطلاعاتی اور مواصلاتی ٹکنالوجیوں کو فروغ دیا جائے نیز ہندوستان میں موجودہ تعلیمی نظام میں شفافیت لائی جائے۔ یہ مقابلہ اور حاضری کے سلسلے میں معلومات بھی فراہم کرتا ہے' جس کی ساجھے داری اب اس ڈیجیٹل پلیٹ فارم کے ذریعے والدین کے ساتھ براہ راست طور سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تمام کلاسوں اور مضامین کی ای-کتابیں بھی دستیاب کرتا ہے۔ اسکول مضامین میں تمام طالب علموں کی کارکردگی کا تجزیہ کرنے نیز ان مضامین کی نشاندہی کرنے کے لئے اس ذریعے کا استعمال کرسکتے ہیں جن میں بچوں کو بہتری کی ضرورت ہے۔ اس پورٹل کو تمام اسکولوں کے پچھلے تین برسوں کے اعداد و شمار سے لیس کیا گیا ہے' لہٰذا طالب علمو نے جن مضامین میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے' ان کا پتہ لگانے نیز ان مضامین کا بھی پتہ لگانے کے لئے سال وار' ایک موازنہ جاتی مطالعہ کیا جاسکتا ہے جن میں ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی مزید ضرورت ہے۔

☆☆☆

پلابن بھومک/ پارتھا پرتیم داس/ سدیشنا سرکار/ اروبندا گپتا/ سندیپ چکرورتی/ بی ستر دھار/
سبرت چٹو پادھیائے/ انوپم باسو/ نندا گوپال چٹو پادھیائے/ پاتھا پرتیم چکرورتی

نیشنل ڈیجیٹل لائبریری:

ایک قومی اثاثہ کی تعمیر

لائبریری کے تصور میں آج کل انقلابی تبدیلی ہورہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ مواد کو الیکٹرانک شکل اور انفارمیشن و کمیونیکیشن ٹکنالوجی (آئی سی ٹی) کے آلات کے ذریعہ دستیاب کرایا جارہا ہے نیز لائبریری ریسورسیز کی آزادانہ دستیابی کی سہولت فراہم کی جارہی ہے۔ دنیا میں بشمول ہندوستان ڈیجیٹل لائبریری کے لئے کئی کوششیں کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں ڈیجیٹل لائبریری کے لئے کی جانے والی پہل میں متعدد وزارتوں اور بالخصوص وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کا تعاون حاصل رہا ہے، جو اسے اپنے انفارمیشن اور کمیونیکیشن ٹکنالوجی کے ذریعہ تعلیم پر قومی مشن (این ایم ای آئی سی ٹی) مشن کے ذریعہ کررہی ہے۔ ملک میں اس طرح کے متعدد پہل کے باوجود ڈیجیٹل مواد کو استعمال کرنے والے طلبہ، اساتذہ اور عام لوگوں کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں حل کرنے کے لئے کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے۔ استعمال کرنے والوں کو ای۔ ریسورسز تک رسائی کے لئے اب بھی الگ الگ ویب سائٹوں پر جانا پڑتا ہے، الگ الگ ری ٹرائیول/سرچ تکنیک سیکھنی پڑتی ہے، اپنی زبان

ٹیم این ڈی ایل و آئی آئی ٹی کھڑگ پور

میں مواد کی دستیابی کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور محدود مواد کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ سیکھنے کے ماحول میں لرنر۔ لرنر، ٹیچر۔ ٹیچر اور ٹیچر۔ لرنر کمیونیکیشن میں ربط شاذ ونادر ہی پایا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں وزارت ایچ آر ڈی نے این ایم ای آئی سی ٹی کے تحت اپریل 2015 میں نیشنل ڈیجیٹل لائبریری (این ڈی ایل) پائلٹ پروجیکٹ شروع کیا تاکہ مذکورہ بالا مسائل کو حل کیا جاسکے اور خواندگی سے لے کر ایڈوانس نالج ڈسکوری اور علم کی ترقی میں جو وسیع خلیج ہے اسے دور کیا جاسکے۔ این ڈی ایل مختلف شعبوں بشمول اکنامکس، ٹیکنیکل، اسٹریٹیجک اور سوشل سیکٹر میں ہمہ جہت موضوعات پر معلومات کو مربوط کرے گی اور تمام سطحوں پر انفرادی اور نئے دور کے ملٹی میڈیا ایجوکیشن کی مدد کرے گی۔ تکرار سے بچنے کے لئے این ڈی ایل کوئی نئی لائبریری نہیں ہوگی بلکہ یہ تمام موجود لائبریریوں کی ایک نمائندہ لائبریری ہوگی۔

ہندوستان بھر میں موجود علم کے خزانے کو جمع کرنے کے علاوہ این ڈی ایل کا تصور ایک ایسے پلیٹ فارم کے طور پر کیا گیا ہے جو تعلیم اور تحقیق میں بنیادی تبدیلی کا موجب ثابت ہوگا۔ یہ طلبہ کو مسابقتی امتحانات میں تیاری میں بھی مدد کرے گی۔ یہ لوگوں کو دنیا بھر میں پائے جانے والے بہترین طریقہ کار کو سیکھنے اور انہیں اپنانے کا اہل بنائے گی۔ یہ تحقیق کرنے والوں کوئی معلومات یکجا کرنے میں مختلف ذرائع سے مواد حاصل کرنے اور ٹیکسٹ، آڈیو، امیج اور ویڈیو ڈاٹا کا تجزیہ کرنے میں مدد کرے گی۔ اس کے علاوہ یہ سیکھنے کے نئے طریقوں اور تعلیم میں آئی سی ٹی کے استعمال کے مواقع سے مسلسل استفادہ کرنے میں مدد کرے گی۔

اس پائلٹ پروجیکٹ کے دوران این ڈی ایل ایسا فریم ورک تیار کرے گی جسے حسب ضرورت اور حسب خواہش وسعت دی جاسکے اور آنے والے دنوں میں یہ ہندوستان کا ایک مکمل نیشنل ڈیجیٹل لائبریری بن سکے۔ اسے آئی آئی ٹی کھڑگ پور میں تیار کیا جارہا ہے۔ اس میں سنگل ونڈو سرچ کی سہولت ہوگی اور یہ ہارڈ ویئر سسٹمس، سافٹ ویئر ٹولس اور اپلی کیشن پر مشتمل ہوگی۔ یہ اسکول، کالج اور اعلی تعلیم کے طلبہ کے لئے ای مواد یکجا کرے گی۔ اس مواد کو ملک بھر میں واقع قومی اہمیت کے حامل تعلیمی اداروں اور قومی اور بین الاقوامی پبلیشروں سے حاصل ہونے والے میٹا ڈاٹا کے ذریعہ یکجا کیا جائے گا۔ یہ پروجیکٹ اداروں کو موجودہ ای مواد کو آئی ڈی آر کے ذریعہ ترسیل کرنے میں مدد کرے گا۔ یہ تمام اکیڈمک سطحوں، تمام مضامین اور تمام زبانوں پر محیط کثیر سطحی ای لرننگ ماحول فراہم کرے گا نیز مقامی زبان جاننے والے اور معذور افراد بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ اپنے حتمی شکل میں یہ سسٹم ہندوستان بھر میں ورچوول ٹیچنگ۔ لرننگ۔ ایوولیشن۔ نالج ڈسکوری اور اختراعی پلیٹ فارم کے طور پر کام کرے گا، جو ایک قومی

سرمایہ ہوگا۔ یہ اس پلیٹ فارم کے لئے آلات کی تیاری کے لئے کارآفرینی کی حوصلہ افزائی بھی کرے گا۔

این ڈی ایل کا ماڈل

این ڈی ایل کے جامع ماڈل کا تصور ایک تین سطحی (نقشہ 1) شکل میں ڈیجیٹل ریپازیٹری سسٹم کے طور پر کیا گیا ہے، جہاں ہر سطح میں سروسز کو شامل کیا گیا ہے۔ نچلی سطح (ڈیجیٹل ریپازیٹری یا ڈی آر) مواد کی تیاری یا عاریتاً حصول کے ذریعہ بنیادی تصنیف اور حصولیابی کی خدمات انجام دے گا۔ درمیانی سطح (ڈیجیٹل لائبریری یا ڈی ایل) مواد کی تلاش اور رسائی کے ذریعہ ترسیلی خدمات فراہم کرے گا۔ آخری یا بالائی سطح (نیشنل ڈیجیٹل لائبریری یا این ڈی ایل) لرننگ، پرسنلائزیشن اور لوکلائزیشن جیسی متعدد اضافی قدر خدمات میں تعاون کرے گا۔ جہاں استعمال کنندہ کو متعدد سودمند تجربات ہوں گے۔ ان میں تجربہ پر مبنی علم، کثیر لسانی مواد، براوز اور سرچ اور کثیر رخی انٹرفیس شامل ہیں۔ این ڈی ایل اوپن سروس کی بھی مدد کرے گی جس کے ذریعہ دیگر افراد یا ادارے مستقبل میں نئی توسیع کرسکیں گے۔ اس ضمن میں این ڈی ایل کے لئے ایک موبائل ایپ کا فوری امکان ہے۔ نقشہ: 1۔ این ڈی ایل کا تین سطحی ماڈل

ڈھانچہ جاتی لحاظ سے این ڈی ایل میں کاموں کی واضح تقسیم ہوگی۔ اس کی نچلی سطح یا ڈی آر میں مواد ہوگا، یہ آئی آئی ٹی کھڑگ پور میں مرکوز نہیں ہوگا۔ اس کے بجائے ہر مالک یا مواد فراہم کرنے والے کے پاس اس کا اپنا ڈی آر ہوگا جس حد تک یو آر ایل کے ذریعہ رسائی حاصل کی جاسکے گی۔ ڈی آر میں این ڈی ایل سروس سے ایک علیحدہ (ممکنہ طور پر ذاتی) کنکشن ہوگا، جس کے ذریعہ ڈی آر ہر مواد کا میٹا ڈاٹا این ڈی ایل کو انڈیکسنگ اور سرچ کے لئے فراہم کرے گا۔ اس کا رکھ رکھاؤ ڈی آر سطح پر کیا جائے گا۔ جب کوئی یوزر کسی مواد کو تلاش کرے گا تو اسے میٹا ڈاٹا اور یوزر لسٹ میں موجودگی کی بنیاد پر تلاش کیا جاسکے گا۔ اگر یوزر کسی مواد کے مکمل متن تک رسائی حاصل کرنا چاہے گا تو اسے مواد کے یو آر ایل تک ری ڈائریکٹ کردیا جائے گا۔ مکمل متن کے لئے ضابطہ اور طریقہ کار مواد، مواد کے مالک یا فراہم کرنے والے، استعمال کرنے والے اور ان کے باہمی تعلقات پر منحصر ہوگا۔ اس سے فراہم کرنے والے اور کنزیومر کے درمیان کاپی رائٹ کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔

کاپی رائٹ کے مسئلے کو این ڈی ایل کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا ہے۔ حتمی طور پر این ڈی ایل کی سطح پر میٹا ڈاٹا انڈیکس سیٹ، انٹیلی جنٹ گرافک انٹرفیسز، انالیٹکس وغیرہ کی بنیاد پر اضافی قدر خدمات فراہم کی جائے گی۔

این ڈی ایل کا ڈیزائن

طے شدہ مقاصد کے حصول اور ماڈل کے مذکورہ بالا خاکہ کو پورا کرنے کے لئے ہم نے این ڈی ایل کے ڈیزائن کے لئے کئی اہداف کو نشان زد کیا ہے۔ ان اہداف کی نشاندہی پائلٹ مرحلے کے قابل عمل ہونے اور بعد میں مکمل سطح پر عمل درآمد کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ یہاں ان اہداف کا اختصار سے ذکر کیا جارہا ہے۔

فریقین

این ڈی ایل کے فریقین میں طلبہ، اساتذہ، عام یوزر، مصنفین، پبلشرس، کیٹلاگنگ سروس فراہم کرنے والے، مدد کرنے والے ادارے، کنزیومر ادارے (جو این ڈی ایل استعمال کریں گے)، وزارت اور حکومت شامل ہے۔ یہ یوزرس کو کنڈر گارٹن (کے جی) سے لے کر جدید تحقیق کرنے والوں اور تاحیات علم حاصل کرنے والوں کو سب خدمات فراہم کرے گی۔

استعمال کا طریقہ

این ڈی ایل کے استعمال کا طریقہ کی وضاحت نقشہ 2 میں کی گئی ہے۔ نقشہ 2 ۔ این ڈی ایل کے استعمال کا طریقہ ملاحظہ کریں۔

جیسا کہ اس نقشے میں دیکھا جاسکتا ہے ریپازیٹری کے دو اہم اجزاء ہیں۔ کنٹینٹ ریپازیٹری اور کورس ریپازیٹری۔ کنٹینٹ کو کنٹینٹ ریپازیٹری میں ہارویسٹنگ کے ذریعہ یا مینویل انٹری کے ذریعہ جمع کیا جاسکتا ہے۔ کورس ریپازیٹری میں کورس تیار کئے جائیں گے اور لرننگ مینجمنٹ سسٹم (ایل ایم ایس) کے حصہ کے طور پر کورس ڈیولپرس کے ذریعہ جمع کئے جائیں گے۔ کنزیومر یعنی عام استعمال کرنے والے اور طلبہ وہ یوزر ہوں گے جو ان ریپازیٹریوں تک رسائی حاصل کریں گے۔

مواد، میٹا ڈاٹا اور میعار

ہر طرح کے سیکھنے والوں کے لئے مفید مطلب بنانے کے لئے این ڈی ایل کو اس طرح تیار کیا جارہا ہے کہ وہ علم کے تمام شعبوں، سیکھنے کے تمام طرح کے مواد، صرف کتابیں اور جرائد ہی نہیں بلکہ ویڈیو، آڈیو مواد، سافٹ ویئر، انیمیشن، سیمولیشن، ویب کورسیز، ہینڈز آن،

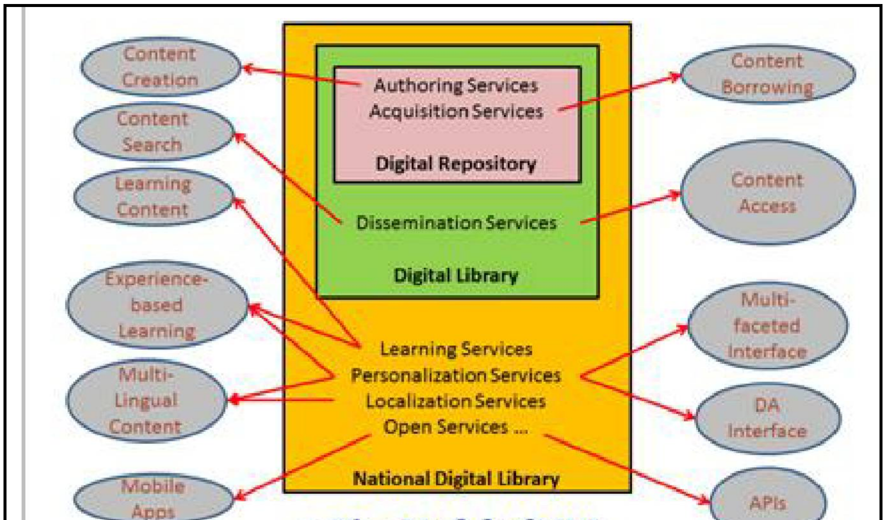

3-Tier Model of NDL

لیب میٹریلس، سوالنامے، ماڈل جوابات وغیرہ کا احاطہ کرے گا۔نقشہ 3 میں این ڈی ایل کے کنٹینٹ کوریج کا ایک خاکہ دیکھا جاسکتا ہے۔

اس میں سائنس اورانجینئرنگ ،میڈیکل، قانون، کلچر اور ثقافت، سماجیات اور آرٹس نیز اسپورٹس کا بھی احاطہ کیا جائے گا۔یہ آزادانہ رسائی کے طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے اور پبلک سیکٹر یا پرائیویٹ سیکٹر سے تعلق رکھنے والے ہر طرح کے معاونین سے متعلقہ مواد قبول کرے گا۔نقشہ 3۔این ڈی ایل کے مواد کی وسعت ملاحظہ کریں۔

میٹا ڈاٹا وہ ڈاٹا ہے جو مواد کو پیش کرتا ہے۔میٹا ڈاٹا میں کون سا ڈاٹا رکھا جائے گا یہ مواد کو نوعیت کے علاوہ کنکٹی ویٹی اور یوزرس کے استفادہ کے دائرہ پر بھی منحصر کرتا ہے۔لہذا میٹا ڈاٹا کسی ڈیجیٹل لائبریری کا قلب ہے اس لئے کسی ڈیجیٹل لائبریری کی تیاری میں میٹا ڈاٹا کا معیار انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔میٹا ڈاٹا کے کئی معیار قومی او ربین الاقوامی سطح پر دستیاب ہیں مثلاً ڈبلن کور، آئی ای ای ای ۔ ایل او ایم، مارک، سودھ گنگا وغیرہ۔لیکن ان میں سے کوئی بھی این ڈی ایل کی ضرورتوں کو پوری طرح پورا نہیں کرتا ہے۔لہذا این ڈی ایل نے اس شعبہ کے ماہرین کے ساتھ تفصیلی صلاح ومشورہ اور غور وخوض کے بعد اوپن ورچوول اسٹینڈرڈ کو اپنانے کا فیصلہ کیا، جس کی جھلک نقشہ 4 میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس اپروچ میں میٹا ڈاٹا کے ہر عنصر کی بنیاد کو اختیار کردہ معیار کے ڈومین نیم کو برقرار رکھتے ہوئے نشان زد کیا گیا ہے۔(مثال کے طور پر ڈبلن کور کے لئے ڈی سی)۔یہ معیار لچکدار بھی ہے اس لئے اس بات کو یقینی بنایا

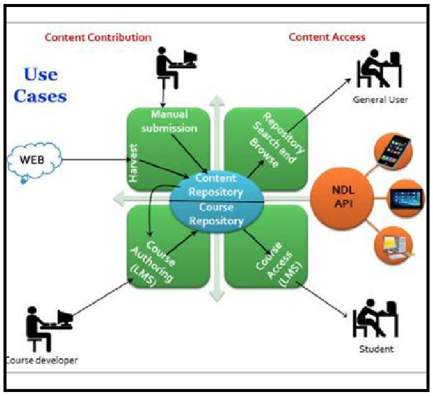

گیا ہے کہ مستقبل میں مواد کی نوعیت یا لرزکی ضرورت کے مطابق میٹا ڈاٹا کے عناصر کو منسلک کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔نقشہ 4۔این ڈی ایل میٹا ڈاٹا اسٹینڈرڈ

فنکشنل اور ہارڈویئر آرکیٹیکچر

این ڈی ایل کے فنکشنل کو نقشہ 5 میں دکھایا گیا ہے۔مواد کو ہارویسٹنگ سروس کے ذریعہ ہارویسٹ کیا جاتا ہے، کنٹینٹ اسٹوریج میں اسٹور کیا جاتا ہے اور انڈکسنگ سروس میں انڈیکس کیا جاتا ہے۔یوزر کو ان کی ترسیل کنٹینٹ ڈیلیوری سرور اور ایل ایم ایس سروس کے ذریعہ کی جاتی ہے۔یہ سب کنٹرول مینجمنٹ سرور کے ذریعہ کنٹرول کئے جاتے ہیں۔مختلف طرح کے یوزر آلات مثلاً موبائل، ٹیبلیٹ اور ویلو ایڈیڈ سروس فراہم کرنے والوں کو اپلی کیشن پروگرامنگ انٹرفیس (اے پی آئی) کے ذریعہ سروس اینڈ پوائنٹس فراہم کئے جاتے ہیں۔نقشہ 5۔این ڈی ایل کے لئے فنکشنل آرکیٹیکچر

فنکشنل آرکیٹیکچر پر مبنی ، این ڈی ایل کا آئی ٹی انفرااسٹرکچر مختلف سرور، اسٹوریج اور نیٹ ورک پر مبنی ہوتا ہے، جس کا خاکہ نقشہ 6 میں دیا گیا ہے۔نقشہ 6۔ این ڈی ایل کا سرور اور نیٹ ورک آرکیٹیکچر

آٹو میشن اور ٹکنالوجی

صرف جدید ترین ٹکنالوجی ہی یوزر فرینڈلی، جواب دہ، موثر اور قابل توسیع ڈیجیٹل لائبریری کو زیادہ سے زیادہ سہل اور مناسب دیکھ ریکھ کے لائق بناتی ہے۔ڈیجیٹل لائبریری کی تیاری میں شامل ہر شعبہ یعنی ہارویسٹنگ یا کراولنگ سے لے کر کثیر لسانی سپورٹ، ریپازیٹریوں کو مربوط کرنے، معذور افراد کے لئے بھی استعمال میں سہل سے لے کر آئی ٹی انفرااسٹرکچر کی توسیع اور ڈیزاسٹر ریکوری جیسے پہلوؤں پر توجہ دینا ضروری ہے۔

کاپی رائٹ کی حفاظت

اس طرح کے کسی بھی قومی پہل کے لئے کاپی رائٹ کا تحفظ اولین شرط ہے۔چوں کہ یہ ایک پیچیدہ اور حساس معاملہ ہے، این ڈی ایل نے یہ اپروچ اختیار کیا ہے کہ صرف انہیں میٹا ڈاٹا کو حاصل اور جمع کیا جائے گا جو کاپی رائٹ سے آزاد ہیں اور تعاون کرنے والے نے اسے رضا کارانہ طور پر فراہم کیا ہو۔این ڈی ایل کے سرچ ریزلٹ کے حصہ کے طور پر یوزر کلک کرکے مواد کے سورس کا ایک لنک حاصل کرے گا، جس کے ذریعہ وہ مواد کے مکمل متن تک رسائی حاصل کرسکے گا، جو سورس آرگنائزیشن کی پالیسی پر مبنی ہوگا۔اس طریقہ کار میں یوزر کسی پابندی والے مواد کے مکمل متن یا ادائیگی کے ذریعہ حاصل کئے جانے والے مواد کو یوزر اور سورس آرگنائزیشن کے درمیان دوطرفہ معاہدہ کی بنیاد پر حاصل کرسکے گا۔بہرحال اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ اسکول کے سیکشن اور ریسرچ والے مواد کو مفت میں فراہم

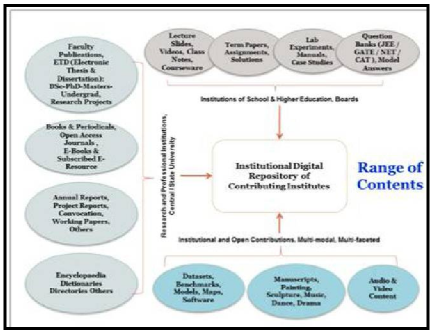

کرایا جائے۔اس کے لئے وزارت ایچ آر ڈی، یو جی سی، اسکول بورڈوں اور متعدد دیگر ایجنسیوں کی مدد حاصل کی جارہی ہے۔

جامعیت اور شفافیت

این ڈی ایل کا فلسفہ ہے جامعیت اور کھلاپن۔ ہر سطح، ہر شعبے، تمام زبانوں، تمام شعبوں، تمام ذرائع اور تمام طرح کے مواد کی شمولیت۔یہ استعمال کے لحاظ سے ہر ایک کے لئے کھلا ہوگا۔این ڈی ایل کا میٹا ڈاٹا اور انفرااسٹرکچر ہر طرح کی تحقیق، ڈیولپمنٹ اور توسیع کے لئے ،سوائے جہاں مکمل متن کے لئے کاپی رائٹ کے

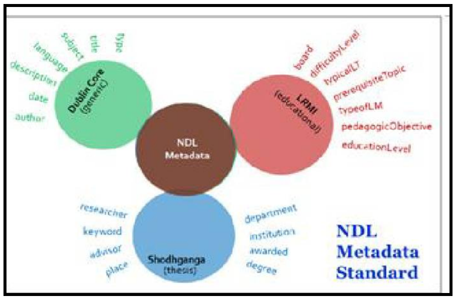

ضابطوں کا اطلاق ہوتا ہو، ہر ایک کے لئے دستیاب ہوگا۔

بیداری اور ترسیل

بیداری پیدا کرنے اور تربیت فراہم کرنے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں ورکشاپ اور کانفرنسیں

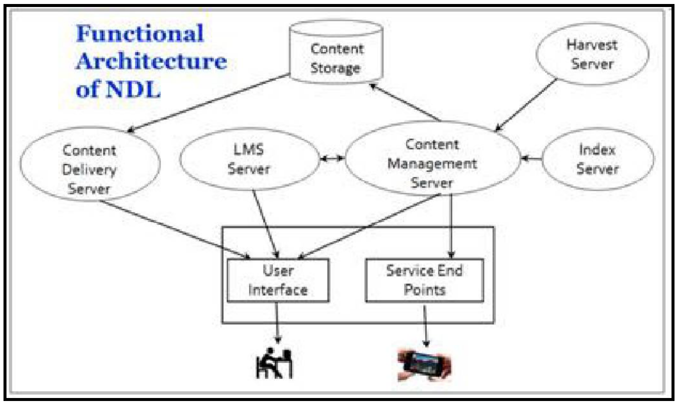

منعقد کی جا رہی ہیں۔ این ڈی ایل کے وفود مختلف قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں این ڈی ایل کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ ایک ویب سائٹ www.ndlproject.iitkgp.ac.in/ndl/ تیار کی گئی ہے جہاں این ڈی ایل کے بارے میں معلومات مفت میں دستیاب ہے۔

خلاصہ

این ڈی ایل جب پوری طرح کام کرنے لگے گی

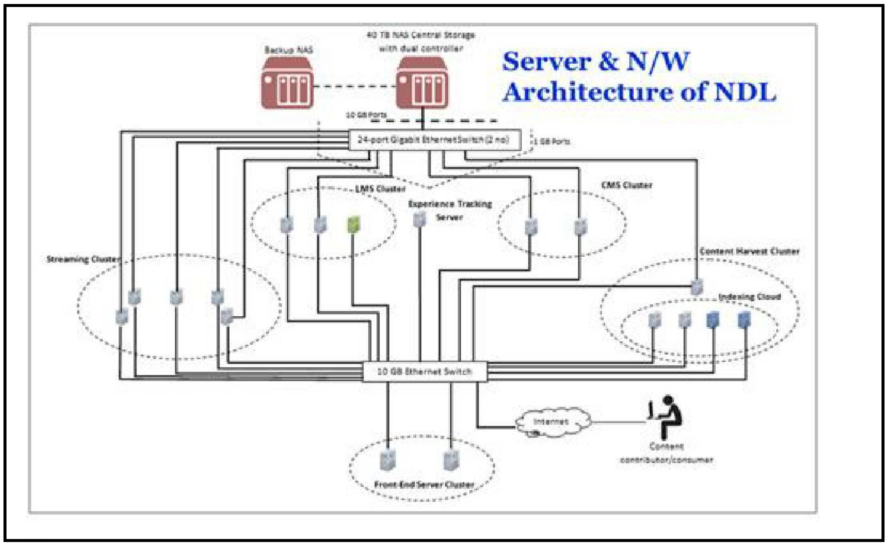

تو ایک انقلابی تبدیلی آئے گی اور ملک میں ایک نئی تعلیمی تحریک کا سورج طلوع ہوگا۔ اس میں کے جی سطح سے لے کر جدید ترین تحقیق اور تاحیات علم حاصل کرنے والوں کا احاطہ کیا جائے گا۔ استعمال کرنے والوں کو نہ صرف مختلف طرح کے مواد دستیاب ہوں گے بلکہ این ڈی ایل حصول علم کے مواقع کی فراہمی، تعلیم و تحقیق میں موجود کئی طرح کی پریشانیوں کو دور کرنے، تعلیم میں کراوڈ سورسنگ کی منظم سہولت فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوگی اور یہ ایک حقیقی قومی اثاثہ بن جائے گا۔

بہر حال کئی چیلنجز بھی ہیں جنہیں این ڈی ایل کو پائیدار بنانے کے لئے دور کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے چند ایک ہیں مواد کے لئے موثر کراوڈ سورسنگ میکنزم، نیشنل لائسنسنگ، واضح کاپی رائٹ پالیسی، خود امدادی آمدنی کا ماڈل اور اوپن کلچر کی شمولیت۔ امید کی جاتی ہے کہ بیداری بڑھنے کے ساتھ ساتھ اور مختلف وزارتوں اور ملک کے شہریوں کی طرف سے موثر تعاون کے ذریعہ مذکورہ بالا امور کو جلد یا بہ دیر حل کر لیا جائے گا اور این ڈی ایل کو ہندوستان میں حصول علم کا ایک قومی پلیٹ فارم بنانے میں کامیابی حاصل ہوگی۔ این ڈی ایل سے متعلق مزید معلومات کے لئے لاگ آن کریں۔

http://www.ndlproject.iitkgp.ac.in/ndl/

☆☆☆

دور دراز کے دیہاتوں، چھوٹے اور متوسط شہروں کو سیاحت کے مقام کے طور پر ترقی

☆سیاحت وثقافت اور شہری ہوا بازی کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) ڈاکٹر مہیش شرما نے راجیہ سبھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ نئی سودیش درشن اسکیم کے تحت انٹی گریٹیڈ ڈیولپمنٹ آف ٹورسٹ سرکٹس آراؤنڈ اسپیسفک تھیمیز کے لئے بارہویں تھیماٹک سرکٹس، بدھسٹ سرکٹس، ہمالیائی خطہ، ساحلی علاقہ، کرشنا علاقہ، ریگستانی سرکٹس، قبائلی سرکٹس، ایکو سرکٹ، وائلڈ لائف سرکٹ، دیہی علاقہ اور مذہبی مقامات وغیرہ دور دراز کے دیہاتوں چھوٹے اور متوسط شہروں کو سیاحتی مقامات کے طور پر چنا گیا ہے۔ سیاحت کی وزارت مختلف پروگراموں، سرگرمیوں اور میلے نمائشوں کے ذریعے ہندوستان کی ایک الگ پہچان بنانا چاہتی ہے۔ مذکورہ پرگراموں کو مختلف اشتہارات، بینرس، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے ان کی تشہیر کی جاتی ہے تاکہ سیاح ہندوستان کی جانب راغب ہو کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہاں آئیں اور وزارت کی ہوسپٹالٹی پروگرام سے مستفیض ہوں۔ اس سے نہ صرف سیاحت کو فروغ ملے گا بلکہ معیشت میں بھی اضافہ ہوگا۔

زیر زمین کوئلے کی گیس کاری کی تکنالوجی

☆بجلی، کوئلہ اور نئی نیز قابل تجدید توانائی کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) مسٹر پیوش گوئل نے ایک سوال کے تحریری جواب میں لوک سبھا کو بتایا کہ سینٹرل مائن پلاننگ اینڈ ڈیزائن انسٹی ٹیوٹ (سی ایم پی ڈی آئی) نے نیویلی لگنائٹ کارپوریشن لمیٹیڈ، جیولوجیکل سروے آف انڈیا، مائن سیفٹی کے ڈائریکٹر جنرل، سنگارینی کولریز کمپنی لمیٹڈ جیسے اداروں کے صلاح و مشورہ سے ہندوستان میں زیر زمین کوئلے کی گیس کاری (یوسی جی) تکنالوجی تیار کرنے کے لئے سات بلاکوں (لگنائٹ کے پانچ اور کوئلہ کے دو بلاکوں) کی شناخت کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ بلاک لگنائٹ کے لئے باڑمیر راجستھان میں سندھری ویسٹ، جوکلا نارتھ نمبلکوٹ، ناگرڈا اور سورت گجرات میں ڈنگرہ ہیں۔ کوئلہ کے بلاک میں پلنڈو (ڈپ سائیڈ)، ایس سی ایل اور باندھا۔ سنگرولی کی اصل طاس شامل ہیں۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ سیم ایم پی ڈی آئی نے ویسٹرن کول فیلڈ لمیٹیڈ کے تحت پنچ کنہن کول فیلڈ میں تھسگوڑا 'سی' اور رام گڑھ کول فیلڈ میں کیتھا کی شناخت کی گئی ہے۔

☆☆☆

کرن بھٹی

معیاری تعلیم کے لئے ویژن

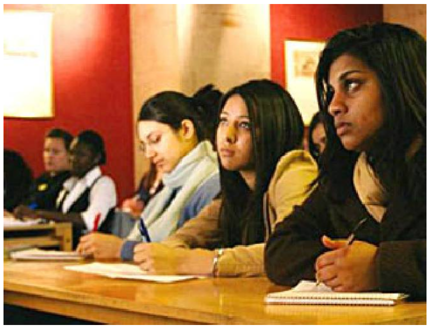

اب جب کہ ایک نئی تعلیمی پالیسی تیاری کے آخری مرحلے میں ہے، پالیسی سازوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ تعلیم کے تئیں ویژن کیا ہے اور یہ پالیسی فریم ورک تعلیمی اداروں کے ساتھ مل کر ویژن کو کمزور کرنے کے بجائے اسے کس طرح بہتر اور مضبوط بنا سکتے ہیں۔

سنٹر فار پالیسی ریسرچ میں سینئر فیلو۔
kiranbhaty@gmail.com

حالیہ برسوں میں اسکولوں اور بالخصوص سرکاری اسکولوں میں دی جانے والی تعلیم کے معیار کے تئیں تشویش میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ ہر سروے، خواہ وہ ASER رپورٹ ہو یا این سی ای آر ٹی کا قومی حصولیابی سروے یا بین الاقوامی امتحان (PISA)، یہ بتاتا ہے کہ سیکھنے کی سطح، حتی کہ خواندگی اور ریاضی میں بنیادی صلاحیت، مطلوبہ معیار سے نہایت کم ہے۔ ان تشویشناک نتائج کی وجہ سے تعلیم کے معیار میں پستی اور اس کے ممکنہ حل کے سلسلے میں گرما گرم بحثیں شروع ہوئیں۔ تعلیم کے لوازمات سے متعلق امور کے علاوہ گورننس کی صورت حال بھی اسکولوں اور تعلیم کے معیار میں گراوٹ کا اہم اسباب ہیں۔ حتی کہ امتحان لینے کے طریقہ کار، سیکھنے کے طریقہ کار، جائزہ لینے کے پیمانوں وغیرہ پر بھی سوالات اٹھائے گئے۔ لیکن مناسب تحقیق کی بنیاد پر شواہد کی کمی کے سبب اس معاملے کے فریقین کے درمیان اختلافات برقرار ہیں اور ان میں اتفاق کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی ہے۔

ان گرما گرم بحثوں کے درمیان اس بات کا خطرہ ہے کہ سب کے لئے تعلیم - بچوں اور قوم کی- تعلیم کے لئے ویژن کا اصل سوال ہی نگاہوں سے محو نہ ہو جائے۔ کیا مسئلے کا حل تلاش کرنے کی جلد بازی میں ہم وسیع تر ویژن کو نظر انداز کر رہے ہیں؟ کیا ہم نتائج حاصل کرنے کے چکر میں اصل مسائل اور ضروری طریقہ کار کو نظر انداز کر رہے ہیں؟ کیا ہم حصولیابی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے ادارہ جاتی عناصر کو درکنار کر رہے ہیں؟ کیا ہم تعلیم کے اصل مقصد کو بھولتے جا رہے ہیں اور اس کے بجائے ہماری ساری توجہ اس کے اقتصادی پہلوؤں کی طرف ہے؟ نئی تعلیمی پالیسی کے موقع پر یہ مناسب موقع ہے کہ ہم ان بحث و مباحثوں سے تھوڑی دیر رک کر تعلیم کے لئے اپنے اصل ویژن پر غور کریں۔ موجودہ مباحثہ میں ہم یہاں تین نکات پر غور کریں گے جو ہمارے وسیع تر اہداف اور ویژن کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔

ہنر یا تعلیم

تعلیم کے سلسلے میں دانشورانہ اور پالیسی مباحثوں میں جس بنیادی عنصر پر سب سے زیادہ بحث ہوتی ہے وہ غالباً تعلیم کا 'وسیلہ' اور 'فطری اہمیت' کے قدر کی بحث ہے۔ اول الذکر میں تعلیم کو ایک ایسے ذریعہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں کے مواقع میں اضافہ کرے، روزگار اور آمدنی کو بڑھائے جب کہ موخر الذکر میں تعلیم کے دیگر فوائد کے علاوہ کسی فرد کے معیار زندگی کو بہتر بنانے میں اس کے رول کو دیکھا جاتا ہے۔ گو کہ دونوں کی اہمیت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے تاہم حالیہ برسوں میں تعلیم کے وسیلہ کی اہمیت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، بالخصوص ان غریبوں کے لئے جنہوں نے سرکاری اسکولوں میں اندراج کروایا دوسری طرف تعلیم کی فطری اہمیت پر کم توجہ دی گئی۔ موجودہ پس منظر میں اس رجحان نے اسکولی تعلیم میں اسکل ڈیولپمنٹ کی طرف توجہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ بدقسمتی سے اس کا مقصد فرد کے اندر پائی جانے والی خوبیوں کو جلا بخشنے کے بجائے

نوجوانوں کو لیبر مارکیٹ کے لئے جلد از جلد تیار کر دینا بن کر رہ گیا ہے۔ تعلیمی زندگی میں بہت ابتدا میں ہی ہنر سکھانے سے ایسے نوجوانوں کے اندر سیکھنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت پر روک لگ جاتی ہے اور اس بات کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگی بہت معمولی اجرت والی ملازمت تک محدود ہو کر رہ جائے۔ اس طرح جاب مارکیٹ کے لئے اسکل ڈیولپمنٹ تعلیم کا ایک محدود اور تنگ نظری پر مبنی نظریہ ہے، جس سے صرف چند ایک لوگوں کے مختصر مدتی مفادات پورے ہو سکتے ہیں۔ یہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ ہنر حاصل کرنے کے لئے بھی ایک بنیادی سطح کی تعلیم ضروری ہے۔ چونکہ بنیادی تعلیم تک ہر ایک کی رسائی کا ہدف اب بھی ایک خواب ہے اس لئے ہنر مندی پر توجہ دینے سے ہر ایک کے لئے معیاری اسکولی تعلیم فراہم کرنے کا بنیادی ہدف اور بھی دور ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ ہم ہنر کی نفی کر رہے ہیں یا ہنر کسی بچے کی زندگی یا اسکولی نصاب میں نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا ہونا چاہئے لیکن ان کی نوعیت دوسری ہونی چاہئے تا کہ وہ ایک مختلف رول ادا کر سکے۔ مثال کے طور پر 'لائف اسکل' بچوں میں سکھانے کی اشد ضرورت ہے۔ دیگر غیر اکیڈمک یا غیر نصابی ہنر، بچوں کی تعلیمی ترقی میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ دراصل مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پالیسی ساز، بالخصوص اسکولی تعلیم کی سطح پر کچھ کے لئے تو لائف اسکل کی وکالت کرتے ہیں اور کچھ دیگر کے لئے ووکیشنل اسکل کی بات کرتے ہیں۔ ایسا کرنا نہ صاف یکساں مواقع کی فراہمی کے آئینی مقصد سے روگردانی ہے بلکہ یہ طویل مدت میں اقتصادی مقاصد کو بھی پورا نہیں کر پاتے ہیں۔

سائنسی رجحان یا سماجیاتی منظر نامہ

پوری دنیا میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تعلیم قوم کی تعمیر میں بنیادی رول ادا کرتی ہے اور ملک کے مستقبل کی ترقی کے لئے اہم رول ادا کرنے کے لئے بچوں کو تیار کیا جانا چاہئے۔ بلا شبہ یہ رول الگ الگ ہو سکتے ہیں لیکن آئین میں جن امور کی نشاندہی کی گئی ہے وہ کسی فرد کے تعلیمی سانچے کی تخلیق میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔

جمہوریت، سماجی انصاف اور مساوات جیسی قدروں کے کسی فرد کی عمومی اور پیشہ ورانہ زندگی پر دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انہیں ان کے اندر بالکل ابتدائی دنوں میں سماجیات کے ذریعہ جاں گزیں کیا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ مباحثے میں 'سائنسی رجحان' پیدا کرنے پر کچھ زیادہ ہی توجہ دی جا رہی ہے اور سماجیات کے ذریعہ پیدا ہونے والی قدروں پر کم توجہ دی جا رہی ہے۔ جہاں سائنس اور ریاضی کی تعلیم پر زیادہ توجہ دینا ضروری ہو وہاں بھی سماجیات کی تعلیم کے بہتر طریقوں پر یکساں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سماجیات کو نظر انداز کر دینا آگے چل کر نقصان دہ ثابت ہوگا۔ کیوں کہ کسی فرد کی تعلیمی ترقی کے لئے جس طرح سائنس اور ریاضی ضروری ہیں اسی طرح اس کے لئے سماجیات بھی ضروری ہے' لہٰذا معیاری تعلیم میں ان دونوں پہلوؤں پر یکساں توجہ دی جانی چاہئے اور نئے پالیسی فریم ورک میں ان دونوں کو یکساں اہمیت دی جانی چاہئے۔

اداروں کی تعمیر یا مسئلے کا فوری حل

معیار کو برقرار رکھنے (اور بہتر بنانے) میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ 'نفاذ' کی ناکامی کو قرار دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں سرکاری ادارے اپنے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو پاتے ہیں۔ سرکاری سیکٹر کے تعلیمی اداروں میں اس کے تمام پہلو پائے جاتے ہیں۔ عمل درآمد کے طریقہ کار اور ضابطوں (تقرری، منصوبہ بندی اور مانیٹرنگ) سے لے کر داخلی ڈھانچوں میں ربط (بین ایجنسی کوآرڈی نیشن، مواصلات کی ترسیل) سے لے کر وسیع تر ڈھانچہ جاتی تعلقات تک، جس میں سرکاری اداروں کے غیر سرکاری اداروں کے ساتھ رابطہ نیز کمیونٹی کے ساتھ رابطہ بھی شامل ہے۔ رابطہ کی اس کمی کی وجہ سے اسکول سے لے کر انتظامیہ کے اعلی سطح تک اور ان کے درمیان کے دیگر ادارے سب متاثر ہوتے ہیں اور تعلیم 'بحران' کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں نے لفظ 'بحران' کا استعمال جان بوجھ کر کیا ہے تا کہ اس پر توجہ دی جائے، اسے نظر انداز نہ کیا جائے۔ بدقسمتی سے مضبوط اور پائیدار ادارے بنانے کے بجائے مسائل کا وقتی حل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں آگے چل کر صلاحیتوں کے فقدان اور بدعنوانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اداروں کی نشاندہی کرنے اور ان کو درپیش مسائل کو دور کرنے کے لئے اصلاحات پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ بلکہ فوری اور وقتی حل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آئی سی ٹی پر زور ملک کے بڑے حصے کے لئے بالکل غیر حقیقی ہے، خاص طور پر ان کے لئے جو کمپیوٹر خواندہ نہیں ہیں یا کمپیوٹر سہولیات تک جن کی رسائی نہیں ہے۔ جن اسکولوں میں کمپیوٹر فراہم کئے گئے ہیں، وہاں یہ کمروں میں بند کر کے رکھ دئے گئے ہیں، اس خوف سے کہ کہیں وہ بچوں کو خراب نہ کر دیں یا پھر وہاں بجلی کی سہولت ہی نہیں ہے۔ ٹیچروں کو اسکول کا بجلی کا بل اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا ہے کیوں کہ اسکول کے بجٹ میں بجلی کے بل کا خانہ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ٹیچر کی اہلیت کو تقرری کے ضابطوں یا ان کے کام سے مربوط نہیں کرنے کے نتیجے میں ٹیچروں میں موٹیویشن کی سطح بہت کم ہوتی ہے' لہٰذا جب تک ٹیچروں کی تعلیم اور تربیت کے طریقہ کار کو اداروں کے حالات کو ایک دوسرے سے مربوط نہیں کیا جائے گا اس وقت تک دیرپا نتائج ملنے کی امید بہت کم ہے۔ حتی کہ ٹیچروں کی ذمہ داریوں کا تعین پورے سسٹم کی ذمہ داری سے الگ کر کے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مسئلے کو ٹکڑوں میں حل کرنے کی کوشش سے فائدہ کے بجائے نقصان ہونے کا خدشہ زیادہ ہے۔

دیگر ادارہ جاتی عناصر مثلاً مانیٹرنگ، پلاننگ اور پالیسی سازی ہمارے مباحثے میں شاذ و نادر ہی جگہ پاتے ہیں حالانکہ وہ نفاذ کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گو کہ پالیسی کی لامرکزیت ایک بہتر مقصد ہے تاہم حقیقت میں اس پر عمل درآمد شاید ہی کبھی ہو پاتا ہے۔ اس لئے اسکول ڈیولپمنٹ پلان کی جگہ DISE فارمیٹ ہی

بالعموم جمع کرائے جاتے ہیں اوراعلی سطح پر ریاستی منصوبہ سازی میں ایسے ان پٹ استعمال کئے جاتے ہیں جن کا مقامی سطح پر فائدہ شاید ہی ہو پاتا ہے۔اضلاع اوراسکولوں میں وسائل کی تقسیم اپنی مرضی کے مطابق کیا جاتا ہے اور ضرورتوں اور منصوبوں کو دھیان میں نہیں رکھا جاتا۔ منصوبہ بندی یا پالیسی میں مانیٹرنگ سسٹم سے حاصل ہونے والی معلومات کو شامل نہیں کیا جاتا ۔ ڈاٹا اور انفارمیشن سسٹم کا صحیح استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ڈاٹا تو بہت زیادہ جمع ہو جاتا ہے لیکن وہ سودمند ثابت نہیں ہوتے ۔ڈاٹا کو یکجا کرنے اوران کے مناسب استعمال کے لئے ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔

کمیونٹی کوشامل کرنا تعلیم کے ویژن کا ایک اہم جز ہے لیکن اس سمت میں بھی سنجیدہ کوششیں ابھی نہیں ہوسکی ہیں۔جس کے نتیجے میں یا تو انہیں 'بھلا دیا گیا' ہے یا کمیونٹی کو بااختیار بنانے کا ایک متبادل تجربہ شروع ہو گیا ہے۔ جس کے بعد پی ٹی اے، ایم ٹی اے، وی ای سی ، ایس ڈی ایم سی اوراب ایس ایم سی بنائے گئے ہیں، جب کہ ان کے اختیارات، ربط یا اثرات میں کوئی خاص ترمیم نہیں کی گئی ہے۔جب تک ان پر خاطر خواہ مالی اور انسانی وسائل صرف نہیں کیا جائے گا اور ان کے کام کاج کو بہتر بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی ، ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور ایس ایم سی کا بھی انجام دیگر ڈھانچوں کی طرح ہی ہوگا۔

خلاصہ

ادارہ سازی ایک طویل عمل ہے جس کے لئے واضح ویژن اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔اسے مختصر مدتی اہداف،فوری حل اور تکنیک کی مدد سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اس کے لئے سسٹم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اورطویل مدتی اور پائیدار بہتری کی اجازت دینے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم سرمایہ کاری نہیں کریں گے اس وقت مزید نسلوں کو تعلیمی مواقع اور ترقی کا انتظار کرنا پڑے گا۔

اب جب کہ ایک نئی تعلیمی پالیسی تیاری کے آخری مرحلے میں ہے، پالیسی سازوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ تعلیم کے تئیں ویژن کیا ہے اور یہ پالیسی فریم ورک تعلیمی اداروں کے ساتھ مل کر ویژن کو کمزور کرنے کے بجائے اسے کس طرح بہتر اور مضبوط بنا سکتے ہیں۔

☆☆☆

سی او پی-21 کے ابتدائی اجلاس میں وزیراعظم کی تقریر

☆وزیراعظم جناب نریندر مودی نے کہا ہے کہ جمہوری ہندوستان کو سوا ارب ہندوستانی عوام کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے مسلسل ترقی کرنی ہوگی کیوں کہ ان سوا ارب میں سے تیس کروڑ لوگ اب بھی ایسے ہیں جنہیں اب تک توانائی دستیاب نہیں ہے۔وزیراعظم پیرس میں منعقد سی او پی-21 کے ابتدائی اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔وزیراعظم نے کہا کہ گو کہ حالیہ دہشت گرد حملوں سے ہونے والے پیرس کے زخم ابھی بھرے نہیں ہیں لیکن میں ان نازک لمحات میں فرانس اور پیرس کے ساتھ پوری طاقت سے مستعد رہنے کے لئے میں پوری عالمی برادری کو سلام کرتا ہوں۔ان نازک حالات میں آپ کی قوت ارادی اور ہمت یقیناً قابل ستائش ہے۔وزیراعظم نے کہا کہ اگلے کچھ دنوں کے دوران کرۂ ارض یعنی زمین کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ہمیں یہ سب ایک ایسے وقت میں کرنا پڑے گا، جب زیر زمین یعنی فاسل ایندھن سے لیس صنعتی عہد کے نتائج کا اندازہ کیا جانا مشکل نہیں ہے۔خاص طور سے غریب عوام کی زندگیوں پر ہونے والے ان کے اثرات کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔دنیا کے خوشحال ممالک آج بھی کاربن گیسوں کے اخراج سے ہونے والی نمو اور ترقی میں سب سے آگے ہیں اور ترقی کی آخری سیڑھی پر موجود دنیا کے کروڑوں عوام اپنی ترقی کے لئے گنجائشوں کی تلاش میں ہیں۔اس لئے فیصلہ قدرے آسان نہیں لیکن ہمارے پاس بیداری اور ٹکنالوجی موجود ہے،اس کے باوجود ہمیں قومی قوت ارادی اور عالمی شراکت داری کی اشد ضرورت ہے۔جناب مودی نے کہا کہ جمہوری ہندوستان کو اپنے سوا ارب عوام کے خوابوں اور تمناؤں کی تکمیل کے لئے مسلسل ترقی کرنی ہوگی کیوں کہ ان میں تیس کروڑ عوام کو آج بھی توانائی کی سہولت حاصل نہیں ہے۔ہم اپنے اس قدیمی عقیدے کی رہنمائی میں کہ سیارے اور بنی نوع انسان ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے ،ترقی کے عمل مسلسل کو جاری رکھیں گے کیوں کہ بنی نوع انسان کی فلاح اور قدرت کو الگ الگ تقسیم نہیں کیا جاسکتا،اس لئے ہم نے اس مقصد کے لئے ایک زبردست نشانہ معین کیا ہے اور 2030 تک ہمارے ملک میں کاربن گیسوں کا اخراج 2005 کی گھریلو شرح نمو کے 35-33 فی صد سے بڑی حد تک کم ہو جائے گا اور ہماری مقررہ گنجائش اور اہلیت کا 40 فی صد فاسل ایندھن سے پاک ہوگا۔ہم اپنا یہ نشانہ قابل تجدید توانائی کے دائرۂ استعمال کو وسعت دے کر حاصل کریں گے۔ہم نے محصولات اور رعایتوں میں کمی کر کے فاسل ایندھن پر اپنا انحصار کسی حد تک کم کر لیا ہے۔اب ہم جہاں بھی ممکن ہو،ایندھن کے وسائل حاصل کر کے ان کا استعمال شہروں کی تبدیلیوں اور جدید کاریوں اور نقل حمل کے نظام کے لئے کر رہے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ ترقی یافتہ ملک بھی اپنے زبردست نشانوں کا تعین کر کے ان کی تکمیل کی نیک نیتی کے ساتھ کوشش کریں گے کیوں کہ یہ محض ایک تاریخی ذمہ داری کا سوال نہیں ہے بلکہ ان کے پاس آج بھی اپنے امور میں کمی کر کے اپنے ٹھوس نقوش ثبت کرنے کی اہلیت موجود ہے۔آج ماحولیاتی انصاف کی مانگ ہے کہ کاربن کے کم سے کم استعمال کے ساتھ ترقی پذیر ملکوں کو بھی ترقی کے مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔مساوات اور مشترکہ لیکن متفرق ذمہ داریوں کے اصول کو مجموعی کاروباری سرگرمیوں کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ترقی پذیر ملکوں کو صاف ستھری توانائی دستیاب کرانے کی ذمہ داری ادا کرنی چاہئے جو سستی ہو اور جس تک ترقی پذیر دنیا کی رسائی آسان ہو۔ یہ بات ہمارے اجتماعی مفاد کی حیثیت رکھتی ہے۔توانائی کو انسان کی بنیادی ضرورت کی حیثیت حاصل ہے اس لئے ہمیں عوامی مفاد میں ٹکنالوجی پر مبنی زبردست اقدامات کرنے ہوں گے۔اس کے لئے ہمیں گرین کلائمیٹ فنڈ کی ضرورت ہوگی،جس سے ٹکنالوجی اور دانشورانہ اثاثوں تک ہماری رسائی آسان ہو سکے۔ہمیں آج بھی روائتی توانائی کی ضرورت ہے لیکن ہمیں اس کو صاف ستھرا بنانا ہوگا اور اس کے استعمال پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جانی چاہئے۔

☆☆☆

دلیپ کے چکر برتی

قدیم ہندوستان میں تعلیم:

مٹھ، پاٹھ شالائیں اور جنوبی ہند کے اگرہرا گاؤں

مندر پاٹھ شالاؤں اور اگرہرا سے متعلق شواہد غیر معمولی ہیں۔ یہ جنوبی ہند اور غالباً شمالی ہند میں بھی گاؤں کی سطح پر تعلیمی اداروں کے ایک بہترین نیٹ ورک کا پتہ دیتے ہیں۔ شمالی ہند میں اس دور کے مٹھ تعلیمی رول ادا کرتے تھے۔ راجستھان کے چتوڑ اور کوٹہ کے درمیان مینال میں مندروں کے احاطے میں اسی طرح کے ایک مٹھ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ساؤتھ ایشیا آرکیالوجی، کیمبرج یونیورسٹی میں ایمریٹس پروفیسر
dc129@cam.ac.uk

قدیم ہندوستان کے تعلیمی نظام کے بارے میں اہم روشنی سلوتگی ستونوں اے بی اور سی پر کندہ کتبوں سے پڑتی ہے۔ ان میں سے سب سے قدیم شک سموت 867 یا 945 عیسوی کا ہے۔ ایف کیلہورن اور ایچ کرشنا ستاستری نے ایپی گرافیا انڈیکا کی چوتھی جلد (1896-97) میں اس کتبہ کی ایڈیٹنگ کی ہے۔ کتبہ میں دیگر معلومات کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ پوٹیج گاؤں کے سربراہ چکر یدھ بدھ سورج گرہن کے موقع پر گوداوری میں اسنان کرتے تھے اور گاؤں میں واقع اسکول کے اسکالروں کو ٹیکس سے مستثنیٰ 500 نوارتن دیتے تھے۔ زمین کا ایک نوارتن پانچ ایکٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس گاؤں کا سربراہ تقریباً 2500 ایکٹر زمین اسکول کو عطیہ کے طور پر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اسکول میں پھولوں کے باغ کے لئے چار نوارتن اور روشنی کا بندوبست کرنے کے لئے بارہ نوارتن عطیہ کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اسکول کو 27 رہائش گاہیں دی جاتی تھیں۔ مزید برآں گاؤں میں ہونے والی شادیوں، سرمنڈوانے اور جنیو کی تقریبات کے موقع پر مخصوص عطیوں کی وجہ سے اسکول کے فنڈ میں اضافہ ہوجاتا تھا۔

”جب کسی وجہ سے برہمنوں کے لئے بھوج کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کی ضیافت کی جاتی تھی اس میں سب سے فراخ دل شخص اسکول کے ٹیچر کو زمین کے پچاس نوارتن اور ٹیکس سے مستثنیٰ ایک رہائش گاہ پیش کرتا تھا۔“

مذکورہ بالا اقتباس سلوتگی مندر کے کتبے کا مواد ہے جسے اے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ کتبہ بی کا عہد نہیں معلوم لیکن خیال ہے کہ یہ کتبہ اے کا ہم عصر یعنی 945 عیسوی کا ہے۔ اس کتبہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جن اسکول کی عمارت کا حوالہ کتبہ اے میں دیا گیا ہے اس کی تعمیر نو کانچیگا نے کرائی تھی جو کہ کوپانا پور کا رہنے والا تھا اور سیلیروں کی نسل سے تھا اور یہ کہ اس نے اسی جگہ زمین عطیہ کی تھی اور اسی نے یہ کتبہ تحریر کروایا تھا۔

کتبہ سی کی تاریخ نہیں معلوم لیکن یہ غالباً 11 ویں یا 12 ویں صدی عیسوی کا ہے۔ اسے مہا منڈ لیشور گونارس نے تحریر کروایا تھا جو کہ کوپان پورا کا جاگیردار تھا۔ وہ سیلاہرا کے راجہ جیموتا واہنا کی نسل سے تھا۔ ایک بار بھر کچھ زمین اسکول کو عطیہ کی گئی تا کہ مجموعی طور پر اس کی دیکھ بھال ہوسکے۔ تیسرا کتبہ 11 ویں صدی عیسوی کا ہے۔

چوں کہ یہ کتبے سو سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہیں (945 عیسوی سے 11 ویں صدی عیسوی) کرناٹک کے ضلع ماہیشا میں پوٹیج گاؤں میں واقع اسکول کو گاؤں اور گاؤں کے آس پاس کے لوگوں کی طرف سے کافی زمین ملی تھی۔ اس کا مقصد عمارتوں، اساتذہ اور طلبا کے اخراجات، عام دیکھ بھال، روشنی کے بندوبست اور پھولوں کے باغات جیسی تمام ضرورتوں کو پورا کرنا تھا۔ گاؤں کے لوگوں کی طرف سے اضافی مدد بھی ملتی تھی، یعنی ہر شادی کے موقع پر پانچ روپے کے برابر، ہراوپانیان کے موقع پر ڈھائی روپئے کے برابر اور ہر منڈن تقریب

کے دوران سوا روپے کے برابر تعاون ملتا تھا۔

سلوتگی کے کتبے اس کی واضح مثال ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مندر میں درس و تدریس کا بہتر انتظام تھا۔ جنوبی ہند میں مندروں میں اس طرح کے مزید اداروں کے شواہد کتبوں میں ملتے ہیں۔

تمل ناڈو میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے انا یرم میں اس طرح کے ایک 11 ویں صدی عیسوی کے ادارے کا پتہ چلتا ہے۔ جس میں 16 اساتذہ ایک طے شدہ نصاب پڑھاتے تھے گاؤں کے مقامی لوگوں نے 340 طلبا کی مفت تعلیم اور اس کے اخراجات کے لئے 300 ایکٹر زمین دی تھی۔ ہر مضمون کے لئے سیٹیں مقرر تھیں۔ رگ وید اور یجروید کے لئے 75,75 سیٹیں، شام وید کے لئے 40 سیٹیں اتھر وید، بودھانیا دھرم سوتر اور ویدانتا کے لئے 20,20 سیٹیں، گرامر کے لئے 25، میمانسا کے لئے 35 اور روپ وترا کے لئے 40 سیٹیں تھیں۔ اس طرح سے یہ ایک ویدک مٹھ تھا۔ رگ وید اور یجر وید کے لئے 3,3 اساتذہ تھے۔ میمانسا کے لئے دو اساتذہ اور باقی مضامین کے لئے ایک ایک استاد تھا۔ ہر ویدک طالب علم کو یومیہ ایک سیر چاول اور دیگر اخراجات کے لئے سالانہ ایک تولے کے آٹھویں حصہ کے برابر سونا ملتا تھا۔

گرامر اور فلسفہ کے طلبا کو تقریباً 66 فی صد اضافی بھتہ ملتا تھا۔ اساتذہ کو یومیہ 16 سیر چاول ملتا تھا، اگرچہ ویدانتا کے استاد کو 25 فیصد زیادہ رقم ملتی تھی۔

گیارہویں صدی کی ترمکوڈل مندر پاٹھ شالہ ضلع چنگلپیٹ کے ترومکوڈل میں ونکٹیش پیرومل مندر میں واقع تھی اس میں ایک پاٹھ شالہ، ایک ہاسٹل اور ایک اسپتال تھا۔ یہاں 60 طلبا تھے اور سبھی کا مضمون کے حساب سے کوٹہ تھا۔ جس میں رگ وید کے لئے 10، یجر وید کیلئے 20 پنچ راتر سسٹم کے لئے 10، سائی وگم کے لئے تین اور ونپراست اور سنیاسن کے لئے 7 سیٹیں تھیں۔ ویدک اساتذہ کو یومیہ تین سیر چاول ملتا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جز وقتی اساتذہ تھے۔ گرامر کا استاد غالباً کل وقتی ہوتا تھا اور اسے یومیہ 8 سیر چاول ملتا تھا۔

چنگلپیٹ کے تروور پور میں تیرہویں صدی میں ایک بڑی گرامر کی پاٹھ شالہ تھی جو کہ مقامی شیو مندر سے متصل ایک بڑے ہال میں واقع تھی۔ اس پاٹھ شالہ کے لئے عطا کی ہوئی 400 ایکٹر زمین تھی اور اس کا وجود چودھویں صدی تک تھا۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے اضافی ٹیکس کا بدوبست بھی کیا گیا تھا۔

آندھرا میں گنٹور علاقے کے ملک پورم میں 1268 عیسوی کے ایک کتبہ سے ایک کمپلکس کا پتہ چلتا ہے جو ایک مندر، ایک پاٹھ شالہ، ایک اسپتال اور ایک ہاسٹل پر مشتمل ہے۔ اس پاٹھ شالہ میں آٹھ اساتذہ تھے۔ تین ویدوں کے لئے اور پانچ گرامر، ادب، منطق اور آگماس کے لئے۔ اسپتال کا ایک ڈاکٹر انچارج تھا۔ ملک پور مندر پاٹھ شالہ کے ہر استاد کو یومیہ اجرت کے طور پر دو Puttis زمین ملتی تھی، یہ مندر کے بڑھئی اور ڈھولچی کو ملنے والی زمین سے دوگنی تھی۔

اے ایس الٹیکر نے واضح کیا ہے کہ 900-1400 عیسوی میں دکن میں اس طرح کی اور بہت سے مندر اور پاٹھ شالائیں تھیں۔ مثال کے طور پر ہبل میں 10 صدی میں بھجیشور مندر کے دھارواڑ مٹھ کے پاس دیکھ بھال اور طلبا کی تعلیم کے لئے 200 ایکٹر زمین عطیہ کے طور ملتی تھی۔ آندھرا کے نگئی میں مندر کی سنسکرت پاٹھ شالہ میں 200 طلبا کو وید، 200 کو اسمرتی، 100 کو رزمیہ اور 52 طلبا کو فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کی لائبریری میں چھ لائبریرین تھے۔ 1075 عیسوی میں بیجا پور کے ایک مندر کو سنیاسیوں کو کھانا اور کپڑا فراہم کرنے کے لئے 1200 ایکٹر زمین عطیہ کے طور پر ملی تھی۔ اس سے یوگیشور پنڈت کے قائم کردہ میمانسا اسکول کے طلباء کی دیکھ بھال ہوتی تھی۔ جنوبی ہند کے مندرجہ ذیل مندر پاٹھ شالاؤں کے ریکارڈ بھی دستیاب ہیں۔ بیجا پور کا منا گولی گرامر اسکول کو 20 ایکٹر زمین عطیہ مین ملی تھی اور یہ بارہویں صدی کے نصف آخر میں تھا۔ اسی دور میں کرناٹک کے بیل گام میں دکشینور مندر میں ایک پاٹھ شالہ تھی۔ ستموگا کے تالگنڈہ میں مقامی پرنیشور مندر میں 1158 عیسوی میں ایک پاٹھ شالہ تھی جس میں 48 طلباء کو رگ وید، یجروید اور شام وید، پربھاکر میمانسا، فلسفہ اور لسانیات میں تعلیم دی جاتی تھی۔ پاٹھ شالہ میں دو باورچی ہوتے تھے۔ تنجور کے پناویل میں مندر سے ملحقہ ایک گرامر پاٹھ شالہ تھی جس کے پاس 400 ایکٹر زمین تھی۔ الٹیکر کے مطابق ”جنوبی ہند کے کتبوں 571,667,604 اور 695 میں تمل مملکت میں موجو مختلف مندر پاٹھ شالاؤں میں اساتذہ کی تنخواہوں اور تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی رہائش کے لئے مختلف گرانٹ کا ریکارڈ ملتا ہے۔ اس زمانے میں مندر انتظامیہ کے ذریعہ سنسکرت اسکولوں اور پاٹھ شالاؤں کے بندوبست کی مثالیں مخصوص نوعیت کی ہیں۔ اس طرح کی بہت سی پاٹھ شالائیں رہی ہونگی جن کے بارے میں کچھ بھی نہیں تحریر کیا گیا۔ اٹھارویں صدی تک جنوبی ہند کے تقریباً سبھی مراکز میں سنسکرت اسکول یا پاٹھ شالائیں ہوا کرتی تھیں۔ دراصل پورا ملک اسی طرح کی پاٹھ شالاؤں سے آراستہ تھا۔

الٹیکر کی دلیل ہے کہ شمالی ہند کے اہم مندروں اور گاؤوں میں اسی طرح کا نظام رہا ہوگا لیکن وقت کے ساتھ ان میں سے بیشتر ختم ہوگئے۔

جنوبی ہند میں درس و تدریس کے قدیم مراکز کی ایک الگ زمرے کی تشکیل اگرہرا گاؤوں کی شکل میں ہوئی۔ کڈ پور اگرہرا (ضلع دھارواڑ کے کالاز) میں جسے دسویں صدی میں راشٹرکٹ انتظامیہ نے اگرہرا گاؤں بنایا تھا، 200 برہمن وید گرامر، پران، منطق، سیاست، ادبی ترکیبوں سے متعلق سائنس اور تبصرہ لکھنے کے فن کی تعلیم دیتے تھے۔ اساتذہ کی تنخواہوں کے لئے فنڈ تھا اور گاؤں میں غالباً غریب طلبا کے لئے کھانے پینے کا بندو بست کیا جاتا تھا۔

مندر پاٹھ شالاؤں اور اگرہرا سے متعلق شواہد غیر معمولی ہیں۔ یہ جنوبی ہند اور غالباً شمالی ہند میں بھی گاؤں کی سطح پر تعلیمی اداروں کے ایک بہترین نیٹ ورک کا پتہ دیتے ہیں۔ شمالی ہند میں اس دور کے مٹھ تعلیمی رول ادا کرتے تھے۔ راجستھان کے چتوڑ اور کوٹہ کے درمیان بینال میں مندروں کے احاطے میں اسی طرح کے ایک مٹھ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

امت کوشک/ رادھیکا رائے

ہندوستان میں
تعلیم کو پیشہ ورانہ رخی بنانا

اقتصادی اور مالیاتی پالیسیاں ایسی ہونی چاہئے جن سے نہ صرف ترقی کو فروغ ہوسکے بلکہ ملازمت کے مواقع بھی پیدا ہوسکیں تاکہ مختلف کورس پاس کرنے والے نوجوانوں کو روزگار کا موقع مل سکے۔ خواہ پالیسی ہو، تعلیمی ادارے ہوں یا ریگولیشن ان سب کو انڈسٹری کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے تاکہ ہنر مندی کی سپلائی اور مانگ میں توازن برقرار رہے۔

مصنفین بالترتیب سابق سرول سرونٹ' این آئی آئی یو واجیوتی میں ڈیزائن اور ڈیولپمنٹ کی سربراہ

ہندوستان میں زمانہ قدیم میں تعلیم صرف چند افراد کے لئے مخصوص تھی۔ برطانوی حکومت کی آمد سے قبل صحیفوں اور تعلیم کی دیگر روایتی شکلیں گروکل روایت کے ذریعہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی تھی، لیکن یہ بالعموم صرف ان لوگوں تک محدود تھی جو برہمن ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ غیر برہمنوں کو عام طور پر علم سے دور رکھا جاتا تھا تاہم خاندانی تجارت یا پیشہ ان کی تربیت کا فطری حصہ تھا۔ اس طرح مختلف تجارت کیلئے جس ہنر کی ضرورت تھی وہ ایک نسل سے دوسرے نسل میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور سماج کی ضرورتوں کے مطابق خاطر خواہ تعداد میں ہنر مند دست کار اور مزدور دستیاب ہوتے۔ اس طرح کے ہنر میں کار آفرینی کے مواقع بھی پیدا ہوئے اور ہنر مند مزدوروں کو ذریعہ معاش کے حصول کے لئے مناسب موقع بھی ملا اور بعض معاملات میں وہ کافی خوشحال بھی ہو گئے۔

صنعتی انقلاب کے بعد دنیا بھر میں تعلیم کی نوعیت تبدیل ہوگئی، کئی ہنر از کار رفتہ ہو گئے اور نئے مواقع مثلاً فیکٹری اور ریلوے میں کام وغیرہ ابھر کر سامنے آئے، جس نے لوگوں کے ذریعہ معاش کا طریقہ بدل دیا۔ ہندوستان میں بدنام زمانہ میکالے نظام تعلیم کے نتیجے میں طریقہ تعلیم میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اس نے حصول تعلیم کا ایک نیا مقصد پیش کیا۔ اسکا مقصد ایسے افراد کا طبقہ تیار کرنا تھا'' جو ہمارے اور ان لاکھوں لوگوں کے درمیان رابطہ کا کام کر سکے، جن پر ہم حکومت کر رہے ہیں، ایک ایسا طبقہ، جن کا خون اور رنگ تو ہندوستانی ہو لیکن جن کا ذوق، خیالات، اخلاقیات اور دانش انگریزوں جیسا ہو۔''

گو کہ فیکٹریوں /انتظامیہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تعلیمی نظام کو تبدیل کر دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ یہ روایتی علوم سے سائنس، ریاضی اور انگلش کی جانب منتقل ہونا شروع ہوا، اور اسے ان لوگوں نے سیکھنا شروع کیا جو سرکار برطانیہ اور وسیع تر ہندوستان کے درمیان رابطہ کا کام کرتے تھے۔ ماقبل آزادی ہندوستان میں اس نے سول سرونٹس، ڈاکٹروں، پروفیسروں اور وکلاء کا ایک نیا اشرافیہ طبقہ جنم دیا۔ یہ اپنے چال ڈھال میں، تعلیم اور ذوق میں ان کروڑوں عام لوگوں سے مختلف تھے جو اب بھی غریب اور غیر تعلیم یافتہ تھے۔ دھیرے دھیرے تعلیم میں یہ تقسیم زیادہ واضح ہونے لگی، کون کتنا پیسے والا ہے، کس اسکول میں تعلیم حاصل کرتا ہے، تعلیم حاصل کرنے کے لئے کس مل میں جاتا ہے اور کس کالج میں داخلہ لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ لوگ جو تعلیم حاصل نہیں کر پائے ان کے پاس اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے مواقع بھی کم تھے۔

نئے آزاد ہندوستان میں مہاتما گاندھی کے دیہی معیشت پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے جواہر لال نہرو کی صنعت کاری سے متعلق پالیسیوں اور اقتصادی پالیسیوں پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اس کے لئے آئی آئی ٹی اور آئی آئی ایم اور انجینئرنگ اور میڈیکل کالجوں جیسے اعلی تعلیمی اداروں کے قیام پر خاص پر زور دیا گیا، جس نے صنعت کاری کی جانب تیزی سے قدم بڑھانے والے ملک کے

لئے گریجویٹ تیار کرنے شروع کردئے۔اس عمل میں اسکول اور ووکیشنل ایجوکیشن پیچھے چلے گئے۔ 1950 سے 1960 کی دہائی کے درمیان ہم نے کہیں زیادہ ڈاکٹر اور انجینئر تیار کئے۔ جب کہ ناخواندہ افراد کی تعداد 294.2 ملین سے بڑھ کر 325.5 ملین ہوگئی۔

ایک لحاظ سے یہ انفراج بھی ادارہ جاتی تھا۔اعلی تعلیم وزارت تعلیم (جیسا یہ اس وقت تھا) کی توجہ کا شعبہ بنا جب کہ اسکل ایجوکیشن اور لیبر پالیسی وزارت محنت کے ذریعہ ریگولیٹ کی گئی۔اس کے نتیجے میں یہ دونوں شعبے بالعموم ایک ہی وسائل کے لئے مقابلہ آرائی کرتے دکھائی دئے۔تعلیم اور اسکل ڈیولپمنٹ دونوں کو دو الگ الگ شعبوں کی طرح دیکھا گیا۔ جو افراد ذاتی ترقی کے خواہش مند تھے انہوں نے خود کو تعلیم سے جوڑنا شروع کیا اور اسکل یا کام کو نظرانداز کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتی یا نیم صنعتی شعبوں میں کام کرنے والے صرف دو فیصد افراد ہی باضابطہ یا پیشہ ورانہ تربیت یافتہ تھے۔

نئے ملینیم میں اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ یہ انفراج ہندوستان کے مستقبل پر تباہ کن اثرات مرتب کرسکتا ہے۔ ہندوستان کی بہت بڑی آبادی کے فوائد اور مواقع کو، ملک کو ایک اہم معیشت بنانے میں استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو روزگار کے لائق بنانے کے لئے ان میں مناسب مہارت پیدا کی جائے تاکہ یہ ملک کی معیشت میں افرادی قوت کے علاوہ عالمی ورک فورس کے طور پر تعاون دے سکیں۔ڈاکٹر سی کے پرہلاد نے 2007 میں اپنے مشہور ویزن آف انڈیا ایٹ 75 مضمون میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے ملک کے رہنماؤں کو بتایا تھا کہ ہندوستان نہ صرف ابھرتی ہوئی ورلڈ آرڈر کی صورت گری کرے گا اور نہ صرف اپنی قسمت کو تبدیل کرے گا بلکہ اقتصادی ترقی، ٹکنالوجی، اختراعات اور اخلاقی قیادت سے دنیا کی قسمت بھی بدل سکتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ہندوستان کو دنیا بھر کے لوگوں کے لئے ایک اخلاقی آواز بننا چاہئے اور ہندوستان اپنی تکثیریت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اس مدت کے دوران تعلیم اور اسکل کو ایک ساتھ جوڑنے کے سلسلے میں متعدد اقدامات سامنے آئے۔مثال کے طور پر قومی اسکل پالیسی 2009 نیز نیشنل اسکل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (این ایس ڈی سی)، نیشنل اسکل ڈیولپمنٹ ایجنسی (این ایس ڈی اے) نیشنل اسکل کوالیفکیشن فریم ورک (این ایس کیو ایف) کا قیام اور سیکٹر اسکل کونسلوں کا قیام۔

بالخصوص این ایس کیو ایف ایک اہم پہل ہے کیوں کہ یہ رسمی اور غیر رسمی تعلیم کو فروغ دے کر تعلیم اور اسکل کے درمیان ضروری ارتکاز کے لئے فریم ورک فراہم کرتا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ مستقبل میں کیریئر کی

حکومت ہند نے عالمی یوم نوجوانان کے موقع پر 15 جولائی 2015 کو نیشنل اسکل ڈیولپمنٹ مشن بھی شروع کیا۔اس مشن کا مقصد اسکل انڈیا مہم کو فروغ دینا اسکل ٹریننگ کی سرگرمیوں کے سلسلے میں تمام سیکٹروں اور ریاستوں کے درمیان ارتکاز پیدا کرنا ہے۔اب تک 249 ٹریننگ پارٹنرس اور 3222 ٹریننگ مراکز ہیں جن کے ذریعہ 55,70,476 افراد تربیت حاصل کرچکے ہیں اور ان میں سے 23,88,009 افراد کو ملازمت مل چکی ہے۔

ترقی کے لئے غیر رسمی ہنرمند افراد کی تیاری کے لئے بھی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔اگر اسے اپنے طے شدہ اہداف کے مطابق نافذ کیا جائے تو تعلیم اور اسکل کے درمیان تعلقات میں ڈرامائی طور پر تبدیل آسکتی ہے۔آج ریکاگنیشن آف پرائر لرننگ (آر پی ایل) اور اسکولوں اور کالجوں میں پیشہ ورانہ تعلیم کے سلسلے میں متعدد تجربات کئے جارہے ہیں جسے ترمیم شدہ قومی پالیسی برائے اسکل ڈیولپمنٹ اور انٹر پرینیورشپ 2015 کا معیار طے کیا گیا ہے۔

ملک میں جاری ہنرمندی کے فروغ کے متعدد اقدامات کو مربوط کرنے کے لئے وزارت برائے اسکل ڈیولپمنٹ اور انٹرپرینیورشپ (ایم ایس ڈی ای) کا قیام اور میک ان انڈیا اور اسکل انڈیا جیسی مہم سے تعلیم اور اسکل کے درمیان تعلقات کوئی توانائی ملے گی۔ ہنرمندی کو تسلیم کرنے میں انڈسٹری کی شراکت اور ہنر حاصل کرنے کے تئیں نوجوانوں میں دلچسپی آنے والے دنوں میں کافی سود مند ثابت ہوں گے۔نئی ٹکنالوجی کے استعمال، مسائل کو حل کرنے، تجزیہ کرنے اور انٹر پرینیورشپ کے نتیجے میں اسکولوں کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت پڑے گی اور اس سے صنعت اور تعلیم کے درمیان پہلے سے کہیں زیادہ تال میل کے دروازے کھلیں گے۔

حکومت ہند نے عالمی یوم نوجوانان کے موقع پر 15 جولائی 2015 کو نیشنل اسکل ڈیولپمنٹ مشن بھی شروع کیا۔اس مشن کا مقصد اسکل انڈیا مہم کو فروغ دینا اسکل ٹریننگ کی سرگرمیوں کے سلسلے میں تمام سیکٹروں اور ریاستوں کے درمیان ارتکاز پیدا کرنا ہے۔اب تک 249 ٹریننگ پارٹنرس اور 3222 ٹریننگ مراکز ہیں جن کے ذریعہ 55,70,476 افراد تربیت حاصل کرچکے ہیں اور ان میں سے 23,88,009 افراد کو ملازمت مل چکی ہے۔اس کے علاوہ بھی مختلف وزارتوں کے تحت کئی دیگر مشن اور اسکیمیں چلائی جارہی ہیں مثلاً (شہری اور دیہی علاقوں کے غریبوں کو اسکل ٹریننگ دینے کے لئے) دین دیال انت ادے یوجنا، ڈیجیٹل انڈیا اور میک ان انڈیا مہم۔ یہ تمام اقدامات اسکل ڈیولپمنٹ کی حوصلہ افزائی کے لئے ہے تاکہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے ذریعہ ہی مصنوعات تیار کئے جاسکیں۔

گوکہ حکومت نے اسکل ٹریننگ، اسسمنٹ اور سرٹیفکیشن، بالخصوص نوجوانوں کے لئے، پر خصوصی توجہ دی ہے تاہم اس کے ساتھ ساتھ مانگ کے پہلو پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔جتنی زیادہ تعداد میں ہنرمند افراد دستیاب ہوں گے ان کی ملازمت کے لئے اتنے ہی مواقع کی بھی ضرورت ہوگی، جو معیشت کی ترقی پر منحصر کرے گا۔ اقتصادی اور مالیاتی پالیسیاں ایسی ہونی چاہئے جن سے نہ صرف ترقی کو فروغ ہوسکے بلکہ ملازمت کے مواقع بھی پیدا ہوسکیں تاکہ مختلف کورس پاس کرنے والے نوجوانوں کو روزگار کا موقع مل سکے۔خواہ پالیسی ہو، تعلیمی ادارے ہوں یا ریگولیشن ان سب کو انڈسٹری کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے تاکہ ہنرمندی کی سپلائی اور مانگ میں توازن برقرار رہے۔

☆☆☆

جیتندر ناگپال

نوعمروں کی تعلیم میں نفسیاتی چیلنجز

لفظ 'تعلیم' کا مطلب مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتا ہے۔لیکن تعلیم کا سب سے عام فہم مفہوم ہے مستقل اسکول جانا،تعلیمی نصاب کے مطابق پڑھائی کرنا، امتحانات میں نمبر حاصل کرنا،ایک باضابطہ ڈگری حاصل کرنا،جس کی بنیاد پر اسے انجینئر، ڈاکٹر، بزنس پروفیشنل وغیرہ کے طور پر کام کرنے کی اجازت مل جاتی ہے اور وہ افرادی قوت کار کا حصہ بن سکتا ہے۔اس کے بعد وہ کامیابی کی راہ پر آگے بڑھتا ہے۔گذرتے وقت کے ساتھ تعلیم کی اس تعریف کا ارتقاء ہوا۔اس کا اظہار مارک ٹوئن کے ان الفاظ سے ہوتا ہے''میں نے اپنی تعلیم کی راہ میں اپنی اسکول کی تعلیم کو کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔''

اسکولوں سے اب صرف یہ توقع نہیں کی جاتی ہے کہ وہ صرف پڑھنا،لکھنا اور ہجے سکھائیں گے۔آج کے زمانے کا ہر اسکول اس بات پر فخر اور دوسرے اسکولوں سے اپنے آپ کو ممتاز کرتا ہے کہ وہ اپنے طلبہ کی کارکردگی، ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے، بہتر فیصلہ سازی کی خوبیوں سے آراستہ کرنے نیز اختلافات کو حل کرنے اور بااختیار بنانے کے لئے کتنے مواقع فراہم کر رہا ہے۔

''تعلیم پسند کرنے کا ذریعہ ہے، لوگوں کو ان کی پسندیدگی کے بارے میں آگاہ کرنا اور انہیں ان کی پسند کے استعمال کا اہل بنانا۔''اس جامع فلسفہ کو سامنے رکھتے ہوئے اسکول تعلیم دینے،ٹکنالوجی سے آراستہ کرنے اور ان کے سیکھنے کے رویوں اور ہنر میں معاون ثابت ہونے والے چیلنجنگ اور دلچسپ نصاب پڑھانے کے طریقہ کار کو تبدیل کر رہے ہیں۔رٹنے اور طوطے کی طرح یاد کرنے کے بجائے اب نظریاتی تفہیم اور اطلاقی علم پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔

تعلیمی نظام میں وسعت کے مدنظر اب یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس سے اصل استفادہ کرنے والا یعنی طالب علم میں بھی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔طلبہ اب محض کٹھ پتلی نہیں رہ گئے ہیں، وہ اب ٹیچر کے علم اور مجوزہ نصابی کتابوں تک خود کو محدود نہیں رکھتے ہیں۔ان صرف اسکول ہی علم کے مرکز نہیں رہے بلکہ انہیں انٹرنیٹ سے سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔آج حصول علم کے طلب گاروں کے پاس اطلاعات تک وسیع رسائی ہے اور گو کہ ٹیچر انہیں اطلاعات کے حصول میں مددگار ثابت ہوتے ہیں تاہم طلبہ اب صرف انہیں ہی علم کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔ٹیچنگ کو اب ایک طرح سے معاونت کا رول ادا کرنا چاہئے۔یہ بات خاص طور پر ان بچوں کے لئے زیادہ اہم ہے جو نوعمری کے دور میں قدم رکھ رہے ہیں یا جو پرائمری سے مڈل اسکول میں جا رہے ہیں۔

نوعمری بچپن سے بلوغت کی جانب منتقل ہونے کا وقفہ ہے۔نوعمری میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اول انفرادی شخصیت کا فروغ اور دوم یگانگت کی صلاحیت۔کسی نوعمر کے لئے انفرادی شخصیت کی تعمیر اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔پیدائش سے لے کر نوعمری تک وہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے تانے بانے جوڑتا ہے۔اس میں والدین، دوستوں، بااثر اساتذہ اور دیگر بڑے افراد، اپنے ہم عمروں، مخصوص طبقہ، تاریخی روایات، نسلی یا مذہبی گروپ بندی، صنفی شناخت وغیرہ کے ساتھ اپنی شناخت شامل ہے۔یہ تمام چیزیں نوعمری میں آ کر مل جاتی ہیں اور ایک مستحکم کیریکٹر بنانے میں مدد کرتی ہیں جو آگے چل کر اس کی بنیادی شناخت بنتی ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے''میں کون ہوں؟''''میں کہاں فٹ بیٹھتا ہوں؟''''مستقبل میں میں کیا بنوں گا؟''آج کسی فرد کو اپنی شناخت کی تعمیر کے لئے متبادل موجود ہیں۔یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ یہ پیش رفت بلوغت کے جذباتیت سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور یہ نوعمروں کو شدید احساسات اور اپنے ہم عمر گروپ میں نئے سماجی دباؤ کا سامنا کرنے کے لئے ایک مضبوط ذریعہ فراہم کرتی ہے۔ابتدائی نوعمری کے دور میں ہم عمر گروپ نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔اسکا سبب یہ ہے کہ اس عمر میں نوعمر اپنے والدین کے بجائے اپنے ہم عمر گروپ کے ساتھیوں کے زیادہ قریب آتے ہیں اور اپنی انفرادی شناخت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نوعمری یعنی 19-10 سال عمر کے گروپ کے افراد کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ اور ہندوستان کی آبادی کا قریب ایک چوتھائی ہے۔ان کی ضروریات نہایت مخصوص اور الگ نوعیت کی ہیں، جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ان کی ضرورتوں کو پورا کر کے ہم نہ صرف ملک کی سماجی و اقتصادی ترقی میں تعاون کرتے ہیں بلکہ سماجی ہم آہنگی، صنفی مساوات اور آبادی کے استحکام جیسے دیگر سماجی معاملات میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

یہی دور درحقیقت تخلیقیت، آئیڈیلزم، امیدوں اور ایڈونچر سے دلچسپی کا دور ہوتا ہے۔لیکن یہی دور تجربات

ایکسپریشن آف انڈیا کے پروگرام ڈائریکٹر۔
jnagpall0@gmail.com

کرنے اور خطرات مول لینے، ہم عمر گروپ کے منفی دباؤ کا شکار ہوجانے، اہم مسائل، بالخصوص اپنے جسم اور سیکس کے سلسلے میں بلا سوچے سمجھے فیصلہ کر لینے کا بھی ہوتا ہے۔ نوعمران چیلینجز کا کیسے سامنا کرتے ہیں یہ بہت کچھ ان کے ماحول پر منحصر کرتا ہے۔لہذا نوعمری کسی بھی شخص کی زندگی میں ایک اہم موڑ ہوتا ہے، ڈھیر سارے امکانات کا دور لیکن خطرات سے پر۔

گھر سے باہر اسکول ان جگہوں میں سے ایک ہے جہاں بچے نئے علم اور نئی معلومات اور ہنر حاصل کرتے ہیں اور ایک تعمیری اور اہل شہری بنتے ہیں، جو آگے چل کر اپنی کمیونٹی کی ترقی اور خوشحالی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔صحت کو فروغ دینے والا اسکول وہ اسکول ہے جہاں تعلیم اور صحت سے متعلق پروگرام ایک خوشگوار اور خوشنما ماحول میں روبہ عمل لائے جاتے ہیں۔کیا بچوں کو اس طرح کے ماحول کا حق نہیں ہے؟

بیشتر سرکاری اسکولوں میں نہ تو کوئی کاؤنسلر ہوتا ہے اور نہ ہی سماجی کارکن، اس کے باوجود ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے طلبہ کی ذہنی صحت کے مسائل کو زیادہ سے زیادہ حل کریں۔اس کے علاوہ اسکولوں میں ایک دوسرے کو تنگ کرنے اور پرتشدد جھگڑوں کے واقعات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔

گذشتہ دہائی میں اسکول مینٹل ہیلتھ میں اسکولوں میں ہونے والے تشدد کے واقعات، جنسی طور پر ہراساں کرنے، تنگ کرنے، منشیات کے استعمال، امتیازی سلوک اور صحت مند ڈسپلن کو بھی شامل کر لیا گیا۔ماڈرن اسکول کنسلٹیشن میں فرد کے معاملات کی جلد شناخت اور ان کے حل پر زیادہ دی جاتی ہے اور ایسے اقدامات کئے جاتے ہیں جن سے بچوں کی مجموعی شخصیت پر کوئی طویل مدتی منفی اثر نہ پڑے۔

ہندوستان میں بچوں اور نوعمروں کی دماغی صحت کی صورت حال

آئی سی ایم ار کے ایک مطالعہ (2005) کے مطابق بچوں اور نوعمروں میں دماغی صحت سے متعلق بیماریوں کی شرح 14-12 فی صد ہے۔جدول 1 میں دیکھا جاسکتا ہے کہ 5-0 کے عمر گروپ میں بچوں کی سب سے زیادہ تعداد (33 فی صد) میں ہائپر کائنیٹک سنڈروم پایا گیا۔عمر گروپ 11-6 میں ہسٹیریکل نیوروسس، ہائپر کائنیٹک سنڈروم اور کنڈکٹ ڈس آرڈر سب سے زیادہ عام ہے۔ 16-12 برس عمر گروپ کے بچوں میں سائیکوسس، ہسٹیریکل نیوروسس اور کنڈکٹ ڈس آرڈر کا مرض عام طور پر پایا گیا۔سائیکوسس اور کنڈکٹ ڈس آرڈر کے معاملات لڑکوں میں زیادہ پائے گئے جب کہ ہسٹیریکل نیوروسس کی بیماری عمومی طور پر لڑکیوں میں پائی گئی۔15-0 برس کے عمر کے بچوں میں مائلڈ مینٹل ریٹارڈیشن کی شرح 22 فی صد تھی جب کہ 11-6 برس کے عمر گروپ کے بچوں میں یہ 19 فی صد اور 16-12 برس عمر کے گروپ کے بچوں میں یہ 6 فی صد تھی، جنہیں نفسیاتی شفاخانوں یا چائلڈ گائیڈنس کلینک سے رجوع کرنا پڑا تھا۔

بچوں کی بڑھتی ہوئی عمر کے مسائل اور طلبہ کی ذہنی صحت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے صحت کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے اور اسکولوں کو صحت کے فروغ کا ایک فریم ورک اپنانا ہوگا۔صحت کو فروغ دینے والے کسی اسکول کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

☆ ایسا اسکول جو رہنے، سیکھنے اور کام کرنے کے لحاظ سے صحت مند ماحول کی اپنی صلاحیت میں مسلسل مستحکم کرتا ہو۔

☆ جو صحت کے امور پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہو اور موت، بیماری اور معذوری جیسے واقعات کے سلسلے میں اسکول کے بچوں، اسٹاف، فیملی اور کمیونٹی کو آگاہ کرتا ہو۔

☆ ایسے امور پر ٹھوس فیصلے کرتا ہو جو صحت کو متاثر کرنے والے ہوں اور ایسے حالات پیدا کرتا ہو جو صحت کے موافق ہوں (ڈبلیو ایچ او۔2008)

اسکول ہیلتھ پروگرام کے اجزاء

☆ اسکول کا ماحول جو محفوظ ہو۔

☆ ترتیب وار ہیلتھ ایجوکیشن کا نصاب ہو۔

☆ ترتیب وار فزیکل ایجوکیشن کا نصاب ہو۔

☆ نیوٹریشن سروسز پروگرام ہو۔

☆ سوشل ہیلتھ سروسز پروگرام ہو۔

☆ کاؤنسلنگ، سائیکولوجیکل اور سماجی خدمات ہوں۔

☆ خاندان اور کمیونٹی کی شمولیت والے مربوط پروگرام ہوں۔

☆ اسٹاف ہیلتھ پروموشن کی پالیسی ہو۔

اسکولوں میں دماغی صحت کے لئے ضروری پروگرام کے اقسام

1۔دماغی صحت کا فروغ۔ بیدار اور لچک دار بنانا۔

2۔ہمہ جہت اور مخصوص روک تھام۔خطرات اور متاثر ہونے کے امکانات کو کم کرنا اور حفاظتی طریقہ کار کی تعمیر۔

3۔روک تھام اور ابتدائی لائحہ عمل۔ایسے بچوں کے لئے جن میں مرض کی ابتدائی علامت دکھائی دے

اسکولوں میں دماغی صحت کے پروگراموں کا خاکہ

لیول I سے IV کو پرائمری، سیکنڈری اور ثانوی

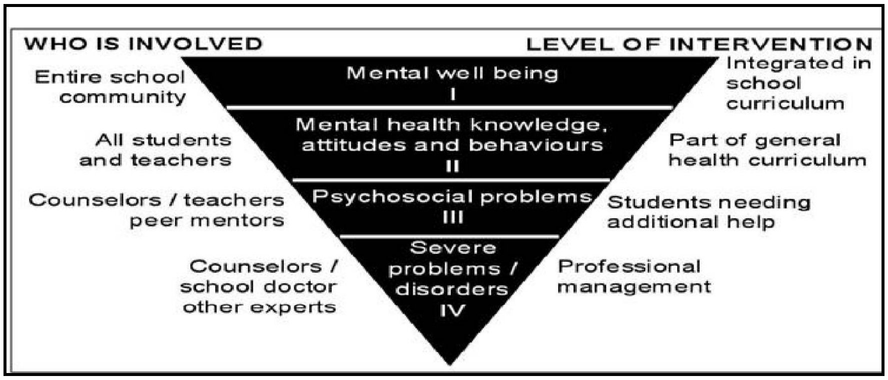

تدارکی اقدامات سے مربوط کئے جاسکتے ہیں۔پرائمری روک تھام اور صحت کا فروغ (لیول I اور لیول II) میں صحت مند اور غیر صحت مند حالات پر توجہ دی جائے گی جس کا مقصد صحت مند رویوں کو فروغ دینا اور امراض پیدا ہونے سے روکنا ہے۔سیکنڈری روک تھام (لیول III) میں امراض کے خلاف تحفظ فراہم کرنے کے لئے زیادہ امکانی خطرات والے افراد کی مخصوص آبادی کو ہدف بنایا جائے گا۔ثانوی روک تھام (لیول IV) میں ایسے افراد کو ہدف بنایا جائے گا جن میں امراض پیدا ہو چکے ہوں ۔اسکا مقصد مرض کا علاج کرنا، مرض سے ہونے والے نقصانات کو دور کرنا اور مریض کو بچانا ہے۔

نفاذ کے لئے بنیادی ہدایات

1۔ماحولیات پر مرکوز اپروچ

اس اپروچ کا مقصد اسکول کے تعلیمی ماحول کو بہتر بنانا اور بچوں کو اسکول کے صحت مند پروگرام کا استعمال کرنے کے مواقع فراہم کرنا ہے۔مثبت دماغی صحت ماحول میں اسکول میں گذارا جانے والا وقت، کھیل کے میدان کی سرگرمیاں، اسکول کا فزیکل اسٹرکچر اور کلاس روم کا ڈیکوریشن شامل ہیں۔اس طرح کے پروگرام کے تحت اسٹاف، طلبہ اور والدین کے درمیان ربط اور سمجھ بوجھ کو بہتر بنانے کے لئے مربوط، باہمی تعاون پر مبنی اقدامات کئے جاتے ہیں۔یہ پروگرام ہر شخص کے اندر اپنائیت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

2۔بچوں پر مرکوز اپروچ

بچوں پر مرکوز اپروچ میں دماغی صحت کے سلسلے میں انفرادی مشاورت اور مخصوص مسائل کو حل کرنے کے اقدامات کے علاوہ اسکل، سوشل سپورٹ اور خود اعتمادی کو بہتر بنانے کے لئے عمومی کلاس روم پروگرام شامل ہیں۔

نوجوانوں کو بااختیار بنانے کے لئے ہر ملک، سماج اور کمیونٹی کو ایک بہتر ماحول کی تعمیر اور فروغ کے لئے کام کرنا ہوگا۔جب نوعمر علم، رویہ، اقدار، لائف اسکل سے آراستہ ہوتے ہیں تو وہ مختلف صورتوں میں اس سے مستفید ہوتے ہیں۔لائف اسکل نوعمروں کو سمجھ بوجھ کر فیصلہ کرنے، مسائل کو حل کرنے، ناقدانہ اور تخلیقی انداز میں غور کرنے، موثر انداز میں بات چیت کرنے، صحت مند رشتے استوار کرنے، دوسروں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اپنانے اور اپنی زندگی میں درپیش مسائل کو صحت مند اور مثبت انداز میں حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔اس طرح کی معلومات اور اسکل سے ایسے رویوں کا فروغ ہوتا ہے جو نوجوان افراد کو بیماریوں اور نقصانات کی روک تھام، صحت مند تعلقات قائم کرنے اور قائدانہ رول ادا کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔اسکول بچوں میں سماجی اور جذباتی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں جتنا زیادہ سرگرم رول ادا کریں گے وہ بچوں کو حفاظتی حصار فراہم کرنے میں اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوں گے ۔اسکول دماغی صحت پروگرام سیکھنے اور دماغی صحت مندی کے پروگرام کو بہتر بنانے اور ذہنی بیماریوں پر بہتر انداز میں قابو پانے کے لئے بہتر پروگرام ہیں۔

تین عمر گروپ کے بچوں میں پائے جانے والے ایکسس I کا پیٹرن

نمبر شمار	ڈائیگنوسٹک	صفر تا 5 سال (این۔188)		6 تا 11 سال (این=632)		12 تا 16 سال (این=1015)	
		نمبر	فی صد	نمبر	فی صد	نمبر	فی صد
1	فیرپچوزز	4	2.1	45	7.1	412	40.0
2	ہسٹریکل نیروسس	3	1.6	142	22.5	274	27.0
3	کنڈکٹ ڈس آرڈر	12	6.4	83	13.1	72	7.1
4	ایموشنل ڈس آرڈر آف چائلڈہوڈ	8	4.3	39	6.2	50	4.9
5	ہائپرکائینیٹک سنڈروم آف چائلڈہوڈ	62	33.0	92	14.6	9	0.9
6	ایزسس	3	1.6	39	6.2	19	1.9
7	اسٹیمرنگ اور اسٹوٹرنگ	5	2.7	33	5.2	25	2.5
8	اسپیسیفک ڈس آرڈرس آف سلیپ	2	1.1	8	1.3	14	1.4
9	فیزیکالوجیا (ٹینشن ہیڈایک)	0	0	12	1.9	10	1.0
10	اکیڈمک پروبلم (اسکولاسٹک بیکورڈنیس	1	0.5	46	7.3	20	2.0
11	ایڈجسٹمنٹ ری ایکشن	3	1.6	5	0.8	10	1.0
12	دیگر	10	5.32	30	4.7	50	4.9
13	نوفیزیکیاٹرک ڈائیگوسٹک ان آکسس 1	75	39.3	58	9.2	50	4.9

☆☆☆

اشوک جھن جھن والا

تعلیم، تحقیق اور ترقی

کا 'میک ان انڈیا' مشن سے تعلق

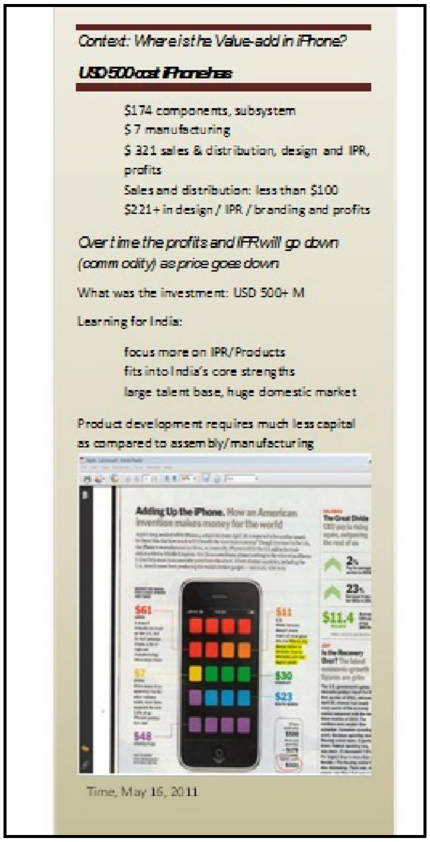

ہندوستان 'میک ان انڈیا' مشن پر رواں دواں ہے۔اس مشن کا مقصد ہے کہ اقتصادی ترقی کے نتیجے میں چونکہ اس کی صنعتی ضرورتوں میں اضافہ ہوگا' لہٰذا اس کی اتنی بڑی آبادی صرف اور صرف برآمدات پر منحصر نہ رہے۔اسی کے ساتھ میک ان انڈیا مشن سے یہ توقع بھی ہے کہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا ہوں گے جو کہ زراعت سے دوسرے پیشوں کی طرف لوگوں کی بڑی تعداد میں منتقلی کی وجہ سے ناگزیر ہوگیا ہے۔گذشتہ بیس برسوں کے دوران معیشت میں ترقی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ہندوستان کے لئے ہر طرح کی اشیاء کی درآمدات پر انحصار بھی کافی بڑھتا جارہا ہے۔ایک طرف جہاں درآمدات پر آنے والی لاگت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے وہیں دوسری طرف اقتصادی ترقی کے باوجود آبادی کے لئے صنعتی روزگار میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوسکا ہے۔ اس صورت حال کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

پروفیسر آئی آئی ٹی مدراس۔
ashok@tenet.res.in

اس مقصد کے حصول کے خاطر میک ان انڈیا کے لئے اہم عناصر

تاہم چوں کہ ہم مینوفیکچرنگ پر توجہ مرکوز کررہے ہیں اس لئے اس بات پر کافی توجہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح کی مینوفیکچرنگ ان مقاصد کو پورا کرسکے گی۔اس صفحہ پر جو نقشہ دیا گیا ہے وہ آج کی دنیا کے سب سے کامیاب پروڈکٹ میں سے ایک یعنی آئی فون کے مختلف پہلوؤں کو بتاتا ہے۔یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک عام آئی فون کے لئے صارف کو 500 امریکی ڈالر ادا کرنے پڑتے ہیں، جب کہ اس کی مینوفیکچرنگ پر صرف 7 امریکی ڈالر کی لاگت آتی ہے۔ 174 ڈالر اس کے آلات اور ذیلی سسٹم پر اور 321 ڈالر کی بڑی رقم اس کے ڈیزائن اور آئی پی آر نیز سیلس اور ڈسٹری بیوشن پر خرچ ہوتے ہیں۔اگر یہ قیاس کیا جائے کہ 321 ڈالر کا 50 فی صد بھی ڈیزائن اور آئی پی آر پر خرچ ہوتا ہے تب بھی یہ فائنل مینوفیکچرنگ لاگت کے مقابلے 23 گنا زیادہ ہے۔حالاں کہ یہاں جو مثال دی گئی ہے وہ ایک الیکٹرانک پروڈکٹ کے سلسلے میں ہے اور دیگر مصنوعات پر اس کا اطلاق اسی طرح نہیں ہوسکتا تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج کسی بھی پروڈکٹ پر آنے والی لاگت کا بہت بڑا حصہ ڈیزائن اور آئی پی آر پر خرچ ہوتا ہے۔دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ میک ان انڈیا مشن میں ڈیزائن اور آئی پی آر جنریشن نیز مینوفیکچرنگ کو بھی شامل کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ دونوں مقاصد حاصل کئے جاسکیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ایسا کرنے کی صورت میں ہی ہندوستان میں تیار ہونے والے کسی پروڈکٹ کی اہمیت میں اضافہ ہوگا اور درآمدات پر آنے والی لاگت میں کمی آئے گی۔اور اس کے بعد ہی میک ان انڈیا پروگرام میں قابل ذکر تعداد میں ہندوستانی عوام کی شمولیت یقینی بنائی جاسکے گی۔

ہندوستان اپنی ڈیزائن صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاسکتا ہے

خوش قسمتی سے گذشتہ 30 برسوں سے زیادہ عرصے سے ہندوستان پروڈکٹ کی ڈیزائننگ میں بہت اچھا کررہا ہے۔دنیا میں ڈیزائن کا جو کام ہوتا ہے اس کا ایک خاصا بڑا حصہ ہندوستان میں ہورہا ہے لیکن یہ کام بڑی حد

تک ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لئے سروس ورک کے طور پر ہوتا ہے۔ان تمام کمپنیوں نے آج ہندوستان میں اپنے اپنے ڈیزائن سینٹر قائم کررکھے ہیں، ان کے علاوہ ہندوستانی کمپنیاں بھی ہیں، جو ان کمپنیوں کو ڈیزائن سروس فراہم کرتی ہیں۔اس کے نتیجے میں گو کہ ہندوستان میں ڈیزائن کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے تاہم یہ ہندوستانی ملکیت والی آئی پی آر یا ہندوستانی پروڈکٹس کے لئے نہیں ہوتا۔پروڈکٹس کی تیاری اور ان کی کمرشیلائزنگ میں ہندوستان نے اپنی صلاحیتیں نہیں آزمائی ہیں۔اس کے لئے اعتماد، سرمایہ کاری، ہندوستان اور بیرون ملک اپنے مصنوعات کی مارکیٹنگ کرنے اور دنیا میں کسی بھی بہترین پروڈکٹ کے ساتھ مسابقت کرنے کی ضرورت ہے۔اس سلسلے میں کسی حد تک استثنائی صورت حال صرف دفاع، خلاء اور اٹامک انرجی جیسے اسٹریٹجک سیکٹر ہیں، جہاں ڈیزائن ورک بعض اوقات مصنوعات کی شکل اختیار کرپاتے ہیں۔

ہندوستان میں جو پروڈکٹس تیار کئے جائیں گے ان کا یہ فائدہ یہ ہوگا کہ ان کا ملک میں ہی ابتدائی ٹرائل ہوسکے گا اور فیڈ بیک مل سکے گا۔تاہم یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ درآمدات پر مکمل پابندی کے نتیجے میں صارفین کو کم معیار والے اور زیادہ لاگت والے پروڈکٹس ہی مل سکیں گے۔ہندوستان کو ایسے اعلی معیاری پروڈکٹس تیار کرنے ہوں گے جو دنیا کے بہترین پروڈکٹس کا مقابلہ کرسکیں۔ہندوستانی آر اینڈ ڈی کمیونٹی کو یہ ذمہ داری اٹھانی چاہئے۔ہندوستانی بزنس لیڈروں کو ایسے مصنوعات کو مارکیٹ میں لانا چاہئے اور انہیں منافع بخش کاروبار میں تبدیل کرنا چاہئے۔حکومت ایسے پروڈکٹس کی حوصلہ افزائی کرنے کی پالیسی بناکر اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرکے اس کام کو یقینی بناسکتی ہے۔

ہندوستان کی موجودہ کمزوری

ہندوستان نے پچھلے 30 برسوں کے دوران اپنے آپ کو ایک ڈیزائنر کے طور پر ثابت کیا ہے۔

سن اسی کی دہائی کے اوائل میں ہندوستان میں

صرف کوئی 100 انجینئرنگ کالج تھے جہاں سے ہر سال 20,000 سے بھی کم انجینئر تیار ہوتے تھے۔مڈل کلاس ہندوستانیوں کے لئے کوئی راستہ نہیں تھا کیوں کہ ان کے تیز بیٹے اور بیٹیاں انجینئرنگ کرنا چاہتی تھیں لیکن انہیں اس کا موقع نہیں ملتا تھا۔سن اسی کے وسط میں ہندوستان نے پرائیوٹ انجینئرنگ کالج کھولنے کا سلسلہ شروع کیا۔ نوے کے عشرے میں اس میں توسیع ہوئی۔اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں نئے پرائیوٹ کالجوں کے کھلنے کا سلسلہ جاری رہا، اسی کے ساتھ سرکاری کالجوں کو بھی نئی رفتار ملی۔ پہلے جہاں صرف چھ آئی آئی ٹی تھے وہیں اب ان کی تعداد بیس سے زیادہ ہوچکی ہے۔اس کے علاوہ 30 این آئی ٹی ہیں۔آئی آئی آئی ٹی، آئی ایس ای آر اور این آئی ایس ای آر کا قیام عمل میں آیا۔آج پہلے کے مقابلے کہیں زیادہ رقم اعلی تعلیم اور بالخصوص انجینئرنگ کی پڑھائی پر خرچ کیا جارہا ہے۔آج انجینئرنگ کالجوں کی تعداد چار ہزار سے زائد ہوچکی ہے جس میں ہر سال 1.5 ملین طلبہ داخلہ لیتے ہیں۔ایک طرف جہاں تعداد میں اضافہ ہوا ہے وہیں مساوات پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ان کالجوں میں داخلہ لینے والے طلبہ میں سے 25 فیصد خط افلاس سے نیچے رہنے والے گھرانوں کے ہوتے ہیں جب کہ 25 فی صد طلبہ کا تعلق دیہی علاقوں سے ہوتا ہے۔گو کہ تعداد اور مساوات پر توجہ دی گئی ہے تاہم معیار پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔آئی آئی ٹی اور چند دیگر انجینئرنگ کالجوں کو چھوڑ کر دیگر انجینئرنگ کالجوں میں مطلوبہ معیار کا فقدان ہے۔انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت نے اس صورت حال کو درست کرنے کے لئے حالیہ دنوں کئی اقدامات کئے ہیں (ان میں انجینئرنگ ایجوکیشن میں معیار کو بہتر بنانے سے متعلق کمیٹی کا قیام شامل ہے)۔اس بات کا عزم کیا گیا ہے کہ اگلے دس برسوں کے اندر معیار کا مسئلہ حل کرلیا جائے گا۔اس سلسلے میں طلبہ کو پڑھانے میں آئی سی ٹی سے مدد نیز ٹیچر ٹریننگ کی بات کہی گئی ہے۔

انجینئرنگ کالجوں کی اس توسیع نے ہندوستان میں ڈیزائن سروس انڈسٹری کی بنیاد رکھی گو کہ ان گریجویٹس کا معیار کافی اچھا نہیں تھا (جس کی بڑی وجہ نئے کالجوں میں ٹیچروں کا معیاری نہ ہونا ہے) تاہم اس کے باوجود ڈیزائن اور سروس انڈسٹری نے ان نئے گریجویٹس کو ملازمت اور تربیت دی۔دیگر انڈسٹری کے مقابلے یہاں تنخواہیں بھی زیادہ تھیں لہٰذا نئے گریجویٹس کی بڑی تعداد اس طرف ٹوٹ پڑی۔کام کرنے کے لئے کے مناسب ماحول فراہم کئے جانے کی وجہ سے انہوں نے سخت محنت کرکے معیار کی کمی کو دور کرلیا۔چند برسوں میں وہ نسبتاً بہتر ہوگئے۔انڈسٹری جیسے جیسے آگے بڑھی، انڈسٹری کے ذریعہ انجام دی جانے والی سروسز میں بھی توسیع ہوئی اور یہ زیادہ بہتر ڈیزائن سروس تک پہنچ گئی۔

لیکن بدقسمتی سے پروڈکٹس کی ملکیت اور کمرشیلائزنگ کی وجہ سے ہندوستان میں اس کے مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آسکے۔ڈیزائن ورک پوری طرح سروس ورک کے طور پر کیا گیا۔بعض اوقات کوئی پروڈکٹ سامنے آیا بھی لیکن وہ ہندوستان یا دنیا میں کسی جگہ لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کرسکا اور اپنے لئے مارکیٹ نہیں بناسکا۔اس عرصے میں ہندوستانی معیشت میں ترقی ہوئی،

مڈل کلاس صنعتی مصنوعات کا بڑے صارف کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ ان میں سے بیشتر چیزیں درآمد کی گئیں۔ اس لئے اس میں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ ان اشیاء پر ہندوستان کا درآمداتی خرچ مسلسل بڑھ رہا ہے۔

میک ان انڈیا مشن کے تحت ایک کام یہ ہونا چاہئے کہ ان کالجوں کے معیار کو خاطر خواہ طور پر بہتر بنایا جائے تا کہ اس سے پڑھ کر نکلنے والے اپنا تعاون دے سکیں۔ ہر طرح کے اسکل کو ڈیولپ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ یہ انجینئرنگ گریجویٹس ریسرچ اور ڈیولپمنٹ، آئی پی آر تخلیق، ڈیزائننگ، پروڈکٹس کے ڈیولپنگ اور ٹسٹنگ، ماس مینوفیکچرنگ اور کمرشیلائزنگ جیسے کسی بھی کام کو بہ آسانی کرسکیں۔ وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کو یہاں قائدانہ رول ادا کرنا چاہئے۔

ویلوایڈ اور ہندوستان میں پروڈکٹ انڈسٹری

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے پروڈکٹس میں ویلوایڈ (اضافی قدر) درج ذیل امور سے آسکتی ہے۔

1۔ڈیزائن، ڈیولپمنٹ اور آئی پی آر (بشمول سافٹ ویئر)۔2۔کل پرزوں کی تیاری اور ذیلی سسٹم۔ 3۔پیکیجنگ۔۔مینوفیکچرنگ (بشمول اسمبلی اور ٹسٹنگ) 5۔سیلس، مارکیٹنگ اور کمرشیلائزیشن

آئیے دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شعبے میں ہندوستان کہاں ہے۔ کل پرزوں کی (کمپونینٹ) انڈسٹری ہندوستان میں اب بھی کافی کمزور ہے۔ بہت سارے کل پرزے بالعموم درآمد کرنے پڑتے ہیں۔ ان کل پرزوں کی لاگت ان کی مقدار پر منحصر کرتی ہے۔ جب تک ان کل پرزوں کو بڑی مقدار میں تیار نہیں کیا جائے گا ان کی لاگت بہت زیادہ آئے گی۔ ہندوستان میں کمپونینٹ انڈسٹری کے کمزور رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقامی سطح پر پروڈکٹ ڈیزائن اور مارکیٹنگ کمزور ہے۔

مینوفیکچرنگ ایک دہائی قبل تک ہندوستان میں کمزور اور مہنگا تھا لیکن ہندوستان میں ہی ٹیلی کوم ہینڈ سیٹ کمپنیوں اس کو بنانے کی اجازت کی پالیسی کے سبب یہ ایک بڑی اسمبلی انڈسٹری کے طور پر ابھری ہے۔ آٹو انڈسٹری اور الیکٹرانک انڈسٹری بھی اس کی مثالیں ہیں۔ ہندوستان اب خود مینوفیکچرنگ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس سے ہندوستان میں بعض کمپونینٹ انڈسٹری کو مستحکم کرنے میں بھی مدد ملی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے ویلوایڈ کا تعلق ڈیزائن، ڈیولپمنٹ اور آئی پی آر سے ہے۔ ہندوستان

کے پاس اس کی صلاحیت ہے۔ اس صلاحیت کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو پروڈکٹ انڈسٹری کے لئے مناسب ماحول اور بزنس اور آر اینڈ ڈی افراد تیار کرنے چاہئیں۔

آئی پی آر تخلیقی صلاحیت میں ہندوستان کی صورت حال

آئیے ہم پہلے ہندوستان کی آئی پی آر تخلیقی صلاحیت پر غور کرتے ہیں۔ آئی آئی ٹی جیسے ہندوستانی تعلیمی اداروں کے پاس ایسی فیکلٹی اور ریسرچ اسکالرس موجود ہیں جو آئی پی آر تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ گو کہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے تاہم اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انڈسٹری میں بھی ایسے بہت سے افراد ہیں جو اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔ تاہم لیڈر شپ کی ضرورت ہے۔ ہندوستانی تعلیمی ادارے اب بھی آر اینڈ ڈی کی اشاعت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے۔ وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ آئی پی آر تخلیق کی کیا اہمیت ہے یا کوئی انفرادی آئی پی آر کس طرح پروڈکٹ ڈیولپمنٹ میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

اس رکاوٹ پر قابو پانے کے لئے ہندوستانی آر اینڈ ڈی افراد کو ایسے ٹیکنیکل اداروں سے جوڑنے کی ضرورت ہے جہاں کسی پروڈکٹ پر بحث و مباحثہ کیا جائے اور اس کے لئے معیار متعین کیا جائے۔ اس سے آئی پی آر اور پروڈکٹ کے درمیان کی خلیج کو کم کیا جاسکتا ہے۔ جیسے ہی کوئی آئی پی آر معیار کی صورت اختیار کرتا ہے اس کی قیمت اپنے آپ بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس آئی پی آر کی بنیاد پر جو پروڈکٹ بھی تیار کیا جائے گا اسے پہلے آئی پی آر کے مالک سے معاملہ طے کرنا ہوگا۔

بیشتر ملکوں میں اسٹینڈرڈ ڈیولپمنٹ سوسائٹیاں ہیں، جو آئی پی آر تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھنے والے آر اینڈ ڈی افراد کو بین الاقوامی معیار سے جوڑتی ہیں۔ یہ سوسائٹیاں گو کہ حکومت سے امداد یافتہ ہوتی ہیں تاہم انڈسٹری یا اکیڈمیا کنشورشیم کے ذریعہ چلائی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی معیار سازی کے ادارے صرف اسی طرح کی سوسائٹیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کوریا، چین، کناڈا، جاپان، یورپ سب کے یہاں اس طرح کی سوسائٹیاں ہیں جو ٹیلی کوم اسٹینڈرڈ ڈیولپمنٹ پر توجہ دیتی ہیں۔ ہندوستان میں نومبر 2013 میں محکمہ ٹیلی کوم کے تعاون سے ٹیلی کوم اسٹینڈرڈس ڈیولپمنٹ سوسائٹی آف انڈیا (ٹی ایس ڈی ایس آئی) کا قیام عمل میں آیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ ادارہ ہندوستانی آر اینڈ ڈی کمیونٹی کو اس سمت میں تیزی سے آگے بڑھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ تاہم ٹی ایس ڈی ایس آئی صرف ٹیلی کوم پر ہی توجہ مرکوز کرے گا۔ اس طرح کی کوششوں کو ٹیلی کوم سے آگے لے جانے کی ضرورت ہے۔ اسمارٹ گرڈ فورم آف انڈیا اس سمت میں ایک اور قدم ہے۔ آئی ای ای اب ہندوستان میں معیار پر کام کرنے کے لئے اکیڈمیا۔ انڈسٹری فورم بنانے میں رول ادا کر رہا ہے۔ لو وولٹیج ڈی سی (ایل وی ڈی سی) اسی طرح کا ایک فورم ہے۔ اس کوشش کو کئی گنا بڑھانے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ اس طرح کی کوششوں کی مدد (مالی اور دیگر) کرنے کی پالیسی بنائے اور انہیں کنٹرول کرنے سے گریز کرے۔

آئی پی آر تخلیق اور انہیں معیار کے مطابق بنانے کے لئے ہندوستانی تعلیمی اداروں اور انڈسٹری کو مل کر کام

کرنا ہوگا۔ انڈسٹری اور تعلیمی اداروں کے درمیان اس طرح کا ربط ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے۔ اسے مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

ڈیزائن اور ڈیولپمنٹ کی صلاحیتوں اور پروڈکٹ ایکوسسٹم میں ہندوستان کی صورت حال

ہندوستانی تعلیمی اداروں نے الیکٹرانکس اور آئی سی ٹی پروڈکٹس کے ڈیزائن اور ڈیولپمنٹ میں کوئی بڑا تعاون نہیں کیا ہے۔ بہرحال ان کے پاس اس کا علم اور صلاحیت ضرور موجود ہے۔ لیکن وہ شاذ و نادر ہی قائدانہ رول ادا کرتے ہیں۔ انہیں بنیادی آر اینڈ ڈی پر اپنی توجہ کو اگلے مرحلے کی تحقیق کے لئے منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ یونیورسٹیوں اور اداروں کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

ہندوستان میں کئی آر اینڈ ڈی لیب ہیں مثلاً سی ڈاٹ، سی ڈیک اور کچھ سی ایس آئی آر لیب، بعض ڈی آر ڈی او لیب، کچھ لیب اٹامک انرجی محکمہ سے وابستہ ہیں تو کچھ اسپیس ڈپارٹمنٹ سے وابستہ ہیں۔ ان لیبس نے بہرحال اپنے مخصوص سیکٹر میں کچھ پروڈکٹس تیار کئے ہیں لیکن وہ شاید ہی ایسا کوئی پروڈکٹ تیار کرسکے ہوں جسے بڑے پیمانے پر کمرشیل کامیابی ملی ہو۔ حالاں کہ ان لیباریٹریز میں کام کرنے والے افراد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن انہیں تجارتی لحاظ سے کامیاب پروڈکٹ تیار کرنے کے جانب مائل کرنے کی ضرورت ہے۔

کچھ آر اینڈ ڈی افراد وہ بھی ہیں جو بعض پبلک سیکٹر انڈسٹریز سے وابستہ ہیں۔ بی ای ایل، بی سی آئی ایل، بی ایچ ای ایل اور آئی ٹی آئی ان میں قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح کچھ آر اینڈ ڈی افراد بعض چھوٹی کمپنیوں میں بھی ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تنظیم کی داخلی ضرورتوں یا بعض سرکاری یا دفاعی اعانت یافتہ پروڈکٹس کے لئے کام کیا ہوگا (الیکٹرانک ووٹنگ مشین اس کی ایک مثال ہے) تاہم انہوں نے شاید ہی ایسے کسی پروڈکٹ کے لئے کام کیا ہے جسے بڑے پیمانے پر تجارتی کامیابی ملی ہو۔ اس صورت حال پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس سیکٹر میں پروڈکٹ ڈیولپمنٹ کا تجربہ پرائیوٹ انڈسٹری کے افراد تک محدود ہے۔ تاہم ان میں سے بھی بیشتر یہ کام ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لئے سروس کے طور پر کرتے ہیں۔ جن کے یہاں پروڈکٹ ڈیزائن اور ڈیولپمنٹ کا بیشتر کام ہندوستان سے باہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسٹارٹ اور نئی کمپنیاں آتی ہیں، جنہوں نے پروڈکٹس کو ڈیزائن، ڈیولپ اور کمرشیلائز کیا ہے، تاہم انکی تعداد بہت معمولی ہے۔ ڈیزائن سروس کمپنیوں، پبلک سیکٹر لیباریٹریز، ملٹی نیشنل کمپنیوں نیز اسٹارٹ اپس میں میں کام کرنے والوں کی مجموعی تعداد خاطر خواہ ہے۔ یہ ہندوستان پروڈکٹ کمپنیاں بناتا ہے تو یہ اس کے لئے بہت بڑا اثاثہ ثابت ہوں گے۔ ہندوستان کی ایک کمپنی نے نعرہ دیا ہے ''ہم مغرب کے مقابلے نصف لاگت پر دوگنا آر اینڈ ڈی کا کام کرتے ہیں''۔ اسے ہندوستان میں پروڈکٹس ڈیولپمنٹ کے لئے نئی تحقیق اور ڈیولپمنٹ کی بنیاد بنانا چاہئے۔

اس کے بعد انکیوبیٹرس کا نمبر آتا ہے۔ حکومت ہند کے محکمہ سائنس وٹکنالوجی نے این ٹی ای ڈی بی کے ذریعہ یونیورسٹی پر مبنی ٹکنالوجی انکیوبیٹرس قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس طرح کے تقریباً 100 انکیوبیٹرس قائم ہوچکے ہیں۔ ان میں سے کئی انکیوبیٹرس اسٹارٹ اپ پروڈکٹس کی رہنمائی کے لئے مناسب ماحول تیار کرنے میں کافی کامیاب رہے ہیں۔ نوجوان اور تیز دماغ والے ہندوستانیوں میں اس سلسلے میں دلچسپی بڑھ رہی ہے اور آنے والے برسوں میں اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ ڈپارٹمنٹ آف بایوٹکنالوجی نے بھی اب یونیورسٹیوں میں اسٹارٹ اپ کو فروغ دینے کی ایسی ہی کوششوں کا آغاز کیا ہے۔ اسی طرح انٹرپرنیور فورم اور المیونائی تنظیمیں ہیں، جو اس میں تعاون دینے کے لئے تیار ہیں۔

ہندوستان میں اسٹارٹ اپ ایکوسسٹم آج پھل پھول رہا ہے۔ یونیورسٹی انکیوبیٹرس اس میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ چوٹی کے اداروں کے بہترین طلبہ اب اونچی ڈگری حاصل کرنے یا موٹی تنخواہ والی ملازمت کے لئے ملک سے باہر جانے کے بجائے اسٹارٹ اپ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان اسٹارٹ اپس کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر اور کم از کم آئی آئی ٹی والے اسٹارٹ اپس کا تعلق انجینئرنگ سے ہے۔ کچھ کمپنیاں تو حیران کن نتائج حاصل کررہی ہیں، جن کا چند سال قبل تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم ذکر کریں گے، ریسرچ پارک اور تعلیمی ادارے وصنعت کے اشتراک سے اس طرح کی کوششوں کو کافی تقویت مل رہی ہے۔

یونیورسٹی سے وابستہ ریسرچ پارک: آئی آئی ٹی ایم ریسرچ پارک، ایک بہترین مثال ہے

ہندوستان کو ایک ایسا ملک بنانے میں یونیورسٹی سے وابستہ ریسرچ پارک (آرپی) ایک اہم حصہ ثابت ہوسکتے ہیں، جو پروڈکٹس کو خود ڈیزائن اور ڈیولپ کرے، مالکانہ حقوق رکھے، تیار کرے اور فروخت کرے۔ یہ آرپی انڈسٹری۔ اکیڈمیا تعلق کو نئی بلندیوں تک لے جاسکتے ہیں۔ اگر کسی تعلیمی ادارے کے پاس میں (جہاں تک سائیکل کے ذریعہ بھی بہ آسانی پہنچا جاسکے) اس طرح کا ریسرچ پارک ہو تو اسے چاہئے کہ انڈسٹریز کو وہاں اپنے آر اینڈ ڈی قائم کرنے اور اس آر اینڈ ڈی کو ادارہ کے فیکلٹی، اسٹاف اور طلبہ کے تعاون سے چلانے کے لئے آمادہ کرے۔ یہ تین طرح کے افراد پر مشتمل ہوگا۔ فیکلٹی، انڈسٹری کا تجربہ کار شخص اور ایک نوجوان۔ تینوں مل کر یکساں ماحول میں کام کریں گے جس کے نتیجے میں نئے نئے اختراعات سامنے آئیں گی۔ فیکلٹی کو وسیع علم ہے، انڈسٹری سے وابستہ شخص کسی آئیڈیا کو ایک قابل عمل پروڈکٹ میں تبدیل کرنے کا تجربہ رکھتا ہے اور نوجوان (طالب علم) کو معلوم ہے کہ کچھ بھی ممکن ہے۔ اکیڈمیا کے پاس ان میں سے دو عناصر پہلے سے ہی موجود ہیں۔ جب انڈسٹری وہاں اپنا آر اینڈ پارک قائم کرتی ہے تو تینوں مل کر نتیجہ دینے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں انڈسٹری۔ اکیڈمیا تعلقات کو مستحکم کرنے میں ایسے پارکوں نے کافی اہم رول ادا کیا ہے۔ آئی آئی ٹی

مدراس نے اس طرح کا پہلا پارک قائم کردیا ہے، جسے آئی آئی ٹی ایم ریسرچ پارک (آئی آئی ٹی ایم آر پی) کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس کا پہلا ٹاور 400,000 مربع فٹ پر محیط ہے ، یہاں 50 سے زائد کمپنیاں اورتقریباً تیس اسٹارٹ اپ کام کررہے ہیں اور یہ جگہ بھر چکی ہے۔اپنے قیام کے صرف تین سال کے اندر ہی یہ ایک مکمل انوویشن ہب میں تبدیل ہوچکا ہے، جہاں پروڈکٹ ڈیولپمنٹ کا کام پورے زور شور سے چل رہا ہے۔اب اس میں 800,000 مربع فٹ مزید جگہ کو شامل کیا جارہا ہے، جو 2015 کے اواخر تک مکمل ہوجائے گا۔اگلے تقریباً دو برس میں آئی آئی ٹی ایم کے تعاون سے 150 مزید کمپنیاں اور 150 اسٹارٹ اپ کام کرنے لگیں گے۔اس پارک میں کئی پبلک پرائیوٹ ریسرچ لیباریٹریز بھی ہیں، جس میں حکومت نے آر اینڈ ڈی شروع کرنے کے لئے بنیادی سرمایہ کاری کی ہے تاہم اچھی خاصی رقم کمپنیوں سے آتی ہے۔

آئی آئی ٹی ایم آر پی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو کمپنی بھی اس پارک میں جگہ حاصل کرتی ہے اسے اپنے آر اینڈ ڈی کا ایک مقررہ حصہ آئی آئی ٹی مدراس کے ساتھ مل کر کرنا پڑتا ہے۔ہر ایک مربع فٹ جگہ جسے وہ کرایہ پر حاصل کرتی ہیں اس کے بدلے میں انہیں آئی آئی ٹی ایم سے مخصوص تعداد میں ریسرچ کریڈٹ ملتی ہے۔یہ ریسرچ کریڈٹ صرف اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ آئی آئی ٹی ایم کے ساتھ مل کر آر اینڈ ڈی کا قابل ذکر کام کریں۔یہ پہلا موقع ہے جب کسی ریسرچ پارک میں اس طرح کی شرط شامل کی گئی ہے۔اس سے کرایہ دار کمپنی اوراس کے افراد کو آر اینڈ ڈی کے لئے آئی آئی ٹی کے ساتھ مل کر کام کرنا ہی پڑتا ہے۔یہ چھوٹی سی کوشش اکیڈمیا اور انڈسٹری کے درمیان رکاوٹوں کو توڑنے میں معاون ثابت ہورہی ہے۔کمپنی کو جب ایک مرتبہ ایسے اشتراک کا مزہ مل جاتا ہے تو اسے اس طرح کے اشتراک کے فوائد کا اندازہ ہوجاتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ اشتراک کی کوششیں کرتی ہے۔

ریسرچ پارکوں میں انکیوبیٹرس اور اسٹارٹ اپ بھی ہیں۔یہی وہ سبب ہیں جس کی وجہ سے انجینیئرنگ اسٹارٹ اپس کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

آئی آئی ٹی ایم ریسرچ پارک کا ایک دوسرا پہلو اس کا مالیاتی ماڈل ہے۔پارک کی مکمل تیاری پر آنے والی

> **آئی آئی ٹی ایم آر پی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو کمپنی بھی اس پارک میں جگہ حاصل کرتی ہے اسے اپنے آر اینڈ ڈی کا ایک مقررہ حصہ آئی آئی ٹی مدراس کے ساتھ مل کر کرنا پڑتا ہے۔ہر ایک مربع فٹ جگہ جسے وہ کرایہ پر حاصل کرتی ہیں اس کے بدلے میں انہیں آئی آئی ٹی ایم سے مخصوص تعداد میں ریسرچ کریڈٹ ملتی ہے۔**

لاگت 450 کروڑ روپے سے تجاوز کرسکتی ہے۔انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت نے اس کی تعمیر کے لئے 100 کروڑ روپے کا گرانٹ دیا ہے۔بقیہ رقم آئی آئی ٹی ایم کو اپنے وسائل سے حاصل کرنے ہیں۔اس میں سے کچھ رقم کمرشیل شرح سود پر بینکوں سے قرضوں کی شکل میں حاصل کی جائے گی۔جب کہ بقیہ رقم آئی آئی ٹی ایم آر پی میں پٹے پر جگہ لینے والی کمپنیوں سے حاصل ہوگی۔ادارہ کے طلبہ قدیم نے بھی اس کے لئے مالی تعاون دیا ہے، گوکہ یہ رقم بہت معمولی ہے۔پارک سیکشن آٹھ کے تحت ایک آزاد کمپنی ہے اور یہ پانچ سال کے مختصر مدت میں خود کو مالی لحاظ خودکفیل بنالے گا۔

آئی آئی ٹی ایم ریسرچ پارک نے گوکہ اپنا کام شروع کردیا ہے تاہم اگلے پانچ برسوں کے دوران اس طرح کے کم از کم دس آر اینڈ ڈی پارک قائم کرنے کی ضرورت ہے۔انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت نے آئی آئی ٹی بمبئی اور آئی آئی ٹی دہلی کو اس طرح کے پارک قائم کرنے کے لئے سو سو کروڑ روپے کی امداد فراہم کردی ہے۔اس فہرست میں کئی اور پارک جلد ہی شامل ہوجائیں گے۔

اگلا قدم ہر ریسرچ پارک کے آر اینڈ ڈی کے میعار کو بہتر بنانا ہوگا اور اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ اس طرح کے پارکوں سے ڈھیر سارے ہندوستانی مصنوعات تیار ہوکر باہر آئیں۔یہ پروڈکٹس کرایہ دار کمپنیوں سے یا اسٹارٹ اپ کمپنیوں سے یا پارک میں قائم پبلک پرائیوٹ آر اینڈ لیباریٹریوں سے تیار ہوکر آسکتے ہیں۔بہر حال اگر ان پروڈکٹس کو کامیابی کے ساتھ کمرشیلائز بنایا جاتا ہے اوران کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا ہے تو یہ آئی آئی ٹی ایم آر پی کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

خلاصہ

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کو پروڈکٹ ڈیولپمنٹ ملک بنانے کے لئے نہ صرف صلاحیتیں بلکہ خاطر خواہ مواقع بھی موجود ہیں۔مینوفیکچرنگ کے ساتھ ساتھ آر اینڈ ڈی، ڈیزائن اور پروڈکٹ ڈیولپمنٹ، آئی پی آر تخلیق اور تحفظ، میک ان انڈیا مشن میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔اس سے مشن کا دونوں مقصد پورا ہوگا۔یعنی نہ صرف بڑی تعداد میں لوگوں کو ملازمت کا موقع فراہم کرنے اور رہندوستانیوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ملک میں ہی سامان تیار کرنے میں مدد ملے گی بلکہ ہندوستان کے درآمداتی اخراجات پر قابو پانے میں بھی مدد ملے گی۔ان مقاصد کے حصول کے لئے تکنیکی تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ آئی آئی ٹی ایم ریسرچ پارک جیسے اداروں کو مستحکم کرنے ضرورت ہے۔

☆☆☆

پروفیسر اوتار سنگھ

تعین کرنے کے ایک اچھے نظام کی ضرورت

ہم میں سے بیشتر لوگ تعین، تشخیص اور امتحان کی اصطلاحوں سے بخوبی واقف ہیں لیکن ہم ان اصطلاحات میں فرق کرنے کی شاذ و نادر ہی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی بجائے ہم ان کا استعمال طلبا کو نمبر دینے نیز درجوں اور زمروں میں ان کی درجہ بندی کرنے کے عمل کے سلسلے میں قابل مبادلہ کے طور پر کرتے ہیں اور ان کا استعمال تصدیق نیز ترقی کے لئے کرتے ہیں۔ ان اصطلاحوں میں سے امتحان کی اصطلاح وہ اصطلاح ہے جسے بہتر طور سے سمجھا جاتا ہے کیوں کہ ہم سب ہی زندگی میں متعدد امتحانات میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہ ایک ضروری چیز کی مانند ہے۔ طباع ترین طلبا تک بھی امتحانات سے ڈرتے ہیں کیوں کہ ان میں ابہامات، غیر یقینیوں اور غیر معتبری کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ ان عناصر کی شروعات سوال نامے تیار کرنے، سوال ناموں کے بندوبست، جوابات لکھنے، ترتیب جدول اور بالآخر طلبا کو نمبر دینے سے ہوتی ہے۔ ان امتحانات کے سلسلے میں متعدد مقاماتِ لغزش ہیں۔ ان امتحانات کا وسیع پیمانے پر استعمال طلبا کی باقاعدہ تصدیق کرنے، ان کو درجہ اور ترقی دینے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان امتحانات دینے والے طلبا کا کیریئر بن یا بگڑ سکتا ہے۔ بکس 1 ملاحظہ کیجئے۔ اس میں بلٹ ایک اور دو ایک قومی بورڈ میں 'اے' گریڈ دیئے گئے جواب ناموں کے بارے میں کئے گئے تحقیقی مطالبے کی بنیاد پر دیئے گئے ہیں۔ بلٹ تین حال ہی میں قومی روزنامے میں بیان کی گئی تھی۔

مضمون نگار نئی دہلی میں واقع این سی ای آر ٹی میں تعلیمی پیمانے اور تشخیص کے محکمے نیز کل ہند تعلیمی سروے اور اعداد وشمار کی پروسیسنگ کے محکمے کے سابق سربراہ ہیں۔ اس وقت وہ ریاستوں میں آشرم اسکولوں کی تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے کام میں مصروف ہیں۔
avsing3@rediffmail.com

☆بورڈ کے ایک امتحان میں ایک طالب علم نے جواب نامے میں سوالات کے بیانات دوبارہ سے لکھے ہیں۔ اس نے بارہویں کلاس میں سائنس کے مضمون میں 70 میں سے 32 نمبر حاصل کئے ہیں۔

☆ایک طالب علم نے ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں جو وہ جانتا تھا اور ان میں سے بہت کم سوالات سوالنامے میں تھے۔ اس نے دسویں کلاس میں سوشل اسٹڈیز میں 100 میں سے 78 نمبر حاصل کئے ہیں۔

☆این آئی ٹی کے ایک طالب علم کو ایک سمسٹر میں ایک مضمون میں ناکام قرار دیا گیا ہے۔ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ جب اس کے والدین نے جواب نامے کی از سر نو تشخیص کرائی تو اسے 50 میں سے 48 نمبر ملے۔ غلط نمبر دیئے جانے کی وجہ سے ایک بیش قیمت زندگی ضائع ہو گئی ہے۔

تعین یا تشخیص زیادہ مخصوص اصطلاحات ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے نتائج، تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں مشکلات کی تشخیص اور تعلیم کے حصول کو بہتر بنانے کے لئے نتیجتاً اصلاح پر مرکوز ہے۔ مثال کے طور پر مسلسل اور جامع تشخیص (سی سی ای) بچے کی مجموعی شخصیت کی نشو ونما کرنے نیز اعلیٰ کلاس کے لئے ترقی دینے سے پہلے مطلوبہ سطح کے لئے تعلیم کے حصول میں اضافہ کرنے کا نظریہ تھا۔ یہ آر ٹی ای قانون 2009 پر عمل درآمد کرنے کے لئے خاص جز وتھا۔ یہ قانون آٹھویں کلاس تک کسی بھی طالب علم کو نہ روکنے یا ناکام نہ کرنے کی صراحت کرتے ہوئے آٹھویں کلاس تک تمام بچوں (6 تا 14 سال) کی ابتدائی تعلیم کی آسان تکمیل کو یقینی بناتا ہے۔ مطلوبہ تعلیمی معیارات کو برقرار رکھتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانے کا ذریعہ سی سی ای تھی۔ سی سی ای کے پورے نظریے کو نہ تو اساتذہ کے ذریعے سمجھا گیا تھا اور نہ ہی کسی بھی ایجنسی کے ذریعے عمل درآمد کے دوران اس کی نگرانی کی گئی تھی۔ طالب علموں اور اساتذہ دونوں کے لئے یہ ایک خوش گوار صورت حال تھی اور نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم پڑھنے، لکھنے اور بنیادی ریاضیات کی دیگر ہنرمندیاں حاصل کئے بغیر ابتدائی تعلیم مکمل کر رہے ہیں۔

تعلیم کا معیار متاثر ہوا ہے جیسا کہ اسکولی تعلیم کے مختلف مرحلوں پر این سی ای آر ٹی کے ذریعے کئے گئے قومی حصولیابی سروے (این اے ایس) کے سلسلوں کے نتائج سے پتہ چلا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ٹیبل-1

موجودہ صورت حال

موجودہ نظام پر نظر ثانی کرنے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ اقدامات ہمیشہ اس چیز

سے کم رہ جاتے ہیں جس کی فی الواقع ضرورت ہے۔ امتحان کے موجودہ نظام کی بجائے جو کہ ایک محدود مقصد پورا کررہا ہے، تعین کرنے کا ایک اچھا نظام قائم کرنے کے سلسلے میں بھی کوشش کی گئی ہیں۔ تعلیمی نظام مرتب کرنے کے سلسلے میں متعدد سنگ میل حاصل کئے گئے ہیں جن کی شروعات تعلیم کے بارے میں قومی کمیشن، 1968 تعلیم کے بارے میں قومی پالیسی 1986 اور نصاب تعلیم کے قومی ڈھانچ 2005 سے ہوئی ہے۔ مجموعی طور سے تعلیم کے حصول اور تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کی غرض سے تعین کرنے کو ایک موثر ذریعہ بنانے کے لئے ان میں سے ہر ایک نے وسیع طور سے خدمات انجام دی ہیں۔ بدقسمتی سے اب تک بہت کم سفارشات پر عمل درآمد کیا جا سکا ہے اور ہم وہ کام کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ برسوں میں کرتے رہے ہیں۔ بنیاد کو مضبوط تر بنانے کی ضرورت کی وجہ سے اعلی تعلیم کی بجائے اسکولی تعلیم کے شعبے میں مزید اصلاحات کی گئی ہیں۔

اسکول کے شعبے میں یا اعلی تعلیم کے شعبے میں تعلیم کا معیار آج ایک مسئلہ ہے۔ ایس ایس اے، آر ایم ایس اے یا آر یو ایس اے کے ذریعے ہماری تمام کوششوں کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے ہیں کیوں کہ 1) ان پروگراموں پر بے دلی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے، 2) نظام کی توسیع ہوئی ہے اور 3) تمام مرحلوں پر اساتذہ کی شدید کمی ہے۔ اس توسیع کی سیاسی وجوہات زیادہ ہیں

لیکن اساتذہ کا خراب معیار امتحان کے ہمارے موجودہ نظام کی پیداوار ہے۔ آج ہمارے پاس پندرہ لاکھ سے زیادہ اسکول، 30,000 ڈگری کالج، 5000 تکنیکی ادارے اور 660 یونیورسٹیاں وغیرہ ہیں۔ پھر اسکولی تعلیم کے چالیس سے زیادہ بورڈ ہیں جو طلبا کو کامیاب یا ناکام قرار دینے کے لئے محض امتحانات کا انعقاد کررہے ہیں۔ امتحانات کے علاوہ یہ بورڈ درس و تدریس پر توجہ مرکوز کرکے بہتر کردار ادا کرسکتے ہیں۔ چناں چہ ایک ایسا وسیع تعلیمی نظام موجود ہے جس میں امتحانات سے درس و تدریس کے عمل کے سلسلے میں رہنمائی ملتی ہے۔ تعلیم دینے اور امتحان لینے کو ایک ہی سکے کے دو پہلوؤں کی طرح مربوط کیا جانا چاہئے۔

مطلوبہ تبدیلی

ہم اپنے تمام پیمانوں اور تعینوں میں امتحان کا کلاسیکی نظریہ (سی ٹی ٹی) استعمال کرتے رہے ہیں جو جبلی حد بندیوں کے حامل ہیں۔ اس سے تصدیق کے علاوہ کوئی بھی مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔ آگے چل کر امتحان لینے کے نظام کو بہتر بنانے کے سلسلے میں امتحان لینے کے جدید طریقے کی زیادہ گنجائش کے حامل ہیں۔ طالب علم کے بین اقوامی تعین کے پروگرام (پی آئی ایس اے)، ریاضیات اور سائنس کے مطالبات میں رجحانات (ٹی آئی ایم ایس ایس) نیز پڑھنے کے لائق بین اقوامی

خواندگی کے سلسلے میں پیش رفت (پی آئی آر ایل ایس) جیسے تمام بین اقوامی مطالعات میں مضمون کے سلسلے میں ردعمل کے نظریے (آئی آر ٹی) کا استعمال کیا جارہا ہے۔ آئی آر ٹی کا فائدہ یہ ہے (1) یہ امتحانات میں مشکل کے لحاظ سے بغیر طلبہ کی حقیقی صلاحیت کا تعین کرتا ہے (2) یہ پیمانوں کے نکات کی زیادہ تعداد حاصل کرنے کے لئے کثیر امتحانات کا استعمال کرتا ہے (3) یہ ہر ایک مضمون / نظریے کے استحکام اور کمزوریوں کی نشاندہی کرتا ہے اور (4) یہ اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے طویل مدت میں طلبا کی حقیقی حصولیابی کو جانچتا ہے کہ آیا نظام بہتر ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس سمت میں کئے گئے دو اقدامات کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

☆ ہندوستان نے اس عمل میں شرکت کرنے اسے سمجھنے نیز یہ دیکھنے کے مقصد سے دو ریاستوں، ہماچل پردیش اور تامل ناڈو میں پی آئی ایس اے امتحانات کا تجربہ کرکے 11-2010 میں پی آئی ایس اے 2009+ سلسلے میں شرکت کی تھی کہ ہمارے طلبا سوالات کی قسم کے تئیں کیسے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جو 16 سال کی عمر کے لئے مخصوص ہیں نیز جو کسی بھی مخصوص کورس کے مواد کی ضرورت پوری نہیں کرتی ہے۔ اس مطالعے میں 74 ملکوں نے شرکت کی تھی نیز ہماری ریاستوں نے نیچے سے کرغستان کے بعد اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نتائج توقع کے مطابق رہے تھے اور انہیں مزید بین اقوامی

ٹیبل۔1: مختلف مضامین میں آٹھویں کلاس کے طلبا کا قومی اوسط فی صد اسکور

مضامین	زبان	ریاضیات	سائنس	سوشل اسٹڈیز
سلسلہ۔2	56.57	41.30	37.78	44.15
سلسلہ۔3	46.20	3.28	36.37	38.34

ماخذ: این سی ای آر ٹی کے قومی حصولیابی سروے کا سلسلہ 2 (08-2006) اور سلسلہ۔3 (13-2011)

ٹیبل۔2: پی آئی ایس اے 2009 سلسلے میں

شعبہ	برازیل	تمل ناڈو	ہماچل پردیش	او ای سی ڈی اوسط
پڑھائی	412	335	314	493
ریاضیات	386	350	338	496
سائنس	405	347	326	501

ماخذ: یہ 0 تا 700 نکات کے پیمانے پر اوسط پیمانہ نمبر ہیں۔

شرکت کے لئے شروعاتی نکتے کے طور پر لیا جانا چاہئے۔ پی آئی ایس اے اس بات کے ردعمل کے لئے انتہائی موثر بن گیا ہے کہ آیا طلبا نے موثر طور سے تجزیہ، حجت اور شرکت کرنے کی صلاحیت حاصل کرلی ہے اور وہ بالغ زندگی میں ان ہنرمندیوں کا استعمال کرنے کے قابل ہوگئے ہیں۔ بہت سے ملک 2000 میں پہلے سلسلے سے ہی شرکت کرتے رہے ہیں اور خراب کارکردگی ان کے اسکولوں اور مجموعی طور سے نظام کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ایک موثر ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ برازیل کا معاملہ حوالہ دیئے جانے کے لئے ایک مثال ہے جو 2000 میں مماثل نمبر کا حامل تھا لیکن پی آئی ایس اے میں شرکت کرتا رہا تھا نیز اس نے اپنی کارکردگی کو بہتر بنایا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ٹیبل۔2۔

☆قومی سطح پر این سی ای آر ٹی نے نمونہ جاتی بنیاد پر ملک بھر میں بچوں کے تعلیم حاصل کرنے کی سطحوں کا تعین کرنے کے لئے ایک شروعات کی ہے۔ ایس ایس اے کے تحت اس ابھیان میں اسکولوں میں فراہم کردہ مختلف مواد کے ایک نتیجے کے طور پر تعلیم حاصل کرنے کی سطحوں میں پیش رفت کا اندازہ لگانے کے لئے بنیادی سطح، وسط اور اختتام کے مطالعات کئے گئے تھے۔ آگے کے اختتامی مطالعات (سلسلہ 3) میں آئی آر ٹی ماڈل اختیار کرنے کے لئے رفتہ رفتہ ان پیمانوں کو درجے وار کردیا گیا ہے۔ یہ مطالعات اب یہ چیزیں فراہم کرسکتے ہیں:

(1) ہر ایک مضمون میں جز و وار کارکردگی (2) ہر ایک مضمون میں بہت قدیم شعبوں/ غلط تصورات کی نشاندہی اور (3) مجموعی منظم معیاری عدد اشاریہ (ایس آئی کیو) آیا یہ نظام بہتر ہو رہا ہے۔ یہ تقریباً ایک باقاعدہ سرگرمی ہے اور سلسلہ 4 میں پیش رفت جاری ہے۔ تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لئے اس اقدام کو مستحکم بنانے نیز دستیاب زبردست اعداد و شمار کا استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ ریاستیں/ مرکز کے زیر انتظام علاقے اس مہم میں سرگرم ساجھے دار ہیں نیز انہوں نے اسی طرح کے ریاست وار مطالعات شروع کئے ہیں۔ ریاستوں کو این سی ای آر ٹی کے ذریعے مدد فراہم کی جارہی ہے۔

آگے کا راستہ

ہمیں تین وسیع شعبوں کا احاطہ کرنے والے تعین کرنے کے نظام پر موثر طور سے عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔

☆اسکول کے ابتدائی مرحلے پر زبان (کوئی بھی زبان) کو سمجھنا اور اس کا استعمال کرنا سب سے زیادہ اہم بات ہے۔ پڑھنا، لکھنا اور بولنا نشو ونما کئے جانے، تعین کئے جانے اور بہتر بنائے جانے کی صلاحیتیں ہیں، بصورت دیگر یہ ایک بڑی روکاوٹ رہتی ہے، جس سے درمیان میں ہی تعلیمی سلسلہ چھوڑ دینے، ناکامیوں اور تعلیم کے حصول میں کم دلچسپی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ اسی طرح کی صورت حال ریاضیات کے سلسلے میں بھی ہے۔ ان دونوں مضامین کی تفہیم اور ان میں دلچسپی عام طور سے زندگی اور کیریئر میں کامیابی سے ایک زیادہ باہمی تعلق رکھتی ہیں، لہٰذا ابتدائی مرحلے پر تعین، تشخیص اور اصلاح سے آگے چل کر اس نظام کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ اسی طرح سے نصاب تعلیم، سوال نامے کے ڈھانچے وغیرہ کے لحاظ سے تعلیمی بورڈوں میں ایک قسم کی موازنہ پذیری قائم کی جانی چاہئے۔ بورڈوں کو چاہئے کہ وہ اسکولی تعین کو بیرونی تعین کے ساتھ مربوط کریں تاکہ طالب علم کی حصولیابی کا ایک خاکہ حاصل کیا جائے۔

☆بڑی تعداد میں ایسے کالج، یونیورسٹیاں اور دیگر ادارے ہیں جہاں امتحان کے نظاموں کی مختلف اقسام ہیں لیکن شاذونادر ہی تعین کرنے کا ایک اچھا نظام ہے۔ اس نظام کا نتیجہ زیادہ تر بہت خراب معیار کا ہے۔ یہ بات برکس کے ایک حالیہ سروے سے ظاہر ہوئی ہے۔ ہمارا کوئی بھی ادارہ پہلے 25 اداروں میں نہیں آتا ہے۔ ایک طالب علم کی فی الواقع حصولیابی کو منعکس کرنے والے اندرونی تعین، ٹیوٹوریلوں، اظہارات، پروجیکٹوں اور بیرونی تعین پر مشتمل ایک جامع نظام کو ڈگری کی تکمیل پر سند/ پورٹ فولیو میں منعکس کیا جانا چاہئے۔ یو جی سی نے معیار کو بہتر بنانے اور اس نظام کے اندر لچک داری فراہم کرنے کے لئے حال ہی میں کریڈٹ اور گریڈ کا ایک نظام شروع کیا ہے۔

☆تمام تجربات، اختراعات اور اصلاحات کے بعد بھی، ہمیں یہ بتانے کے لئے کوئی "صحتی جانچ" نہیں ہے کہ آیا تعلیمی نظام میں بہتری آئی ہے یا وہ خراب ہوگیا ہے۔ کیا نئی نسل زیادہ ذی علم اور ماہر ہے؟ اس کے علاوہ ایسے کثیر ادارے ہیں جو داخلہ امتحانات کا انعقاد کررہے ہیں۔ ہمیں تعلیم کی جانچ کرنے والی سروس (ای ٹی ایس) پرنسٹن، نیوجرسی، امریکہ جیسی ایک تنظیم کی ضرورت ہے جسے مذکورہ بالا کاموں کا دھیان رکھنا چاہئے اور طویل البلد کے متعلق تحقیقی مطالعات بھی کرنے چاہئیں۔ این پی ای 1986 نے تشخیص کرنے کی ایک قومی تنظیم (این ای او) قائم کرنے کی سفارش کی ہے لیکن یہ معاملہ صرف تبادلہ خیالات کے مرحلے پر ہی رہا ہے۔

☆☆☆

وزیراعظم روزگار یوجنا کے تحت اپنا روزگار

☆بہت چھوٹی، چھوٹی اور درمیانہ درجہ کی صنعتوں کے وزیر مملکت جناب گری راج سنگھ نے ایک سوال کے تحریری جواب میں راجیہ سبھا کو بتایا کہ وزیر اعظم روزگار یوجنا (پی ایم آر وائی) کو 08-2007، 09-2008 میں معطل کردیا گیا تھا۔ بعد ازاں وزیر اعظم روزگار یوجنا (پی ایم آر وائی) اور دیہی روزگار جنریشن پروگرام (آر ای جی پی) کو باہم ضم کرکے ایک نئی اسکیم وزیراعظم روزگار جنریشن پروگرام (پی ایم ای جی پی) شروع کی گئی ہے۔ گزشتہ دو برسوں اور رواں برس کے دوران پی ایم ای جی پی کے تحت جن نوجوانوں کو روزگار مہیا کرایا گیا ہے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔ تفصیلات کے مطابق چنڈی گڑھ، دمن، دیو اور دادرا و نگر حویلی سمیت تمام 34 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں 14-2013 میں کل 368545، 15-2014 میں کل 357502 اور 16-2014 میں 30 اکتوبر تک کل 146657 نوجوانوں کو روزگار مہیا کرایا گیا ہے۔ کوئی بھی شخص جس کی عمر 18 برس سے زیادہ ہے وہ پی ایم ای جی پی کے تحت روزگار کے لئے درخواست دینے کا مستحق ہے۔ اس یوجنا پر عمل درآمد کے لئے قومی سطح پر کھادی اور گرام ادیوگ کمیشن (کے وی آئی سی) نوڈل ایجنسی ہے جبکہ ریاستوں میں وی آئی سی کی ریاستی ڈائریکٹوریٹ، کھادی اور گرام ادیوگ بورڈ (کے وی آئی بی) اور ڈسٹرکٹ انڈسٹری سینٹرز (ڈی آئی سی) اسکیم پر عمل درآمد کراتے ہیں۔ شہری علاقوں میں ڈی آئی سی ہی اسکیم پر عمل درآمد کرنے والی نوڈل ایجنسی ہے۔

ظفر اقبال

کامیابی کے لئے تعلیم ناگزیر

طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ ان کا مقصد بلند ہو، وہ محض سطحی علم نہ حاصل کریں، بلکہ علم کے سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کی کوشش کریں۔

ارسطو کے خیال میں ایک صحت مند جسم میں صحت مند ذہن پیدا کرنا تعلیم ہے اور افلاطون کے خیال میں تعلیم سے مراد ایسی تربیت ہے جو بچوں کی جبلتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل کرنے میں مدد دے، یہ دونوں فلسفی تعلیم کو یونان کے مخصوص حالات کے پیش نظر ذہن اور جسمانی قوتوں میں اضافے کا عمل قرار دیتے ہیں۔

دنیا میں تعلیم کے اعتبار سے اگر ہم سب سے عمدہ مثال جاپان کی دے سکتے ہیں۔ یہ وہ جاپان ہے جو دوسری جنگ عظیم میں مکمل تباہ ہوجانے کے بعد بھی تعلیم کی بدولت نہایت مختصر مدت میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور اہم معاشی و تکنیکی قوت بننے میں کامیابی حاصل کی، اسی طرح چین، سنگاپور، ایران اور ملیشیا اور ترکی نے بھی جب تعلیم کو اہمیت اور فروغ دیا ان پر ترقی اور کامیابی کے راستے کھلتے چلے گئے۔

تعلیم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم کا پہلا ادارہ تو افلاطون نے یونان میں قائم کیا تھا لیکن بعد میں 330 قبل مسیح میں مصر کا شہر اسکندریہ کے وجود میں آنے کے بعد درس و تدریس کا مرکز بن گیا اور اس کو Cradle Intellectual کہا جانے لگا۔

دنیا کے تمام مذاہب میں تعلیم کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی ”تعلیم کا مقصد انسان کو بتانا نہیں بلکہ انسان کو بنانا ہے“۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم آج ہندوستان میں کثرتِ اساتذہ کے باوجود مجموعی طور پر جمود کا شکار کیوں ہیں؟ سبب یہ ہے کہ ماضی میں اساتذہ اخلاق کا بہترین نمونہ ہوتے تھے جن سے طلبہ گہرا اثر لیتے تھے جب کہ عصرِ حاضر کے اساتذہ اخلاقی قدروں کی خود پاسداری نہیں کرتے جس سے طلبہ پر منفی اثر پڑتا ہے۔ اُس عہد میں کتاب سے زیادہ استاد کی حرکات و سکنات سے علم حاصل کیا جاتا تھا، جب کہ آج استاد محض ایک علامتی کردار بن کے رہ گیا ہے۔ پہلے اساتذہ اپنی خوشی سے اور دولت کی خواہش کے بغیر طلبہ کو تعلیم دیتے تھے اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا احساس اُن میں ہر لمحہ ایک ایسا جذبہ بیدار کیے رکھتا تھا جس کا دیا کبھی نہیں بجھتا تھا۔ وہ علم کو اسے قربت کا ذریعہ جان کر اس کی بھرپور ترویج کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک تعلیمی درس گاہیں محض ایک ٹیکسال کے بجائے اُس گلستان کا درجہ رکھتی تھیں جہاں نونہال کلیوں کی دیکھ بھال ایک مقدس فریضے کے طور پر کی جاتی تھی، لیکن بدقسمتی سے آج علم پیشہ ور اساتذہ کے ہتھے چڑھ گیا ہے جو تعلیم کو محض ایک کاروبار سمجھتے اور اُسے اپنی مادی خواہشات پورا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی یہ معاشرہ استاد کی قدر کھو چکا ہے اور علم کے داعی کی جو تذلیل و تحقیر تعلیمی اداروں میں ہوتی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ہماری زندگی سے اعلیٰ مقاصد کا نظریہ ختم ہوتا جا رہا ہے اور صرف دولت کی ریل پیل ہماری نظروں کو بھاتی ہے۔ ہم مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے سے جدا کر کے بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ ایک سچا مذہب انسان کے اندر پاکیزہ جذبہ اور ایک احساسِ ذمے داری پیدا کرتا ہے جو طالب علم کے لئے حصولِ علم ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے ادا کرنے کی

مضمون نگار دہلی یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر ہیں۔

طرف مائل کرتا ہے، جبکہ بیشتر طلبہ کا نظریہ یہ ہے کہ علوم دولت کمانے کے لیے حاصل کیے جائیں۔ اُن کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ تعلیم کا مقصد حصولِ روزگار کے سوا اور کچھ نہیں اور وہ بچارے مشین کی طرح کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے تعلیمی ادارے طلبہ کو چہار دیواری کے اندر انسان کے بجائے مشین بنارہے ہیں۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ اپنی قوم کو مشین بنانا ہے یا عمدہ انسان۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نئی نسل کے اندر قومی خدمت کا جذبہ مفقود ہے اور ہمارے بہترین اذہان غیروں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ قربانی کا جذبہ اور میلان بھی کم ہوتا جارہا ہے۔ بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت تعلیمی نصاب کی بہتری میں کوئی کردار ادا نہیں کررہی ہے۔

بدقسمتی سے پچھلے 67 برسوں میں ہم نے تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ آزادی کے بعد ہمیں خاص طور پر تعلیم کی طرف مکمل توجہ مرکوز کرنی چاہئے تھی لیکن ہماری دیگر ترجیحات کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ اس لئے تعلیمی لحاظ سے ہندوستان دنیا میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں کرسکا۔ اساتذہ کی تربیت کا موزوں بندوبست نہیں۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں غریب اور بے سہارا بچوں کیلئے سرکاری اسکول تو ہیں لیکن وہاں معقول عمارت نہیں، عملہ ناکافی اور ناتجربہ کار ہے۔ سائنس لیبارٹریز نہیں اور تجربہ کار اساتذہ کا شدید فقدان ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں انگریزوں کی آمد نے جہاں نظام سیاست کے ساتھ ساتھ کم وبیش زندگی کے ہر شعبہ کو تہہ وبالا کردیا تھا' وہاں تعلیم کے شعبہ کا متاثر ہونا ایک لازمی بات تھی' تاہم یہ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ جدیدیت کے علمبردار اس معاملے پر بھی اپنی رعایا سے وہ بدترین انتقام لیں گے جس کی مثال صدیوں میں بھی نہیں ملے گی۔

ڈاکٹر احسن اقبال اپنی کتاب ''شیخ الہند مولانا محمود حسن: حیات اور علمی کارنامے'' ص:93 میں رقم طراز ہیں کہ'انگریزوں کی پوری کوشش یہ تھی کہ ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ جاہل رہیں۔ ان کا خیال تھا کہ تعلیم حاصل کرکے یہ لوگ ہمارے اقتدار کے لئے خطرہ بن جائیں گے۔ اس لئے اگر تعلیم کا نظم کیا بھی تو وہ محض عیسائیت کے لئے' ورنہ اعلیٰ تعلیم کا ہندوستانی باشندوں کے لئے کوئی نظم نہ تھا'۔

دراصل انگریز اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر برصغیر میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے کھولے گئے تو اس سے عوام میں بیداری آئے گی اور جس طرح امریکہ وغیرہ میں جدید علوم کی درسگاہیں قائم ہوجانے کے بعد ہمیں امریکیوں کو آزادی دینی پڑی تھی' اسی طرح ہندوستان جو کہ سونے کی چڑیا سے کم نہیں' اگر ہم نے یہاں پر جدید تعلیمی ادارے قائم کردیئے تو ایک نہ ایک دن ہمیں یہاں سے لازماً بوریا بستر گول کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہاں کے لوگوں کو تعلیمی لحاظ سے پسماندہ رکھا جائے۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کو اپنی رائے بدلنی پڑی' چنانچہ وائسرائے ہند لارڈ منٹو نے اس مقصد کے لئے ایک طویل یادداشت کورٹ آف ڈائریکٹر کو بھیجی کہ علم کا روز بروز زوال ہورہا ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دروغ حلفی اور جعل سازی جیسے جرائم بڑھ رہے ہیں' اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم وتربیت پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے اور اسکول اور کالج وغیرہ کھولے جائیں۔ آخر بڑی تگ ودو کے بعد ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے لئے ایک کمیٹی قائم ہوئی' جس کی سفارش پر تعلیم دینے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی سالانہ گرانٹ منظور کی گئی۔ تاہم اس قانون کے تحت حکومتی سرپرستی میں کئی تعلیمی ادارے قائم ہوئے جہاں انگریزی کی آڑ میں عیسائیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مثلاً کلکتہ کا اینگلو انڈین کالج (1817)، بنارس کا جے نرائن کالج (1821) اور آگرہ کالج (1832) وغیرہ وغیرہ۔

ہماری تعلیم subject Based ہے Concept Based نہیں یعنی ہم بچوں کو مضمون یاد کروادیتے ہیں اس مضمون کے اندر پنہاں اسباق اور فلاسفی پر زور نہیں دیتے۔ پھر ہمارے نظامِ تعلیم میں استاد کا Skill Development کی طرف کوئی دھیان نہیں ہوتا۔ یعنی ایک سبق پڑھاتے وقت اگر ہم صرف لیکچر کی بجائے مباحثے کو ترجیح دیں تو بچے میں خوداعتمادی، اپنی دلیل کے لئے الفاظ کے انتخاب کا ڈھنگ دوسروں سے اختلاف کرنے کے آداب اور مباحثے کے دوران دوسرے کی بات کاٹ کر اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر اپنی بات کہنے کی تربیت دینی بھی تعلیم کے مقاصد میں شامل ہے۔ تعلیم شائستگی کا درس دیتی ہے اونچا بولنا یا جیبوں میں ہاتھ ڈال کر استاد یا بزرگ کے سامنے کھڑے ہونا بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ درس گاہوں میں بچوں کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ایک اچھے شہری کے حقوق کیا ہیں اور ذمہ داریاں کس قسم کی ہیں مثلاً یہ کہ آپ کو تقریر اور نقل وحرکت کی تو آزادی ہے اور فیئر ٹرائل کے بھی آپ حقدار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو غور وفکر اور مذہبی آزادی بھی حاصل ہے لیکن یہ یاد رہے کہ آپ ریاست کے قوانین کے بھی تابع ہیں' اس لئے آپ دوسروں کے راستے میں رکاوٹ بھی نہیں بن سکتے۔ ریاست، پڑوسیوں اور اہل محلّہ کے حقوق کا بھی خیال رکھنا ہے۔ سڑکوں اور سیرگاہوں میں کچرا نہیں پھینکا جا سکتا۔ ملکی مفاد کے خلاف نہ صرف خود کچھ نہ کہنا ہے بلکہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث لوگوں کے متعلق اطلاعات فوراً انتظامیہ کو دینی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی سٹیزن شپ کے بنیادی عوامل سے بھی ہماری آشنائی نہایت ضروری ہے۔

آج تعلیم کو ترقی اور کامیابی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، یقیناً تعلیم کسی فرد کے لیے کامیابی اور ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایک تعلیم یافتہ فرد کی اپنی زندگی میں ترقی اور کامیابی کے امکانات ایک ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ شخص کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ ملک وقوم کی ترقی میں بھی تعلیم یافتہ افراد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

سماج میں علم کی اپنی اہمیت ہے، علم کو انسان کی تیسری آنکھ بھی کہا جاتا ہے۔ مختلف مذاہب میں علم کی اہمیت وافادیت مختلف لحاظ سے بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں بھی علم کے حصول پر بہت زور دیا گیا ہے بلکہ اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ مختلف مخلوقات پر انسان کی فضیلت اور برتری کی وجہ بھی علم ہی ہے، گویا انسان کو انسان بنانے والی چیز علم ہی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو علم کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ جدید دنیا نے تعلیم کو معاش سے جوڑ دیا، لہٰذا تعلیم کا رُخ بھی اسی کے مطابق طے ہونے لگا، آج

اچھے سے اچھے روزگار کا حصول تعلیم کا بنیادی مقصد بن کر رہ گیا ہے۔ طلبہ اپنے تعلیمی سفر کا آغاز ہی معاش اور روزگار کی منزل پر پہنچنے کے لیے کرتے ہیں۔ اس طرح تعلیم کا تصور 'تعلیم برائے خدمت' کی جگہ 'تعلیم برائے روزگار' میں تبدیل ہوگیا۔ اس قسم کی سوچ نے طلبہ کو تعلیم کے حقیقی تصور کی طرف رُخ کرنے کا موقع ہی نہیں فراہم کیا۔ طلبہ کی فکر اور سوچ صرف حصول معاش تک ہی محدود ہوکر رہ گئی، اس سے پرے ایک طالب علم کے نزدیک تعلیم کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ تعلیمی سفر میں امتیازی نمبرات سے امتحان میں کامیاب ہونا ہے۔

کسی بھی تعلیمی نظام کے کئی اجزا اور عناصر ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر کوئی تعلیمی نظام تشکیل پاتا ہے، اس نظام کے چلنے اور پھلنے پھولنے میں یہ عناصر اور اجزاء اہم رول ادا کرتے ہیں۔ استاذ اور طالب علم یہ تعلیمی نظام کے دو مختلف مگر اہم ترین اجزاء ہیں، اگر ان دونوں اجزاء کی صحیح طور سے ذہن سازی کی جائے اور یہ دونوں اجزاء اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور حقیقی ذمہ داری ادا کرتے رہیں تو تعلیمی نظام کا رُخ بڑی حد تک اپنی حقیقی اور فطری منزل کی جانب چل پڑے گا۔ اساتذہ طلبہ کو تعلیم کے نام پر صرف معلومات ہی فراہم نہ کریں بلکہ وہ طلبہ کے سینوں کو علم وہنر کی دولت سے مزین کردیں، اور طلبہ کے اخلاق وکردار کو سنوارنے، طلبہ کی صلاحیتوں کو ارتقاء کے راستے پر لگانے اور انہیں صحیح رخ پر پروان چڑھانے کا کام کریں۔

طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ ان کا مقصد بلند ہو، وہ محض سطحی علم نہ حاصل کریں بلکہ وہ علم کے سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کی کوشش کریں۔

☆☆☆

صدر جمہوریہ کی ویب سائٹ کے بچوں کے سیکشن کا افتتاح

☆ صدر جمہوریہ ہند جناب پرنب مکھرجی نے راشٹر پتی بھون میں صدر جمہوریہ کی ویب سائٹ کے بچوں کے سیکشن کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر صدر جمہوریہ نے کہا کہ ویب سائٹ میں بچوں کا سیکشن شروع کرنا راشٹر پتی بھون کو ہندوستان کے عوام کے لئے کھولنے کی سمت میں ایک قدم ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس کوشش سے زیادہ سے زیادہ بچوں کو اس تاریخی عمارت کو دیکھنے کے لئے آنے کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ مسٹر مکھرجی نے کہا کہ ہمارے ملک کا مستقبل ہمارے بچوں کے شانوں پر ہے۔ جب انہیں معقول مواقع اور رہنمائی فراہم کی جائے تو ان میں سماج اور انسانیت میں تعاون کی کافی صلاحیت موجود ہے۔ انٹرنیٹ اور تکنالوجی کے دور میں ان بچوں کو اس میڈیا کے ذریعہ باخبر رکھنا چاہئے تاکہ وہ اپنی زیادہ سے زیادہ صلاحیت کی تلاش اور کھوج کی راہ پر آگے بڑھ سکیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ ویب سائٹ کا فارمیٹ بچوں کو ان کے حقائق اور سرگرمیوں کے ساتھ اپنی جانب متوجہ کرے گا۔ اس سے انہیں صدر جمہوریہ کے کردار اور راشٹر پتی بھون کے شب وروز کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سات سے 15 برس تک کے بچوں کے لئے ویب سائٹ میں بچوں کا علیحدہ سیکشن بنایا گیا ہے۔ اس سے انہیں راشٹر پتی بھون اور صدر جمہوریہ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق تصاویر اور ویڈیو فوٹیج کے ساتھ آسان زبان میں معلومات فراہم کی جائیں گی۔ اس میں راشٹر پتی بھون کی تعمیر کی کہانی، صدر جمہوریہ کے کردار، صدر مہوریہ جناب پرنب مکھرجی کے زمانہ صدارت کی خاص جھلکیاں، آزادی کے بعد سے ملک کے صدور سے متعلق معلومات، راشٹر پتی بھون کے بینکوئیٹس اور باورچی خانے، صدر جمہوریہ کے باڈی گارڈز، گارڈن ٹریل، راشٹر پتی بھون کے شب وروز اور راشٹر پتی بھون کے میوزیم کو شامل کیا جائے گا۔

کانپور میں ٹیکنالوجی مرکز کے قیام کیلئے ایم ایس ایم ای اور کپڑے کی وزارتوں کے درمیان مفاہمت نامہ

☆ کانپور میں ایک ٹیکنالوجی مرکز (ٹول روم) کے قیام کے لئے بہت چھوٹی، چھوٹی اور اوسط درجے کی کمپنیوں کی وزارت (ایم ایس ایم ای)، کپڑے کی وزارت اور قومی کپڑا کارپوریشن (این ٹی سی) کے درمیان ایک سہ فریقی مفاہمت نامے پر آج دستخط کئے گئے۔ مفاہمت نامے کے تحت ایم ایس ایم ای کی وزارت جہاں پروجیکٹوں کو فنڈ دستیاب کرائے گی، وہیں این ٹی سی بند پڑی یا غیر نفع بخش ملوں کے اندر زمین دستیاب کرائے گا۔ ایم ایس ایم ای کے مرکزی وزیر جناب کلراج مشرا، کپڑے کی وزارت کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب سنتوش کمار گنگوار اور کانپور سے رکن پارلیمنٹ جناب مرلی منوہر جوشی اس موقع پر موجود تھے۔ مینجمنٹ کا کام ایک گورننگ کونسل کے ذریعے انجام دیا جائے گا، جس کے چیئرمین ایم ایس ایم ای کے ترقیاتی کمشنر ہوں گے جبکہ کپڑے کی وزارت کا نمائندہ شریک چیئر مین ہوگا۔ یہ ٹیکنالوجی سنٹر ایسے معیاری ٹولس کی تیاری میں تعاون دے گا، جس سے ایم ایس ایم ای کی پیداواری صلاحیت میں بہتری آئے گی اور وہ قومی اور بین الاقوامی بازاروں میں مسابقت کے لائق بن سکیں گے۔ یہ متعلقہ شعبوں میں تربیت یافتہ افرادی قوت اور مشاورت کی سہولت بھی دستیاب کرائے گا چونکہ قومی کپڑا کارپوریشن جدید کاری، توسیع اور ارتباط کی جانب بڑھ رہا ہے، اس لئے ٹیکنالوجی مراکز کے قیام سے این ٹی سی کو بھی زبردست فائدہ ہوگا۔

وزیر اعظم روزگار یوجنا کے تحت اپنا روزگار

☆ بہت چھوٹی، چھوٹی اور درمیانہ درجہ کی صنعتوں کے وزیر مملکت جناب گری راج سنگھ نے ایک سوال کے تحریری جواب میں راجیہ سبھا کو بتایا کہ وزیر اعظم روزگار یوجنا (پی ایم آر وائی) کو 08-2007، 09-2008 میں معطل کردیا گیا تھا۔ بعدازاں وزیر اعظم روزگار یوجنا (پی ایم آر وائی) اور دیہی روزگار جنریشن پروگرام (آر ای جی پی) کو باہم ضم کرکے ایک نئی اسکیم وزیر اعظم روزگار جنریشن پروگرام (پی ایم ای جی پی) شروع کی گئی ہے۔ گزشتہ دو برسوں اور رواں برس کے دوران پی ایم ای جی پی کے تحت جن نوجوانوں کو روزگار مہیا کرایا گیا ہے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔ تفصیلات کے مطابق چنڈی گڑھ، دمن، دیو اور دادراونگر حویلی سمیت تمام 34 ریاستوں اور مرکز کے زیرانتظام علاقوں میں 14-2013 میں کل 368545، 15-2014 میں کل 357502 اور 16-2014 میں 30 اکتوبر تک کل 146657 نوجوانوں کو روزگار مہیا کرایا گیا ہے۔ کوئی بھی شخص جس کی عمر 18 برس سے زیادہ ہے وہ پی ایم ای جی پی کے تحت روزگار کے لئے درخواست دینے کا مستحق ہے۔ اس یوجنا پر عمل درآمد کے لئے قومی سطح پر کھادی اور گرام ادیوگ کمیشن (کے وی آئی سی) نوڈل ایجنسی ہے جبکہ ریاستوں میں وی آئی سی کی ریاستی ڈائرکٹوریٹ، کھادی اور گرام ادیوگ بورڈ (کے وی آئی بی) اور ڈسٹرکٹ انڈسٹری سینٹرز (ڈی آئی سی) اسکیم پر عمل درآمد کراتے ہیں۔ شہری علاقوں میں ڈی آئی سی ہی اسکیم پر عمل درآمد کرنے والی نوڈل ایجنسی ہے۔

☆☆☆

سعید انجم

سوچھتا ابھیان نے رفتار پکڑی

حکومت نے سوچھتا ابھیان یعنی صفائی ستھرائی کی مہم چھیڑ کر ایک نیا انقلاب پیدا کردیا ہے۔ سوچھ بھارت ابھیان شروع ہوئے ایک سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔اس درمیان صفائی ستھرائی کے تئیں نمایاں بیداری پیدا ہوئی ہے۔اس کا سہرا وزیراعظم نریندر مودی کے سر جاتا ہے۔ 2 اکتوبر 2014 کو پورے ملک میں سوچھ بھارت ابھیان شروع کیا گیا تھا۔ بابائے قوم مہاتما گاندھی کے یوم پیدائش کے موقع پر اس اہم منصوبہ کو شروع کیا گیا۔ گاندھی جی کا خواب تھا کہ ہندوستان میں مکمل طور پر صفائی ستھرائی رہے تاکہ لوگ بیماریوں سے دور رہیں اور صحت مند رہیں کیوں کہ جب تک ملک کے لوگ صحت مند نہیں رہیں گے' اس وقت تک ملک کی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اس مہم کو گاندھی جی کے 150ویں یوم پیدائش تک یعنی 2019 تک پورا کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔جس رفتار سے یہ مہم آگے بڑھ رہی ہے' اس سے توقع کی جاتی ہے کہ نشانے تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

یہ بڑی تشویش کی بات ہے کہ آزادی کے 65 سال بعد بھی ملک کی نصف سے زیادہ آبادی کھلے میں رفع حاجت پر مجبور ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس سمت میں حکومت نے کوئی کام نہیں کیا' کام تو کیا گیا لیکن اس کی رفتار بہت سست رہی۔ بیت الخلا نہ ہونے کی وجہ سے لوگ باہر رفع حاجت کے لئے مجبور ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق دیہی علاقوں میں 590 ملین لوگ کھلے میں رفع حاجت کے لئے مجبور ہیں۔

2011 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی آبادی کا 1.21 ارب یعنی دنیا کی مجموعی آبادی کا چھٹا حصہ ہمارے ہندوستان میں رہتا ہے۔ یہاں کی تقریباً 72.2 فی صد آبادی 6,38,000 گاؤوں میں رہتی ہے جہاں 16.78 کروڑ کنبے ہیں۔ان میں سے صرف 5.48 کروڑ کنبوں (32.7 فی) کی بیت الخلا تک رسائی ہے یعنی ملک کے 67.3 فی صد دیہی کنبوں تک ابھی بھی یہ سہولت مہیا نہیں ہے۔ سال 2012-13 کے بیس لائن سروے کے مطابق 40.35 فی صد دیہی خاندانوں کی بیت الخلا تک رسائی ہوگئی ہے۔

وزیراعظم نریندر مودی نے 15 اگست 2014 کو یوم آزادی کے موقع پر صفائی کے تئیں لوگوں میں بیداری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مہاتما گاندھی کے یوم 150 پیدائش پر اس ہدف کو حاصل کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی ہدایت دی تھی کہ 15 اگست 2015 تک ملک کے سبھی اسکولوں میں لڑکے اورلڑکیوں کے لئے علاحدہ علاحدہ بیت الخلا کی سہولت مہیا ہو۔اس کا اثر یہ ہوا کہ آج بیشتر اسکولوں میں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے علاحدہ علاحدہ بیت الخلا کا نظم ہو چکا ہے۔ وزیراعظم جناب نریندر مودی نیسوچھتا ابھیان کی شروعات کرتے ہوئے مہاتما گاندھی کے صفائی کے نظریے کو پورا کرنے کے لئے عوام سے درخواست کی تھی۔انہوں نے کہا کہ مہاتما گاندھی کے دو خواب ''بھارت چھوڑو اور صفائی''

سوچھ بھارت ابھیان کے تحت ہندوستان میں 2019 تک کھلے میں رفع حاجت کی روایت کو پوری طرح ختم کرنا ہے۔ 2019 تک تمام گاؤں میں پانی کی لائنیں بچھائی جائیں گی۔مانگ پر گھروں میں نل کی سہولت بھی فراہم کی جائے گی۔امید کی جاتی ہے کہ حکومت کی صفائی ستھرائی مہم یعن ی سوچھ بھارت ابھیان کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

مضمون نگار صحافی ہیں۔

میں سے ایک خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے میں عوام نے مدد کی۔ تاہم صفائی کا دوسرا خواب ابھی بھی پورا نہیں ہوا ہے۔ وزیراعظم نے کہا کہ ہندوستان کے عوام کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ مہاتما گاندھی کے صفائی کے وژن کو 2019 تک پورا کریں۔ وزیراعظم نے گذشتہ حکومتوں اور سماجی، مذہبی اور ثقافتی تنظیموں کے ذریعہ صفائی کے سلسلے میں کئے گئے کاموں کی ستائش کی۔ انہوں نے بار بار زور دے کر کہا کہ صفائی کا کام کسی ایک شخص یا سرکاری اہلکار سے پورا نہیں ہوسکتا بلکہ اسے ملک کے 125 کروڑ عوام سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ وزیراعظم نے کہا کہ عالمی صحت ادارہ ڈبلیو ایچ او کے مطابق ہندوستان میں ہر ایک شخص کو صفائی ستھرائی کی کمی اور گندگی کے سبب اوسطاً 6500 روپے کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سوچھ بھارت مشن سے عوامی صحت پر زبردست اثر پڑے گا نیز غریبوں کی آمدنی کا تحفظ ہوگا جس سے یقیناً قومی معیشت میں بھی بہتری آئے گی۔ انہوں نے لوگوں کو صفائی ستھرائی کے کام میں سال بھر میں سو گھنٹے وقف کرنے کی گزارش کی۔ وزیراعظم نے بیت الخلا تعمیر کرنے کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ صفائی ستھرائی مہم کو سیاسی ہتھیار کے طور پر نہیں بلکہ اس کو حب الوطنی اور عوامی صحت کے تئیں پابند عہد کے طور پر دیکھا جانا چاہئے۔ وزیراعظم نے کہا کہ انہوں نے سوچھ بھارت ابھیان میں تعاون کے لئے عوامی شخصیات کو دعوی دی تھی۔ انہوں نے عام لوگوں سے سوشل میڈیا پر مائی کلین انڈیا (MyCleanIndia) کے ذریعہ اپنے تعاون کو شیئر کرنے کیلئے بھی کہا۔ ظاہر ہے کہ سوچھتا ابھیان کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اسے چہار جانب سے تعاون ملا ہے اور اس مہم نے اب رفتار پکڑ لی ہے۔ صدر جمہوریہ نے گزشتہ دنوں ایک پروگرام کے دوران کہا تھا کہ ہمیں اپنے اسکولوں میں صاف ستھرے ماحول کو بھی فروغ دینا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ پوری طرح مطمئن ہیں کہ سوچھ بھارت سوچ ودیالیہ مہم ہر اسکول میں صاف پانی صفائی ستھرائی کی سہولتوں کو یقینی بنائے گی۔ ماحولیات، جنگلات اور تبدیلی آب و ہوا کے وزیر جناب پرکاش جاوڈیکر نے نیشنل ایئر کوالٹی انڈیکس (اے کیو آئی) کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ایک عام آدمی کے لئے اپنے آس پاس کے علاقے میں ہوا کے معیار کو جانچنے کے لئے اے کیو آئی کو ایک نمبر -ایک رنگ -ایک وضاحت کے تحت رکھا گیا ہے۔ اس انڈیکس کی تشکیل وزیراعظم کے ذریعہ شروع کی گئی مہم 'سوچھ بھارت' کے تحت ایک پہل ہے۔

سوچھ بھارت ابھیان کے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے سماج میں بیداری پیدا کرنی ضروری ہے۔ جب تک ہم اس کے تئیں بیدار نہیں ہوں گے، تب تک ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوں۔ آج حالت یہ ہے کہ گاؤوں میں بیت الخلا ہونے کے باوجود لوگ کھلے میں پاخانہ کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں دیہی لوگوں کے رویہ کو بدلنا بہت ضروری ہے۔ طلبا، آنگن واڑی کارکنوں، ڈاکٹروں، اساتذہ اور بلاک رابطہ کاروں کی مدد سے اس سلسلہ میں بیداری پیدا کی جاسکتی ہے اور لوگوں کو کھلے میں رفع حاجت سے روکا جاسکتا ہے۔ ٹی وی ریڈیو، ڈیجیٹل سنیما، کٹھ پتلی رقص اور مقامی ناٹکوں کے ذریعہ بھی اس سمت میں بیداری پیدا کی جاسکتی ہے۔ بیت الخلا کے استعمال کو بڑھاوا دینا بہت ضروری ہے کیوں کہ سوچھ بھارت ابھیان کی کامیابی اسی میں پنہاں ہے۔ کھلے میں رفع حاجت سے جب غلاظت پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور وہ پھر ہمارے خوردنی اشیاء پر بیٹھ سکتی ہے جس سے کھانا آلودہ ہوگا اور نتیجہ میں نت نئی بیماریاں پیدا ہوں گی۔ اس لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ پہلے بیت الخلا کے استعمال پر زیادہ زور دیا جائے اور کھلے میں رفع حاجت سے روکا جائے۔ اس سے بیماریاں کم ہوں گی اور صحت پر ہونے والا حکومت کا خرچ بھی کم ہوگا اور روزگار کے مواقع بھی بڑھیں گے۔ سوچھ بھارت ابھیان کے تحت ہندوستان میں 2019 تک کھلے میں رفع حاجت کی روایت کو پوری طرح ختم کرنا ہے۔ 2019 تک تمام گاؤں میں پانی کی لائنیں بچھائی جائیں گی۔ مانگ پر گھروں میں نل کی سہولت بھی فراہم کی جائے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ حکومت کی صفائی ستھرائی مہم یعنی سوچھ بھارت ابھیان کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

☆☆☆

کسانوں کو زرعی آلات کی خریداری پر سبسڈی

☆ زراعت اور کسانوں کی فلاح و بہبود کے وزیر مملکت مسٹر موہن بھائی کلیان جی بھائی کنڈاریہ نے راجیہ سبھا کو بتایا کہ محکمہ زراعت، تعاون اور کسانوں کی فلاح و بہبود (ڈی اے سی اینڈ ایف ڈبلیو) مختلف اسکیموں جیسے زرعی مشین کاری سے متعلق ذیلی مشن (ایس ایم اے ایم)، نیشنل فوڈ سیکورٹی مشن (این ایف ایس ایم)، نیشنل مشن آن آئل سیڈز اینڈ آئل پام (این ایم او او پی)، مشن فار انٹگریٹیڈ ڈیولپمنٹ آف ہارٹی کلچر (ایم آئی ڈی ایچ) اور راشٹریہ کرشی وکاس یوجنا (آر کے وی وائی) کے ذریعہ مختلف زرعی آلات اور مشینوں کی خریداری کے لئے ریاستی حکومتوں کی وساطت سے کسانوں کو سبسڈی فراہم کرتی ہے۔ تاہم زرعی ساز وسامان کی خریداری کے لئے محکمہ آسان قرضے مہیا نہیں کرتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈی اے سی اینڈ ایف ڈبلیو نے چھوٹے اور بہت چھوٹے کسانوں کے لئے مشینوں اور آلات کی شناخت کی ہے اور ایسے آلات پر جو زرعی پیداوار اور پیداواریت میں اضافے میں مدد کرتے ہیں، قیمتی اشیاء مثلاً بیج، کیمیاوی کھاد اور آبپاشی کے پانی کے استعمال کی حالت کو بہتر بنانے کے علاوہ انسانی محنت اور کاشت کی لاگت کو کم کرتے ہیں، ان پر سبسڈی فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ چھوٹے اور بہت چھوٹے کسانوں کی زرعی مشین کاری تک رسائی میں اضافہ، کسٹم ہائرنگ سینٹر کے فروغ، ہائی ٹیک اور اعلیٰ معیار کے زرعی آلات کے لئے تعمیری ہب بنانے اور نمائشوں نیز صلاحیت سازی کی سرگرمیوں کے ذریعہ کسانوں میں بیداری پیدا کرنے کے مقصد سے محکمہ کے ذریعہ 15-2014 میں زرعی مشین کاری سے متعلق ذیلی مشن کی اسکیم شروع کی گئی ہے۔

☆☆☆

مقصود خاں

سانسد آدرش گرام یوجنا

ایک جائزہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ملک کی ترقی کا انحصار گاؤوں کی ترقی پر ہے۔ جب تک ہمارے گاؤں میں ترقی نہیں ہوگی، ملک ترقی کی جانب گامزن نہیں ہوسکتا۔ چوں کہ ہمارے ملک کی بیشتر آبادی گاؤں میں بستی ہے۔ لوگ کھیتی باڑی اور چھوٹے موٹے کام کر کے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں شہروں کی چکا چوندھ ہمیشہ سے مشہور کرتی رہی ہے۔ گاؤوں میں ترقی بھی ہوئی لیکن گاؤوں اب بھی شہر کے مقابلے کافی پچھڑے ہوئے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہورہا ہے کہ گاؤں سے شہروں کی جانب لوگوں کی ہجرت کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ اس سے ایک پریشانی یہ ہورہی ہے کہ شہروں میں وسائل کی تنگی پیش آرہی ہے، لہٰذا حکومت کوشش کررہی ہے کہ گاؤں سے شہر کی جانب لوگوں کی ہجرت کا سلسلہ کم ہو۔ گاؤں کے لئے تمام حکومتوں نے اسکیمیں بنائیں اور اس پر عمل درآمد بھی کیا لیکن کچھ خاص اثر نہیں ہوا۔ آج بھی گاؤوں میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے۔ لیکن موجود حکومت اب گاؤوں میں تمام سہولیات مہیا کرانا چاہتی ہے۔ خواہ صفائی ستھرائی ہو، پینے کا پانی، اسکول کالج، پنچایتی راج، ترقی کے کام وغیرہ یا دوسری سہولیات سب گاؤں میں مہیا کرانے کے لئے حکومت پرعزم ہے۔

موجودہ حکومت نے گاؤں کا نقشہ بدلنے کے لئے ایک سنہری اسکیم شروع کی ہے جس کا نام ہے سانسد آدرش گرام یوجنا۔ واضح رہے کہ حکومت کی یہ ایسی اہم اسکیم ہے جس سے امید کی جاسکتی ہے کہ دیہی منظر نامہ میں انقلابی تبدیلی آئے کیوں کہ اب اس کی ذمہ داری ارکان پارلیمنٹ کو خاص طور پر سونپی گئی ہے۔

سانسد آدرش گرام یوجنا کے تحت ہر ممبر پارلیمنٹ کو 2019 تک تین گاؤوں میں طبعی اور ادارہ جاتی ڈھانچے کو فروغ دینے کی ذمہ داری نبھائیں گے۔ ان میں سے ایک گاؤں کا ہدف 2016 تک پورا کرنا ہے۔ 2019 تک مزید دو گاؤوں کو آدرش یوجنا کے تحت فروغ دینا ہے۔ یہ اسکیم پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبران کے لئے ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ ممبر پارلیمنٹ اپنے حلقہ انتخاب سے ایک گاؤں کی نشاندہی کریں۔ میدانی علاقوں میں 3000 سے 5000 اور پہاڑی خطوں میں 1000 سے 3000 کی آبادی والے ان گاؤں کو 2016 تک آدرش گاؤں کی شکل میں ترقی دی جائے گی اور 2019 تک دو مزید گاؤں کو آدرش گرام سانسد یوجنا کے طور پر فروغ دینا شامل ہے۔

سانسد آدرش گرام یوجنا چار بنیادی اصولوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ذاتی، انسانی، اقتصادی اور سماجی۔ ذاتی پیمانے پر صفائی ستھرائی، ثقافتی، وراثتی اور رویہ میں تبدیلی شامل ہے۔ انسانی پیمانے میں تعلیم، صحت، تغذیہ اور سماجی تحفظ شامل ہیں۔ اقتصادی پیمانے پر ترقی مثال کے طور پر روزی روٹی، ہنرمندی، مالی شمولیت، بنیادی سہولیات/خدمات اور سماجی سطح پر صفائی ستھرائی کی خدمت کا جذبہ، سماجی اقدار/اصول، سماجی انصاف اور اچھی حکمرانی شامل ہوں گے۔ ماحولیاتی ترقی، سماجی تحفظ، گڈ گورننس اور بنیادی سہولیات/خدمات جیسے ترقی کے دیگر پیمانے بھی اس اسکیم میں شامل ہیں۔ انسانی ترقی کے مورچہ پر بنیادی

حکومت نے گاؤں کی ترقی کا یہ جو نیا انداز سانسد گرام آدرش یوجنا کی شکل میں اپنایا ہے، اس سے امید کی جاتی ہے کہ مہاتما گاندھی نے گاؤں کی ترقی کا جو خواب دیکھا تھا، اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آگیا ہے۔

D-23، فلیٹ نمبر 8، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔25

صحت سہولیات تک رسائی جیسے اسباب کو بھی سانسد آدرش گرام یوجنا میں شامل کیا گیا ہے۔اس میں ہیلتھ کارڈ اور ڈاکٹری جانچ، صنفی مساوات کا توازن، بچوں، حاملہ خواتین پر خصوصی توجہ دینا بھی شامل ہے۔ دسویں کلاس تک تعلیم کے لئے وسیع رسائی، اسکولوں کو اسمارٹ اسکول میں بدلنا تاکہ اطلاعاتی تکنیک کا اہل بنایا جاسکے، ای- لائبریری، فائدہ مند تعلیم دلانے کے لئے ویب پر مبنی تعلیم، تعلیم بالغان، ای- خواندگی اور ای- لائبریری سمیت دیہی لائبریری بھی انسانی ترقی کے حصے ہوں گے۔

وزیراعظم نریندر مودی نے اس یوجنا کا آغاز کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے اچھی سیاست کے دروازے کھلیں گے۔ انہوں نے تمام ممبران پارلیمنٹ سے ترقی کے لئے ایک گاؤں کو منتخب کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ یہ ترقی فراہمی پر مبنی ماڈل کے بجائے مطالبہ اور ضرورت نیز عوامی شرکت پر مبنی ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ گاؤں میں اکثر ترقی کا انحصار سپلائی پر ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا کی تین منفرد خصوصیات ہونی چاہئیں۔ ایک مطالبہ پر مبنی ہو، دوسری سماج کی طرح سے حوصلہ افزائی ہو اور تیسری اس میں عوامی کی شرکت ہو۔ وزیراعظم نے کہا کہ جمہوریت اور سیاست کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ منصوبہ اچھی سیاست کی جانب بڑھنے کی ترغیب دے گا۔ اسکیم کے رہنما خطوط جاری کرنے کے بعد وزیراعظم نے کہا کہ آزادی کے بعد تمام حکومتوں نے دیہی ترقی کے لئے کام کیا ہے۔ ان میں وقت کے ساتھ ساتھ ترمیم کی جانی چاہئے تاکہ دنیا میں آنے والی تبدیلیوں کے مطابق آگے بڑھا جاسکے۔

انہوں نے کہا کہ اگرچہ ملک بھر میں سرکاری اسکیموں پر کام کیا جارہا ہے لیکن ہر ریاست میں کچھ ہی ایسے گاؤں ہیں جن پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان گاؤں میں قیادت اور عوام نے سرکاری اسکیموں کے علاوہ کچھ اضافی کوششیں کی ہیں۔ وزیراعظم نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا کے پیچھے بھی کچھ اضافی کوشش کئے جانے کا احساس ہے۔ وزیراعظم نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا اراکین پارلیمنٹ کی قیادت میں کام کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ 2016 تک رہنما ایک ایک گاؤں تیار کریں گے اور بعد میں 2019 تک دو مزید گاؤں کی ترقی کے لئے کام کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ اگر ریاستی حکومتیں بھی اراکین اسمبلی کو اس منصوبے کے لئے کام کرنے کی حوصلہ افزائی کریں تو اس وقت کی حد میں پانچ سے چھ مزید مثالی گاؤں کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہر بلاک میں ایک مثالی گاؤں تعمیر کیا جاتا ہے تو اس کا بلاک دیگر گاؤں پر دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ وزیراعظم نے کہا کہ ممبر پارلیمنٹ اپنے علاقے میں کوئی بھی گاؤں منتخب کرنے میں آزاد ہوں گے مگر اپنا گاؤں یا اپنے سسرال کے گاؤں کو منتخب نہیں کرسکیں گے۔ انہوں نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا ترقی کے تئیں لچک دار نقطۂ نظر پیش کرے گی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ مثالی گاؤں، دیہی ترقی کے بارے میں سیکھنے کے خواہش مند لوگوں کے لئے زیارت گاہ بن جائیں گے۔ وزیراعظم نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا کے تحت فی الحال تین گاؤوں کو لیا جارہا ہے۔ 2016 تک جب ایک ماڈل کا گاؤں کھڑا ہوجائے تو اس کے تجربہ کی بنیاد پر 2019 تک دو اور گاؤں ہوجائیں اور بعد میں ہر سال ایک گاؤں سانسد گود لیں۔ ہم تقریباً 800 ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ اگر 2019 کے پہلے ہم تین تین گاؤں کا انتخاب کرتے ہیں تو ڈھائی ہزار گاؤں تک پہنچ جائیں گے۔

وزیراعظم نریندر مودی کی تقریر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سانسد آدرش گرام یوجنا حکومت کی بہت اہم اسکیم ہے۔ وزیراعظم کی بات پر عمل کرتے ہوئے بہت سارے ممبران پارلیمنٹ نے اسے اپنالیا ہے اور ابھی بھی بہت سے ارکان کو اس سمت میں قدم آگے بڑھانا ہے۔ دیہی ترقی وزیر مملکت سدرشن بھگت کے مطابق سانسد آدرش گرام یوجنا (ایم پی مثالی گاؤں منصوبہ) کے تحت اب تک 95 ممبران پارلیمنٹ نے گاؤں گود نہیں لیا ہے۔ ایم پی مثالی گاؤں منصوبہ کے ہدایات کے مطابق اس منصوبہ کے تحت گرام پنچایتوں کے تعین کو کے سلسلے میں ممبران پارلیمنٹ کو کئی بار خط لکھے گئے ہیں۔

دیہی ترقی کی وزارت نے ریاستی حکومتوں سے درخواست کی تھی کہ وہ ہر پارلیمنٹ رکن کی طرف گرام پنچایتوں کے تعین کو یقینی بنائے۔ قابل ذکر ہے کہ لوک سبھا کے 543 رکن ہیں جبکہ راجیہ سبھا میں کل ارکان کی تعداد 245 ہے جن میں 10 نامزد رکن شامل ہیں۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا گاؤں کی ترقیاتی پروگرام ہے جس کے لے ہر ممبر پارلیمنٹ 2019 تک تین گاؤں کو فروغ دینے میں مدد کرے گا جس میں ایک ایک گاؤں کو 2016 تک ترقی دی جائے گی۔

سانسد گرام آدرش یوجنا لوک نائک جے پرکاش نارائن کے یوم پیدائش پر شروع کی گئی تھی۔ اس کا مقصد ہندوستان کی روح کو زندہ رکھنا اور اس کے عوام کے بنیادی ضروریات اور مواقع تک رسائی فراہم کرنا ہے تاکہ وہ اپنی تقدیر کو سنوارنے کے قابل بن سکیں۔ مہاتما گاندھی کے اصولوں اور اقدار سے متاثر یہ یوجنا یکساں طور پر قومی وقار اور حب الوطنی، جذبۂ اخوت اور خوداعتمادی کے اقدار کو فروغ دینے اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی پر زور دیتی ہے۔

سانسد آدرش گرام یوجنا پر اظہار خیال کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے کہا کہ این آئی ٹی کو کم سے کم ایک گاؤں کو اپنا کر اسے ماڈل گاؤں میں تبدیل کرنا چاہئے تاکہ اسے پورے ملک میں دوہرایا جاسکے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو دوسرے مرکزی اداروں سے ماہرین کو مختلف مسائل کا حل تلاش کرنا چاہئے۔ صدر جمہوریہ این آئی ٹی اداروں سے ملک میں ڈیجیٹل، دیہی اور شہری اور معاشی عدم مساوات کو ختم کرنے کے لئے بالخصوص حکومت کی جانب شروع کئے گئے میک ان انڈیا اور ڈیجیٹل انڈیا کے اقدامات کی روشنی میں آگے آنے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ این آئی ٹی کو دیہی اختراعات، مقامی اور عالمی درجے کی مینوفیکچرنگ کے درمیان رابطے بڑھانے کے لئے کچھ اہلکار کی ضرورت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ سانسد آدرش گرام یوجنا کے تحت چوطرفہ ترقی کے لئے گاؤں کو گود لے کر انہیں مثالی گاؤں میں تبدیل کرنا ہے۔

حکومت نے گاؤں کی ترقی کا یہ جو نیا انداز سانسد گرام آدرش یوجنا کی شکل میں اپنایا ہے، اس سے امید کی جاتی ہے کہ مہاتما گاندھی نے گاؤں کی ترقی کا جو خواب دیکھا تھا اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آگیا ہے۔☆

محمد فوزان

علم طاقت ہی نہیں، لازوال دولت

علم ایسی چیز نہیں جس کی فضیلت اور خوبیاں بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ علم ایک بہت بہترین شے ہے، ایک طاقت ہی نہیں، لازوال دولت بھی ہے۔ ہر قوم کی تعمیر و ترقی کا انحصار تعلیم پر ہوتا ہے۔ تعلیم ہی قوم کے احساس و شعور کو نکھارتی ہے اور نئی نسل کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھاتی ہے۔ تعلیم، شخصیت سازی اور افراد سازی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے کسی بھی ملک کا حال اور مستقبل وابستہ ہے۔ تعلیم ہی وہ شے ہے جس سے ایک انسان عقل و شعور کا مالک بنتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے ہی انسان میں مہارت اور صلاحیت اجاگر ہوتی ہے۔ علم کے حصول سے زندگی سہل ہونے کے ساتھ ساتھ شعور کے دریچے کھلتے ہیں جس سے اچھے اور برے میں تمیز کی جاسکتی ہے۔

کسی بھی ملک کی سربلندی اور ترقی کا انحصار اس کے عوام کے تعلیمی اور شعوری تناسب پر ہوتا ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد ایک متوازن شخصیت کی تشکیل اور نظام تعلیم کا بنیادی مقصد ایک متوازن معاشرے کی تعمیر ہوتا ہے۔ بہترین تعلیم و تربیت، کردار سازی اور جدید علم و فنون سے آگاہی دورِ جدید کی ضرورت اور کسی بھی ملک کی ترقی کی ضامن ہے۔ قوموں کی بقاء اور ترقی کے لئے تیزی سے بدلتی ہوئی مسابقتی دنیا میں اعلیٰ تعلیم اور ٹیکنالوجی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فنی تعلیم اور دیگر تعلیمی انسانی وسیلے کامیاب ترقی کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

1036، راجن اسٹریٹ، فراش خانہ۔ دہلی۔110006

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی ملک نے اس وقت تک ترقی نہیں کی جب تک اس ملک میں شرح خواندگی کم سے کم 40 فی صد تک نہیں پہنچ گئی۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب اس وقت شروع ہوا جب وہاں پڑھے لکھے افراد کی تعداد 40فی صد تک ہوگئی۔ فرانس میں انیسویں صدی کے وسط میں شرح خواندگی انگلستان کے مقابلے میں زیادہ تھی اور یہ ہی فرانس کی ترقی کا زمانہ تھا۔ امریکہ کے قومی اثاثوں میں 21 فی صد اضافہ تعلیم کی وجہ سے ہوا۔ جاپان کی قومی دولت میں تعلیم کی وجہ سے ہر سال 25فی صد اضافہ ہو رہا ہے۔

تعلیم سے متعلق شعبوں کو ترقی کی بنیاد بناکر ہندوستان نے جن اونچائیوں کو سر کیا۔ اس کا موجودہ ہندوستان جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ عظیم الشان جمہوریت کا مالک ہونا، اپنی ایک منفرد شناخت رکھنا اور ہر شعبے میں قابل تعریف ترقی کرنا، کوئی معمولی بات نہیں کہی نہیں جاسکتی۔ بہت کچھ بدلا ہے ان گزشتہ 68سال میں۔ آزادی کے بعد ہندستان نے تعلیم، زراعت، معیشت، سائنس اور کھیل وغیرہ کے میدانوں میں بے شمار ترقی کی منازل تیزی سے طے کی ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہمارا ملک کئی میدانوں میں دوسرے ممالک سے ابھی بھی اپنا مقام بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

آزادی سے قبل اگر تعلیم کے شعبہ پر نظر ڈالیں تو ہندوستان میں جو نظام تعلیم تھا اس میں بڑے بڑے اسکول، یونیورسٹیوں کا فقدان تھا۔ لیکن جب سے ہندوستان نے آزادی حاصل کی ہے، تعلیم خصوصی اہمیت کا مرکز رہا ہے۔ تعلیم کے شعبہ کو بہتر بنانے کے لئے کئی بنیادی باتوں کو لازمی بنا کر ان پر عمل کیا جارہا ہے۔ ملک کے ہر 6 سال سے 14 سال کے بچے کو مفت تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔ ہر بچہ پہلی سے آٹھویں تک مفت اور لازمی طور سے پڑھے گا، تمام بچوں کو اپنے آس پاس کے اسکول میں داخلہ لینے کا اختیار ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ قانون پرائیویٹ اسکولوں پر بھی لاگو ہوگا۔ تعلیم کے حق کے تحت ریاستی حکومتوں کو یہ یقینی بنانا ہوگا کہ ان کی ریاست میں بچوں کو مفت لازمی تعلیم حاصل ہوسکے۔ ماضی کی طرف نظر دوڑائیں تو آج اور کل میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ہندستان کہاں تھا اور اب کہاں ہے۔ جس تیزی سے ہندستان نے آزادی کے بعد ہر شعبے اور خاص کر تعلیمی میدان میں ترقی کی ہے وہ قابل ذکر ہے۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد سے ہی تعلیمی سرگرمیوں کا ایک بامعنی اور چیلنج سے بھرپور دور کا آغاز ہوگیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے سامنے تعلیم کا میدان ایک ایسا میدان تھا جہاں ہندوستان کو اپنا روشن مستقبل طے کرنا تھا۔ اُس دور کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم تھی۔ تعلیم کے سیکٹر میں رہنما پروگراموں کا آغاز کیا گیا۔ اس سے قبل تعلیم کے میدان میں اتنی گنجائش اور وسیع میدان نہیں تھا جتنا آج کے دور میں ہے۔ نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنی تعلیم کی اہمیت کو بھی سمجھا گیا اور تعلیم کے رہنما اصول بنائے گئے۔ صنعتی اور پیشہ وارانہ تعلیم پر خاص توجہ دی گئی۔ یہ اس دور کی ایسی ضرورت تھی جس کے بغیر ترقی و

خوشحالی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امر انتہائی خوش آئندہ اور حوصلہ افزا ہے کہ موجودہ حکومت نے تعلیم کو ملک وقوم کے مفادات کے تناظر میں حقیقت پسندانہ خطوط پر استوار کرنے، خواندگی کی شرح میں اضافے کرنے، معیاری پرائمری اور ثانوی و اعلی تعلیم اور تحقیقی شعبوں کو فروغ دینے کا عزم کیا ہے۔ یہی نہیں سائنس وٹکنالوجی، تحقیق اور فنی و پیشہ وارانہ تعلیم کے فروغ کیلئے نجی شعبے کی کاوشوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔

کوئی بھی ملک مستحکم انسانی وسیلے کی بنیاد اور تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ ایک زمانہ تھا جب علم حاصل کرنے کیلئے منظّم درس گاہیں نہ تھیں۔ موجودہ دور میں تعلیم اور ہنر کو کسی بھی قوم کی ترقی اور خوشحالی میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک اس کی نہایت واضح اور روشن مثال ہیں۔ تعلیم صرف تعلیم حاصل کرنے والے کو ہی فیض نہیں پہنچاتی بلکہ یہ سوسائٹی کی نشو ونما میں بھی مدد کرتی ہے۔ یہ قومی آمدنی اور ثقافتی خوشحالی کو بڑھاتی ہے اور حکومت کی انتظامی صلاحیت بڑھاتی ہے۔ خواندگی نہ صرف ایک حق ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس صورت میں شہری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور اپنے حق سے صحیح طور پر استفادہ کرتے ہیں۔

آج کے اس ترقی کے دور میں ہندوستان نے روزگار کے کثیر مواقع فراہم کرنے، بے روزگاری کی لعنت کو ختم کرنے، سب کو روزگار'' جیسے پلان تیار کئے۔ آج ہندوستان کا ان ممالک میں شمار ہوتا ہے جو نیوکلیائی طاقت رکھتے ہیں۔ ہندوستان نے اپنا دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی معیشت کو مستحکم کیا تو وہی دوسری طرف صنعت، زراعت اور گھریلو پیداوار کو فروغ دینے کیلئے راستے ہموار کئے۔ چھوٹی گھریلو صنعتوں کو بڑھاوا دیا گیا۔ آج کے اس ترقی کے دور میں جب انسان اپنی معاشی مسائل حل کرنے کی خاطر مختلف کاموں کو سرانجام دے رہا ہے ایسے مصروف بھرے دور میں اپنی تعلیم کو جاری رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فاصلاتی تعلیم کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ اس نظام کے تحت، جو شخص مزید تعلیم کا خواہشمند ہے۔ فاصلاتی نظام تعلیم اسے مزید تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کراتی ہے تاکہ وہ اپنے پیشہ کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم مکمل کرسکے۔ ہندوستان میں اگرچہ فاصلاتی نظام تعلیم کو پسند کرنے والوں کی تعداد کم ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نظام کی بدولت ہزاروں لاکھوں تعلیم پانے کے خواہشمند شہری مستفید ہوچکے ہیں۔ فاصلاتی تعلیم کی سب سے زیادہ ضرورت ہمارے ملک کو ہے کیونکہ بہت سے لوگ جو اپنی معاشی مجبوریوں اور وسائل کی کمی وجہ سے باقاعدہ تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے، مزید تعلیم حاصل کرسکیں۔ دیہات میں رہنے والی بہت سی خواتین جن کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق اور جذبہ ہے وہ رسم و رواج کی عائد پابندی کی وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکل سکتیں، وہ خاص طور سے اس ذریعہ تعلیم کی بدولت اپنی فکر اور شعور کو وسعت دے سکتی ہیں۔

بہت سے افراد نامساعد حالات کی وجہ سے ترقی نہیں کرپاتے۔ اس کی بنیادی وجہ دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ تعلیم کی کمی بھی ہے اسی لئے تعلیم کو بلاشبہ ترقی کا زینہ قرار دیا جاسکتا ہے چونکہ تعلیم کا تعلق براہ راست ہنرمند و تعلیم یافتہ افرادی قوت کی فراہمی سے ہوتا ہے۔ موجودہ پیشہ وارانہ ترقی کے دور میں باصلاحیت افراد کی بہت ضرورت ہے۔ جو صرف اعلی تعلیم حاصل کرنے سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں۔ تعلیم انسان کی صلاحیتوں کو نکھارتی ہے۔ اس سے لوگ دنیا میں ہونے والے تیز تر تبدیلیوں کے ساتھ بہتر طور پر رہنا سیکھتے ہیں۔ روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی نے نہ صرف بہت سے مسائل میں اضافہ کیا ہے بلکہ فروغ تعلیم میں بھی رکاوٹوں کا باعث بن رہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حکومت نے غریب طبقوں سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کیلئے ماہوار وظیفے بھی مقرر کئے اور انہیں مفت نصاب بھی فراہم کیا ملک کی بڑی آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے جہاں بنیادی تعلیم کا فقدان ہے تو معیاری تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تعلیم ایک بنیادی انسانی حق ہے، لیکن ملک میں بچوں کی ایک غیر معمولی تعداد مختلف وجوہات کی بناء پر تعلیم حاصل نہیں کرپاتی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک کے غریب بچے جو گاؤں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں اور پرائمری کی سطح تک پہنچتے ہوئے زیر تعلیم بچوں کی نصف تعداد اسکول چھوڑ دیتی ہے۔

تعلیم بطور مراعات نہیں بلکہ اس کی حیثیت کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے یعنی ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے معیاری تعلیم کا یکساں موقع فراہم کیا جائے۔ تعلیم حاصل کرنا صرف لڑکوں کے لئے ہی نہیں بلکہ لڑکیوں کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم پر دھیان نہ دینا ہی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ اس سے خواندگی کی صورتحال بھی بہتر ہوگی۔ چنانچہ نوجوان لڑکیوں کی تعلیم اور ترقی پر سرمایہ کاری کے ذریعے غربت پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ ایسے میں جبکہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ لڑکیوں کی ولادت معاشرے پر بوجھ ہے نیز لڑکا غربت میں اپنے خاندان کے کام آئے گا تو عالمی سطح پر ترقی پذیر اور غریب ملکوں میں بسی ہوئی 60 کروڑ نوجوان لڑکیوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ تعلیم سے متعلق ایسے پروگراموں پر کام کئے جارہے ہیں جس کا مقصد غریب اور ترقی پذیر ملکوں کی لڑکیوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے قابل بنانا ہے۔ ایسے پروگراموں کے ذریعے انھیں تعلیم کے ساتھ وہ مہارت بھی مہیا کرنا ہے جس کے ذریعے وہ ملازمت حاصل کرسکیں۔

اگر تعلیم کے شعبہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شہری علاقوں میں جہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بے شمار سہولیات ہیں وہیں آج بھی دیہی علاقوں میں تعلیم کا معیار قدرے بہتر نہیں ہے جس طرح شہروں میں ہے۔ جہاں پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے تمام سہولیات فراہم کرائی جاتیں، وہی دیہی اسکولوں میں عموماً ان کا فقدان ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں جس طرح تعلیم کا معیار ہے اسے اور بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے لیکن حکومت نے اس سمت میں بہت جامع پالیسیاں مرتب کی ہیں۔

سرکاری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان کے معیار کو نجی اسکولوں کے معیار کے برابر لاکر ہی ان علاقوں میں تعلیم کو عام کیا جاسکتا ہے۔ نجی اسکولوں کو دائرہ کار میں

لاکران کے نصاب اور فیسوں کو سرکاری اسکولوں کے برابر کرنا چاہیے تاکہ ملک میں جو نئی نسل تیار ہو ان کے ذہن، اقدار، اور سوچ منفی نہ ہو بلکہ ان میں قومی ترقی کا ایک جیسا جذبہ پیدا ہو سکے۔ ان تعلیمی اداروں کا مقصد تعلیم برائے تعلیم نہیں ہے 'صرف ڈگریوں اور اسناد کا جاری کرنا نہیں بلکہ اس کا بنیادی مقصد طالب علم کو ایک مثبت سوچ کا حامل اور ایک اچھا شہری بنانا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کے وہ والدین جو اپنے لڑکوں کی تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے ہیں لیکن لڑکیوں پر توجہ نہیں دیتے' انہیں چاہئے۔ لڑکیوں کو بھی علم کی راہوں سے روشناس کروائیں۔ یاد رہے کہ جس قوم کی بیٹی پڑھی لکھی ہوتی ہے اس قوم کی اخلاقی بنیادیں بھی مضبوط ہوتی ہے۔

تعلیم حاصل کرنے کا مقصد زندگی کی حقیقتوں سے آنکھیں چرانا اور خوابوں کی زندگی اختیار کرنا نہیں ہونا چاہئے بلکہ برسر زمین حقائق پر نظر رکھتے ہوئے ایسی تعلیم و تربیت ہو کہ خوبیوں اور خامیوں پر نظر کے ساتھ تعمیری صلاحیتیں ملک وقوم کے کام آسکیں۔ اقوام متحدہ کے تعلیم، سائنس اور ثقافتی ترقی کے ادارے یونیسکو کا مطالبہ ہے کہ دنیا بھر میں بچوں کو بنیادی تعلیم مفت فراہم کی جانی چاہئے۔ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ہر سال قریب 13 بلین یورو کی رقم درکار ہے۔ تاہم تعلیم کے لیے صرف پیسے ہی کی ضرورت نہیں ہوتی، اصل سوال یہ ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں تعلیم کی صورتحال کس طرح بہتر بنائی جائے۔ ترقی پذیر اور ترقی کی طرف گامزن ممالک میں 61 ملین بچے ابھی بھی تعلیم سے محروم ہیں۔

درج بالا حقائق اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ سماجی اور معاشی ترقی کے حصول کے لیے تعلیم کے بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے کیونکہ معاشرتی ترقی کا تصور تعلیمی ترقی کے بغیر ناممکن ہے۔

☆☆☆

قومی سیاحت بورڈ کا قیام

☆ ثقافت اور سیاحت کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) ڈاکٹر مہیش شرما نے سوال کے تحریری جواب میں راجیہ سبھا کو بتایا کہ گزشتہ دو سال کے دوران ہندوستان میں غیر ملکی سیاحوں کی آمد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزارت نے نیشنل ٹورزم اتھارٹی / بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا ہے جس میں غیر ملکی سیاحوں کی تمام تفصیلات درج ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ سیاحت کی وزارت فی الحال نیشنل ٹورزم پالیسی 2015 تشکیل دینے کے عمل سے گزر رہی ہے۔ اس کا مقصد دنیا کے سیاحوں کو یہ بتانا ہے کہ ہندوستان سیر و سیاحت کا اہم مرکز ہے۔ اس کے تحت ہندوستانیوں کی اس بات کے لئے حوصلہ افزائی کرنا ہے کہ سیاحت اقتصادی شرح نمو کی ایک اہم کڑی ہے۔

بدھسٹ سرکٹوں کا فروغ

☆ تہذیب وثقافت اور سیاحت کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) اور شہری ہوابازی کے وزیر مملکت ڈاکٹر مہیش شرما نے اپنے تحریری جواب میں راجیہ سبھا کو بتایا کہ وزارت سیاحت نے سیاحوں کے تجربات میں اضافے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی غرض سے تمام شرکاء کی ضروریات اور تشویشات پر توجہ کی کوششوں سے سیاحت کی اہمیت، مقابلہ اور مربوط طریقے سے پائیداری کے اصولوں پر ٹورسٹ سرکٹوں پر مبنی نظریئے کے فروغ کے خواب کے ساتھ 15-2014 میں سودیش درشن اسکیم شروع کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وزارت نے سودیش درشن اسکیم کے تحت فروغ دیئے جانے والے 12 ٹورسٹ سرکٹوں میں سے ایک کے طور پر بدھسٹ سرکٹ کی شناخت کی گئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وزارت سیاحت ریاستی حکومتوں / مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی انتظامیہ کو ان کے ساتھ صلاح ومشورے سے بدھسٹ سرکٹ سمیت سیاحتی پروجکٹوں کے لئے مرکزی مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ سال 15-2014 کے دوران آندھرا پردیش میں عالمی معیار کے ساحلی اور اقتصادی ٹورزم سرکٹ کے طور پر کاکی ناڑا ہوپ آئی لینڈ، کونا سیما کو فروغ دینے کے لئے 69.83 کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ ارونا چل پردیش میں بھالک پونگ۔ بوڈ پلا۔ توانگ پروجیکٹ کے لئے پچاس کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں جبکہ بہار میں بودھ گیا میں کلچرل سینٹر کے لئے 33.17 کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ سال 16-2015 میں منی پور میں امپھال۔ مورنگ۔ کھونگ جوم۔ مورہ ٹورسٹ سرکٹ کے فروغ کے لئے 89.66 کروڑ روپے، سکم میں رنگ پو۔ روراتھنگ۔ اریتار۔ پھدمچین۔ نتھنگ۔ شیراتھنگ، سون گمو، گنگٹوک، پھوڈونگ، مانگن، لاچنگ۔ یمتھنگ۔ لاچن۔ تھنگو۔ گورودونگمر۔ مانگن۔ گنگٹوک۔ تومن لنگی۔ سنگتم کو باہم مربوط کرنے کے لئے 98.05 کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ راجستھان میں سودیش درشن اسکیم کے تحت سمبھر لیک ٹاؤن اور دیگر سیاحتی مقامات کو فروغ دینے کے لئے 63.96 کروڑ روپے جاری کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ناگالینڈ میں پیرن۔ کوہیما۔ ووکھا میں قبائلی سرکٹ کو فروغ دینے کے لئے 97.36 روڑ روپے جاری کئے گئے ہیں۔

قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات کی سفارشات

☆ سماجی انصاف اور تفویض اختیارات کے وزیر مملکت مسٹر کرشن پال گرجر نے ایک سوال کے تحریری جواب میں راجیہ سبھا کو بتایا کہ این سی بی سی نے اپنی 26 اکتوبر، 2015 کی رپورٹ میں کہا ہے کہ اراکین پارلیمنٹ کے بچے کریمی لیئر کے تحت آنے چاہئیں جبکہ اراکین اسمبلی اور قانون ساز کونسل کے اراکین (ایم ایل سی) کے بچوں کو کریمی لیئر کے تحت نہیں لایا جائے اور ان پر اخراج کے ضابطے نافذ نہیں ہونے چاہئیں۔ این سی بی سی نے اپنی مذکورہ رپورٹ میں ''کریمی لیئر میں کون آتا ہے'' کے عنوان سے مجوزہ شیڈیول زمرہ 1 میں اس موضوع پر اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''آئینی عہدہ / مرتبہ رکھنے والے افراد / مرکزی / ریاستوں کے وزراء اور سٹنگ ایم پی وغیرہ کریمی لیئر کے تحت آتے ہیں۔''

☆☆☆

رسائل و جرائد

☆محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ، اتر پردیش سے شائع ہونے والا رسالہ **نیا دور** کسی تعارف کا محتاج نہیں۔اس رسالہ نے وقتاً فوقتاً عظیم شخصیات پر خصوصی نمبرات پیش کرکے قارئین سے داد وتحسین حاصل کی ہے۔اس کے خصوصی شمارے ادبی صحافت کی روایت بن چکے ہیں۔ اب اس نے علی برادران کے علمی، ادبی، سماجی اور تعلیمی کارناموں بشمول تحریک آزادی اور تحریک خلافت سے متعلق ان کی مختلف سرگرمیوں اور بیش بہا خدمات کو علی برادارن نمبر کے طور پر پیش کیا ہے۔یہ شمارہ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نیز بی اماں کی خدمات اور قربانیوں پر مشتمل مضامین کی وجہ سے دستاویزی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔وقت کی ضرورت بھی ہے کہ نئی نسل کو ان عظیم شخصیات کے کارہائے نمایاں سے واقف کرایا جائے کیوں کہ وہ قوم مردہ ہوجاتی ہے جو اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش کردیتی ہے۔رسالہ کے مدیر ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی اداره میں رقم طراز ہیں: ''تاریخ کے نہاں خانوں میں انسانی تمدن وتہذیب اور اس کے ایثار وقربانی کے ایسے لاتعداد واقعات وباقیات آج بھی موجود ہیں جن کا تذکرہ سیکڑوں سال بعد بھی صرف انسانی فکروں کو مہمیز ہی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے دلوں کو وفور حریت اور جذبہ ایثار وقربانی سے لبریز کردیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قوموں کو اپنے بزرگوں کے کارناموں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور ان سے وابستہ واقعات سے آنے والی نسلوں کو باخبر کرتے رہنا چاہئے۔اس کے ذریعہ نوجوان نسل کی ذہن سازی اور ان کے اندر جذبہ عبرت وحمیت کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ایسا نہ کرنے کی صورت میں قوم وملت ایک ایسے عظیم سرمایہ سے محروم ہوجاتی ہے جس کی تلافی صدیوں بعد بھی نہیں کی جاسکتی''۔اس خاص نمبر میں 'میرے لہو کے نصابوں کے درمیاں ہے ماں' کے تحت بی اماں پر ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں، جمال نصرت، ایس ایم عباس، حکیم محمد ایوب تیاگی، وصی اللہ حسینی، نصرت ناہید، صدف اقبال، رعنا رحمت، ڈاکٹر خورشید جہاں اور شفیق احمد کے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔نایاب ہیں ہم' کالم کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر شارب ردولوی، وقار ناصری، حسن عباس فطرت، سہیل انجم، مولانا مسعودی علی ندوی، رئیس احمد جعفری، قاری عباس حسین دہلوی، ڈاکٹر عباس حسین دہلوی، ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی، حافظ فیاض احمد وغیرہ کے افکار وخیالات کو جگہ دی گئی ہے۔ہم نفسان رفتگاں کالم کے تحت ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی، محمد اعظم خان، شمیم طارق، سلمان علی خاں، ڈاکٹر جمال رضوی، سید جرار رضا جائسی، رئیس انصاری، آصف علی، محمد نسیم الدین، ڈاکٹر سلیم احمد وغیرہ کے مضامین شامل اشاعت ہیں۔ وہ صدا جو اجالوں کی بازگشت میں ہے' کے تحت نذر الحفیظ ندوی ازہری، چودھری علی مبارک، احمد ابراہیم علوی، ڈاکٹر منور حسن کمال، ڈاکٹر کشور سلطانہ، ساجدہ قریشی، عبدالحئی اور معصوم عزیز کاظمی کے مضامین شامل ہیں۔اس کے علاوہ ابلاغ وترسیل اور منظوم خراج عقیدت بھی اس شمارہ کی جان ہے۔

ابتدا میں وزیر اعلی اتر پردیش اکھلیش یادو، وزیر شہری ترقیات محمد اعظم خان، وزیر صحت وخاندانی بہبود احمد حسن، انفارمیشن ایڈوائزر اے ایم خان، آئی اے ایس آلوک رنجن، چیف سکریٹری نونیت سہگل اور پبلشر آشوتوش نرنجن کے پیغامات رسالہ کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ 304 صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر نہ صرف اپنے مشمولات اور ظاہری ومعنوی حسن کے سبب لائق مطالعہ ہے بلکہ علی برادران کو بہترین خراج عقیدت ہے۔ ٹائیٹل علی برادران اور بی اماں کے عمدہ ترین خاکہ سے مزین ہے۔اس کے نیچے تحریر ہے: ہماری ماں نے ہم کو زندہ رہنے اور آزادی سے زندگی گزارنے کا سبق دیا: مولانا شوکت علی۔ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی خوب صورت ماں ہے: مولانا محمد علی۔کور II پر مولانا شوکت علی کا یادگار اسکیچ نیز کور III پر مولانا محمد علی جوہر کی نایاب تصویر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف صفحات پر علی برادران کی کمیاب تصاویر پیش کرکے ادارہ نے بہت اہم کام انجام دیا ہے۔اتنا شاندر رسالہ نکالنے پر ادارہ نیا دور کو مبارک باد۔

☆کلکتہ سے شائع ہونے والا رسالہ **صورت** کا گیارہ نمبر 11 انتہائی خوب صورت اور دیدہ زیب شکل میں منظر عام آیا ہے۔ سرورق جدید فکروفن کے غزل گو شاعر افتخار راغب کی تصویر سے مزین ہے۔اندرونی صفحات پر ان کی متعدد غزلیں رنگین صفحات پر پیش کی گئی ہیں۔ مدیر رسالہ عمران رقم نے اداریہ میں جشن اقبال کا تاریخ ساز انعقاد عنوان سے طویل اداره تحریر کیا ہے۔یہ رسالہ دیگر ادبی رسالوں سے قدرے منفرد اور جدا ہے۔ اس میں فلمی دنیا کے کالم کے تحت کئی مضامین دیئے گئے

ہیں جن میں دلیپ کمار سے فلم وادب پر گفتگو (نثار احمد صدیقی) مینا کماری ایک حساس ادارہ وشاعرہ (ادارہ) فلموں میں جادوگری کا حال (عبدالستار) عید کے موقع پر ناظرین کو بجرنگی بھائی جان کا تحفہ (شکیل الرحمان) بجرنگی بھائی جان نے چاند نواب کو نئی زندگی عطا کردی' ہندوستانی کی سب سے مہنگی فلم بہوبلی (ادارہ) اور بھوجپوری فلموں کی خوبرو حسینہ مونا لیسا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مینا کماری ایک حساس اداکارہ اور شاعرہ سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔ ''مینا کماری اردو ادب وشاعری کا بڑا نکھرا اور ستھرا ذوق رکھتی تھیں اور شاعرہ بھی تھیں۔ مشہور شاعر کیفی اعظمی سے کلام میں اصلاح بھی لیتی تھیں۔ ان کی منتخب شاعری کو معروف موسیقار خیام نے موسیقی کی شکل میں پیش کیا تھا۔ المیہ اداکاری کے لئے مشہور اس اداکارہ کی زندگی خود ایک المیے سے کم نہیں تھی اور اس کی جھلکیاں ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہیں''۔ فلموں میں جادوگری سے بھی ایک اقتباس ملاحظہ کرتے چلیں۔ ''آپ کو شاید معلوم ہو کہ فلم کے پردے پر جو آپ دیکھتے ہیں' دراصل وہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ فلم مغل اعظم کے اس نغمے کو آپ قطعی نہیں بھولے ہوں گے جو مدھوبالا یعنی فلم کی ہیروئن انارکلی پر فلمایا گیا تھا۔ نغمہ 'جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'۔ اس نغمے کو جتنی مقبولیت ملی' اتنی مقبولیت شاید کسی اور نغمے کو نہیں ملی ہوگی۔ نغمے کے بول اور دھن بھی لاجواب۔ مدھوبالا کے کوسٹیوم نے بھی سماں باندھا۔ مدھوبالا نے اس فلم میں غضب کا رقص کیا تھا۔ مگر اس رقص کا آخری منظر مدھوبالا کے بس کا نہیں تھا۔ لیکن کے آصف کو یہ نغمہ مدھوبالا پر ہی فلمانا تھا۔ انارکلی جب اس فلم میں اکبر اعظم کو للکارتی ہے اور کہتی ہے 'عشق ہمارا چھپ نہ سکے گا' چاروں طرف ہے ان کا نظارہ' تو دربار میں چہار جانب انارکلی ہی انارکلی دکھائی دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون تھی۔ جی ہاں وہ تھے گودی مہاراج جو مدھوبالا کی طرح کپڑے پہن کر ڈانس پیش کررہے تھے۔ آپ کو پردے پر ہرگز یہ گمان نہیں ہوا ہوگا''۔ یہ مضمون کافی دلچسپ ہے۔ مضمون نگار نے کئی فلموں کے بارے میں اس طرح کی جادوگری کا کو عیاں کیا ہے۔ زیر تبصرہ صورت میں اس کے علاوہ نظمیں' غزلیں' رباعیاں' مضامین' افسانے' کہانیاں' طنز ومزاح' آپ بیتی' بزم خواتین اور اردو دنیا کی خیر وخبر وغیرہ کالم کافی عمدہ ہیں۔ اس قدر منفرد اور خوب صورت رسالہ نکالنے پر ادارہ صورت کو مبارک باد۔

☆بہار اردو اکادمی کا ماہانہ مجلّہ **زبان و ادب** کا تازہ شمارہ (نومبر۔دسمبر 2015) حسب سابق مقالات' افسانے' انشائیے' منظومات' کتابوں کی دنیا وغیرہ کالموں سے مزین ہے۔ زیر نظر شمارہ میں عابد سہیل' پروفیسر ڈاکٹر قمر جہاں' ڈاکٹر منظر اعجاز اور ڈاکٹر نسیم اختر کے مقالات شامل ہیں۔ افسانوں میں نورالہدیٰ سید' ہما فلک' فاروق راہب' شہاب دائروی' اسماء حسن مایا مریم کے افسانوں کو جگہ دی گئی ہے۔ خالد عبادی' شنکر کیموری' پروفیسر کرامت علی کرامت' کہکشاں تبسم' قیصر ارجن پوری' ذاکرہ شبنم' علیم صبا نویدی' صبا نقوی' امر روحانی' کمال جعفری' ڈاکٹر نسیم اختر کے منظوم کلام کو شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ ادارہ میں مدیر رسالہ مشتاق احمد نوری نے لکھا ہے کہ میری کوشش رہی ہے کہ آپ کے سامنے معیاری مشمولات پیش کرسکوں۔ رسالہ کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر اس سلسلے میں کافی سنجیدہ ہیں۔ انہوں نے رسالہ کو عمدہ سے عمدہ تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ادارہ اس کے لئے مبارک باد کا مستحق ہے۔

-**نسیم الدین**

(**بقیہ: شہر خیال**) خورا کی والا کا مضمون 'حیاتی بیت الخلا' شبنم افروز کا مضمون 'صفائی مہم: عوام کی توجہ کی طلب گار' صحت' صفائی اور ہماری ذمہ داریاں (محمد جاوید) کے علاوہ کیا آپ جانتے ہیں؟ بہت معلوماتی ہے۔ تلسی جے کمار کا خصوصی مضمون 'ہندوستان میں آمدنی میں عدم مساوات کے حقائق: لائحہ عمل اور پیچیدگیاں' بہت عمدہ ہے۔ مصنف نے مضمون کے شروع میں یونانی فلسفی افلاطون کا قول نقل کیا ہے۔ 'کوئی بھی شہر خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو' درحقیقت دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ایک غریبوں کا شہر' دوسرا امیروں کا اور یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں'۔ بڑھتے قدم پڑھ کر حکومتی گلیاروں میں ترقیاتی اقدام کی آہٹ کا پتہ چلتا ہے۔ ادارہ یوجنا صفائی ستھرائی پر اتنا شاندار نمبر پیش کرنے پر مبارک باد کا مستحق ہے۔

حمران اعظمی (دہلی)

☆یوں تو **یوجنا** کا ہر شمارہ پڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور اس میں ماہ بہ ماہ نکھار ہی آتا جارہا ہے۔ ستمبر کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ تمام مشمولات اچھے ہیں۔ معمول کے کالم بھی لائق مطالعہ ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس کے معیار کو یوں ہی بچا کر رکھا جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے کیوں کہ اردو پڑھنے والی ایک بڑی آبادی ہے۔ اگر رسالہ تک اس کی رسائی ہوجائے تو شاید ان کی زندگی میں کچھ تبدیلی آئے۔ آپ کو اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر مبارک باد۔

رخسار ادیب۔ علی گڑھ (یوپی)

☆**یوجنا** دن بہ دن نکھرتا جارہا ہے۔ خصوصاً اس وقت سے جب سے یہ ہر ماہ کسی نہ کسی خاص موضوع پر مخصوص ہوتا ہے۔ یوجنا کے مطالعہ سے سرکاری اسکیموں اور مستقبل کے منصوبوں سے واقفیت ہوتی ہے نیز طالب علموں کے لئے اس کا مطالعہ خاص طور پر فائدہ مند ہے کیوں کہ اس میں ہم عصر چیلنجوں کے بارے میں وافر معلومات شامل ہوتی ہیں۔ خدا اسے نظر بد سے بچائے اور یوں ہی یہ رسالہ اپنے برکات سے لوگوں کو مستفیض کرتا رہے۔

محمد انور۔ پٹنہ (بہار)

شہر خیال

قارئین کے خطوط

☆**یوجنا** کا ہر شمارہ شاندار ہوتا ہے۔گزشتہ ایک دہائی سے میں یوجنا کا قاری ہوں۔معتبر معلومات اور حقائق کی شمولیت اس میگزین کو دوسرے رسالوں سے ممتاز اور منفرد بناتی ہے۔ترقی کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی جہات اور مسائل پر موزوں مواد اور متوازن نظریہ وفاقی اور ریاستی سطح کے سول سروس امتحانات کی تیاری کرنے والے طلبا کو بدلتے منظر نامہ میں جدید فکری و نظریاتی جہت فراہم کرتا ہے۔نومبر 2015 کے شمارہ میں ٹرانسپورٹ اور ترقی سے متعلق جس باریکی سے جائزہ لیا گیا ہے، وہ یوجنا کا ہی امتیاز ہے۔ ہندوستان میں دیہی سڑک: مسائل اور چیلنج (اشوک سرکار) ہندوستان میں ہوائی سفر (شیشیر سنہا)، ہندوستان میں شہری ٹرانسپورٹ (کنیکا کالرا)، گرین نقل وحمل: ضرورت، امکانات اور مطابقت (ڈاکٹر کرشن دیو) اور ہندوستانی ریلوے: مسافر اور مال گاڑی صلاحیت سازی کے چیلنج (وجے دت) وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن سے مصنفین کی مہارت جھلکتی ہے۔ملک جہاں 'سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کو انصاف' کی راہ پر مائل ہو رہا ہے۔ہمہ گیر ترقی کے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے ٹرانسپورٹ کے شعبہ کو ترجیح دینی ہوگی۔امید ہے کہ یوجنا یوں ہی عوام میں بیداری پھیلاتی رہے گی۔

ارشاد احمد۔مئو (اترپردیش)

☆**یوجنا** کے مضامین کافی معلوماتی ہوتے ہیں۔غالباً اردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے جس میں معاشیات، ترقیات، منصوبہ بندی اور سرکاری اسکیموں سے آگاہی ہوتی ہے۔دسمبر کا شمارہ نظروں سے گزرا۔ماحولیاتی تبدیلی اور پائیداری کے موضوع پر اس قدر جامع اور تفصیلی مضامین دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے آج جو مسائل ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، اس کے ذمہ دار ہم ہی ہیں۔آج دنیا کے کسی حصہ میں بلاموسم شدید بارش یا سیلاب یا درجہ حرارت میں اضافہ سب اسی کی دین ہے۔فضائی آلودگی کا آج ہر جانب ذکر ہے۔زہریلے ذرات جب ہماری سانسوں کے ذریعہ جسم میں داخل ہوتے ہیں تو ہم بہت سی بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس شمارے کے تمام مضامین اچھے ہیں۔اداریہ میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔وہ آنکھیں کھول دینے والا ہے۔''یہ کہا جاتا ہے کہ ''کرۂ ارض کا تعلق انسان سے نہیں ہے بلکہ انسان کا تعلق کرۂ ارض سے ہے''، لیکن بنی نوع انسان نے ہمیشہ ہی ایک بار بھی غور کئے بغیر خود اپنے فائدوں کے لئے کرۂ ارض کو قابو میں لانے اور اس سے ناجائز طور پر اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ''اصل مقصد سے تجاوز کرنے کا یوم کرۂ ارض'، 2014 کے مقابلے میں 2015 میں چھ دن جلد واقع ہوا ہے۔ یہ وہ دن جب قدرتی وسائی کے لئے عالمی مانگ اس مقدار سے تجاوز کر جاتی ہے جس کا احیا اس کرۂ ارض کے ماحولیاتی نظام ایک سال میں کر سکتے ہیں۔یہ بات بتائی گئی تھی کہ گزشتہ پندرہ برسوں میں اصل مقصد سے تجاوز کرنے کا یوم کرہ ارض کیلنڈر میں یکم اکتوبر 2000 سے گزشتہ سال 19 اگست اور اس سال 13 اگست تک مستقل طور سے آگے بڑھتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سال 2015 کے لئے کرۂ ارض کا پورا ماحولیاتی بجٹ پہلے ہی خرچ کر دیا ہے''۔زیر نظر شمارہ میں کے جی سکسینہ کا مضمون 'آب و ہوا میں تبدیلی اور پائیدار ترقی' بہت اچھا مضمون ہے۔انہوں اس میں لکھا ہے کہ ترقی ایک دائمی عمل ہے، جس سے بنی نوع انسان زندگی بسر کرنے کی ایک بڑی یا بہتر یا بھرپور حالت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کر سکتے ہیں اور/ یا انہیں حاصل کر سکتے ہیں۔قدرتی وسائل کا استعمال انسانی زندگی کی بقا کی انتہائی بنیاد ہیں جب کہ قدرت احیا کی صرف محدود صلاحیت کی حامل ہے۔گزشتہ دو صدیوں میں انسانی آبادنی کی توسیع، قدرتی وسائل کی فی کس مانگ میں اضافے نیز انسانوں کے ذریعے اختراع کردہ، قدرتی ماحولیاتی نظاموں کے لئے بالکل نئی کیمیاوی اشیاء (مثلاً کیمیاوی کیڑے مار دوائیں اور پلاسٹک) کے اجرا کے نتیجے میں عالمی ماحولیاتی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن کی وجہ سے انسانی بہبود کے لئے مضر نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ پائیدار ترقی کا نظریہ 1980 کے دہے میں اس وقت ظہور میں آیا تھا جب اس بات کو پوری طرح سمجھا گیا تھا کہ زندگی کے کچھ شعبوں میں بہتریاں (مثلاً ایئر کنڈیشننگ کی تکنالوجیوں سے

آرام، سبز انقلاب کی ٹکنالوجیوں سے خوراک کی پیداوار میں ڈرامائی اضافہ اور تیز رفتار اقتصادی ترقی) نئے مسائل (مثلاً آب و ہوا میں تبدیلی، حیاتیاتی گوناگونی کے نقصان، مٹی اور پانی کے وسائل کا خاتمہ اور ان میں کمی آنا) پیدا کرکے یا پہلے سے موجود مسائل (مثلاً غیر مساوی ترقی، انسانوں کے ذریعے درکار وسائل کی پیداوار کے سلسلے میں قدرتی رکاٹیں اور زلزلے) میں اضافہ کرکے حاصل کی گئی ہیں۔ جب کہ ماحولیاتی/معیشت حیوانات کی سائنسز میں ترقیات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ قدرتی ماحولیاتی نظاموں میں انسانی خلل اندازیوں سے مقابلہ کرنے/ان کی تلافی کرنے کی صرف ایک محدود صلاحیت ہے، سوشل سائنسز سے وابستہ لوگوں نے مساوی اقتصادی ترقی کی اہمیت پر توجہ مبذول کرائی ہے۔ معلومات میں اضافہ کے نتیجے میں ایک ہی وقت میں مکانی (مقامی سے عالمی) اور زمانی (مختصر مدتی سے طویل مدتی) پیمانے میں ماحولیاتی اقتصادی اور سماجی مسائل نیز امکانات پر نظر رکھتے ہوئے ترقی کے لئے بین شعبہ جاتی نظریے وجود میں آئے ہیں جو پائیدار ترقی کی بنیاد ہیں۔ ماحولیات اور ترقیات سے متعلق عالمی کمیشن/ برنٹ لینڈ کمیشن نے مختلف طریقوں سے توضیح کردہ 'پائیدار ترقی کی توضیح' ایک ایسا عمل کے طور پر کی ہے جو خود اپنی ضروریات پوری کرنے کے سلسلے میں مستقبل کی نسلوں کی صلاحیت سے سمجھوتہ کئے بغیر نسل کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ 1992 میں ریو میں منعقدہ ماحولیات اور ترقیات کے بارے میں اقوام متحدہ کی کانفرنس (جو عام طور سے ارتھ سمٹ کے نام سے مشہور ہے) میں اس توضیح کو بڑے پیمانے پر قبول کیا گیا تھا نیز اس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی تھی۔ آب و ہوا میں تبدیلی کے بارے میں اقوام متحدہ کی فریم ورک قرارداد (یو این ایف سی سی سی) اور حیاتیاتی گوناگونی کے بارے میں قرارداد (سی بی ڈی) کو رسمی بنا دینے کے ساتھ، آب و ہوا میں تبدیلی اور حیاتیاتی گوناگونی کے نقصان سے پیدا ہونے والی ناپائیداری کے خطرات سے بنی نوع انسان کو بچانے کی ایک عالمی حکمت عملی وضع کی گئی تھی نیز ماحولیات اور ترقی کے سلسلے میں رقم فراہم کرنے کے لئے نئے عالمی نظام مثلاً عالمی ماحولیاتی سہولت، قائم کئے گئے تھے'۔

دیگر مضامین میں مالتی گوئل کا مضمون 'ماحولیاتی تبدیلی تکنالوجی اور توانائی کی پائیداری' سبطین کوثر کا مضمون' آلودگی اور آب و ہوا میں تبدیلی' محمد کاشف کا مضمون اوزون پرت انسانی اور حیوانی بقا کی ضامین نیز حسن مثنیٰ کا مضمون ریڈیو کی کہانی پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ بہت ساری معلومات میں اضافہ ہوا۔ رسائل و جرائد کا سلسلہ شروع کرکے آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ گھر بیٹھے بہت سارے رسالوں کے اور اس کی مشمولات کے بارے میں جانکاری مل جاتی ہے۔ امید کہ اسے جاری رکھا جائے گا۔ ماحولیات پر اس قدر جامع اور مفصل رسالہ نکالنے پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

محمد فیصل۔مئو (اتر پردیش)

☆تعطیلات میں اپنے ایک دوست کے یہاں حیدرآباد گیا تھا۔ وہاں مجھے یوجنا کا نومبر 2014 کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ ٹکنالوجی، اختراع اور علم پر مبنی معیشت پر مخصوص یہ شمارہ بہت جاندار ہے۔ تمام مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ سنگیتا یادو کا مضمون 'کریلا کھاؤ' بیماری بھگاؤ' بہت معلوماتی ہے۔ پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کریلا مختلف بیماریوں میں کس قدر مفید ہے۔ علاوہ ازیں بڑھتے قدم سے حکومت کی سرگرمیوں کا علم ہوا۔ آپ کو مبارک باد۔

محمد تسلیم۔پٹنہ (بہار)

☆یوجنا کا اس لحاظ سے دیگر رسالوں سے ممتاز اور منفرد ہے کہ اس میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں، وہ ماہرین کے تحریر کردہ ہوتے ہیں۔ حقیقی ڈاٹا بیس پر مبنی یوجنا کے مضامین طالب علموں خصوصاً مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کرنے والے طلبہ کے لئے کافی مفید ہے۔ اب چند برسوں سے یہ رسالہ کسی نہ کسی موضوع پر خاص ہوتا ہے جس سے اس کی معنویت اور بڑھ گئی ہے۔ میں تمام طلبہ خصوصاً اردو کے طالب علموں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یوجنا کا مطالعہ کریں کیوں کہ اس سے انہیں نہ صرف آگے بڑھنے کا موقع ملے گا بلکہ حکومت کی آئندہ کیا پلاننگ ہے اور کس شعبہ کو زیادہ بڑھاوا دیا جارہا ہے، اس کا بھی علم ہوگا۔ یاد رکھیں وہی قوم کامیاب ہوتی ہے، جو علم کے میدان میں اپنے آپ کو آگے رکھے۔ ادارہ یوجنا کو مبارک باد۔

محمد ارشد۔ادری، گھوسی (یوپی)

☆یوجنا ہمیشہ میرے زیر مطالعہ رہا ہے کیوں کہ میں اس کا سالانہ خریدار تھا لیکن جب سے ممبر شپ ختم ہوئی ہے میں اس کا مطالعہ نہیں کر سکا۔ دوسری بات یہ کہ یہ کسی اسٹال پر بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ میں جلد سے جلد دوبارہ اس کا خریدار بننے کی کوشش کروں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ یوجنا ہر جگہ خاص طور پر اردو والے علاقوں میں ضرور ملے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر بھی یہ دستیاب ہو تو بہت اچھا ہے۔ اس بات سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دہلی میں ہی اسے حاصل کرنے کے لئے بہت مشکل ہوتی ہے اور پبلی کیشنز ڈویژن کے سیلز کاؤنٹر پر جانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دس روپے کا رسالہ حاصل کرنے کے لئے پچاس سو روپے کوئی خرچ نہیں کرے گا۔ اردو زبان میں یہ حکومت کا یہ بہت عمدہ رسالہ ہے۔ اسے جاری رکھنا بہت ضروری ہے۔ اردو میں چند رسالے ہی رہ گئے ہیں جو اتنے اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔

احسان دانش۔خوریجی (دہلی)

☆وزارت اطلاعات و نشریات کا اہم رسالہ یوجنا جو کئی زبانوں میں شائع ہوتا ہے، ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے۔ جنوری 2015 کا شمارہ صفائی ستھرائی، ترقی اور سماجی تبدیلی پر خاص ہے۔ حکومت نے جو صفائی ستھرائی کی مہم چھیڑی ہے، اس سمت یہ نمبر سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ صفائی ستھرائی کتنی اہم ہے۔ ماہرین کے تحریر کردہ مضامین پڑھ کر اندازہ ہوا کہ اگر ہم صفائی کی عادت کو اپنی زندگی میں اپنا لیں تو ہمیں نہ صرف بیماریوں سے نجات ملے گی بلکہ ماحولیات کو بدلنے میں بھی مدد ملے گی۔ گریگوریئس کا مضمون 'ہندوستان میں مکمل صفائی ستھرائی راہ میں حائل رکاوٹیں' ترشا اگروال کا مضمون ہندوستان میں شہری صحت و صفائی' ڈاکٹر حذیفہ

باقی صفحہ 67 پر

بڑھتے قدم

کیپٹل گڈس کے شعبے میں ہند۔جرمنی مفاہمت نامہ پر دستخط

☆مرکزی کابینہ نے وزیراعظم نے صدارت میں ہونے والے اپنے اجلاس میں اس ہند۔جرمنی مفاہمت نامے پر دستخط کئے جانے کی منظوری دے دی ہے،جس پر کیپٹل گڈس کے شعبے کے لئے میک ان انڈیا کیمپین اور فران ہافر جیسل شیفٹ (فران ہافر) جرمنی کے درمیان طے پانے والے امور کے مطابق عمل درآمد کیا جائے گا۔واضح ہو کہ فران ہافر جرمنی کا وہ معروف ادارہ ہے جسے یورپ میں اپیلا ئڈ انڈسٹریل ریسرچ کا کام کرنے والے 65 معروف اداروں کی رفاقت حاصل ہے۔

اس مفاہمت نامے پر دستخط کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ پبلک سیکٹر کے متعدد اداروں اور کیپٹل گڈس کے شعبے کی اکائیوں کو بارہویں پنجسالہ منصوبے کے مطابق تکنیکی خلاؤں اور انہیں پُر کرنے کے لئے فران ہافر کی ماہرانہ خدمات حاصل ہوسکیں۔یہ مفاہمت نامہ حکومت ہند کی بھاری صنعتوں کے محکمے اور جرمنی کے ادارے فران ہافر کے درمیان طے پایا ہے۔ان دونوں ہی اداروں نے اس مفاہمت نامے پر دستخط کر دئے ہیں۔

بھارت فنڈ کا قیام

☆خزانہ کے وزیرمملکت مسٹر جینت سنہانے اپنے ایک تحریری جواب میں لوک سبھا کو بتایا کہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ (آئی آئی ایم) احمد آباد سینٹر برائے انوویشن، انکیوبیشن اور انٹرپرینیورشپ (سی آئی آئی ای) کے ذریعہ سرکاری۔نجی اکیڈمیا پارٹنرشپ کا بھارت فنڈ قائم کیا گیا ہے۔اس فنڈ کا مقصد من جملہ دیگر باتوں کے اختراع پر مبنی شروعات کے لئے فنڈ کی مدد اور فراہمی (گرانٹ، اصل سرمایہ، وینچر سرمایہ) کرنا ہے جس سے تکنالوجی کی مدد سے ہندوستان کے عوام کو درپیش مسائل کا حقیقی حل ہوگا اور اس میں حفظان صحت اور لائف سائنس (جس میں بایوٹک اور طبی مرکبات شامل ہیں)، پائیداری (توانائی، زراعت، آب وہوا، پانی اور ڈیجیٹل تکنالوجیوں خصوصاً مینوفیکچرنگ اور ڈیزائن) پر توجہ دی جائے گی۔

راجیہ سبھا میں یوم آئین کے موقع پر وزیراعظم کی تقریر

☆وزیراعظم جناب نریندر مودی نے راجیہ سبھا میں یوم آئین کے موقع پر اپنی تقریر میں کہا،''میں ایوان کو عزت واحترام سے سلام کرتا ہوں۔تقریبا 50 معزز ارکان نے تفصیل سے اس اہم موضوع پر اپنے خیالات رکھے۔یہ بابا صاحب امبیڈکر جی کی 125 ویں جینتی کے یادگاری سال کے موقع پر ایک اچھے منصوبے کی حیثیت رکھتا ہے۔جب تمام جماعتوں کے محترم لیڈروں کے ساتھ ایوان کی کارروائی سے قبل اس سلسلے میں گفتگو ہوئی تھی۔اس وقت سبھی لوگوں نے اس کو ایک آواز سے اس کا خیرمقدم کیا تھا، ویسے ہم یہ دعوی نہیں کرتے کہ یہ بنیادی خیال محض ہمارا تھا، ہوسکتا ہے میری معلومات کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی اس سلسلے میں غور وخوض کیا ہو لیکن 2008 میں مہاراشٹر میں کانگریس حکومت نے 26 نومبر کو یوم آئین کے طور پر اس کا آغاز کیا تھا۔انہوں نے یہ ایک اچھا کام کیا تھا کہ اسکولوں میں اس preamble کا متن بچوں سے کرواتے تھے۔جب میں گجرات میں تھا تو مجھے یہ طریقہ کار بہتر لگا تھا کیونکہ ہم 15 اگست مناتے ہیں، 26 جنوری مناتے ہیں۔تھوڑا بہت تو 15 اگست، آزادی کے مظاہرین کو، آزادی کے دیوانوں کو ہم بھی یاد کرتے ہیں، ٹی وی وغیرہ میں بھی بحث چلتی ہے، اخبارات میں بھی مضامین اور خبریں شائع ہوتی ہیں۔26 جنوری کے موقع پر اتنا سب کچھ نہیں ہوتا، ساری توجہ یوم جمہوریہ کی پریڈ پر ہی مرکوز ہوتی ہے۔ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ایک بات یقینی ہے کہ اب ہمارے لئے اگر رہنمائی کی کوئی دستاویز ہے تو وہ ہمارا آئین ہے۔مشکلوں میں مل جل کر ساتھ چلنے کے لئے ہمارا آئین رہنمائی کرتا ہے۔ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کو آئین کی اہمیت سے واقف کرانا چاہیے محض اتنا ہی نہیں کہ آئین کی دفعات کیا ہیں اور کس پس منظر میں ہمارا آئین مرتب کیا گیا۔کیسی کیسی عظیم شخصیات نے کس کس طریقے سے اپنی دوراندیشی کے ساتھ آئین کی ترتیب میں اپنی خدمات پیش کیں۔اس سب سے قطع نظر ہندوستان کی جو بنیادی روح ہے، ہندوستان کا جو بنیادی سلسلہ نظریات ہے، اس کی روشنی میں ملک کو جو چیلنج درپیش ہے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی نظام تو مرتب کیا جانا تھا، یہ کام کتنا عظیم تھا۔اس موقع پر یہ ممکن نہیں کہ اُس وقت ایوان آئین ساز میں موجود تمام عظیم شخصیت کے نام نامی بیان کی جائے۔یہ پروگرام ان دنوں ایوان میں موجود سبھی عظیم شخصیات کے سامنے سرعقیدت خم کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔اس سے پہلی بھی کچھ لوگوں نے اس سمت میں کام کیا ہوگا۔ہمارے ذہن میں یہ بات آئی سو ہم نے اس کام کو آگے بڑھایا لیکن اب ارادہ یہ ہے کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس دستاویز کو رہنما دستاویز کی حیثیت دی جائے۔26 نومبر کے پس پشت یہ تصور تھا کہ پورا ملک محض آئینی ضابطوں

اور دفعات میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ آئین ساز اسمبلی میں اس وقت موجود تمام عظیم شخصیات کے جذبات کو بھی اس میں جگہ دی جائے۔ بلاشبہ ان دنوں آئین ساز اسمبلی میں موجود بیشتر شخصیات کانگریسی نظریات کی حامل تھیں لیکن ہم ان پر فخر کرنے کی جرأت اور ہمت رکھتے ہیں، ہماری قدریں ان کا احترام اور ستائش کرنے کا سبق دیتی ہیں۔

ہمیں ان اُمور کو مثبت طریقے سے سمجھنا چاہیے جن پر زیادہ گفتگو نہیں کی گئی ہے۔ یہ ایوان ہے جہاں زیادہ توقعات کی جاتی ہیں ہم یہاں برسراقتدار اور اپوزیشن گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن کبھی کبھی برسراقتدار اور اپوزیشن سے بالاتر ہو کر غیر جانبدار بھی تو ہونا چاہیے۔ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اپنے آئین کے بنیادی جذبات سے کس طرح واقف کرائیں۔ آئین کے تئیں ان کا یقین کیسے مضبوط ہو یہ سوچنے کی بات ہے۔ انہیں ناامیدی کے دنوں میں بھی لگنا چاہیے کہ ہاں بھائی کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن سے ناگفتہ بہ حالات میں بھی سورج کے چمکنے کی امیدیں مضبوط ہوگئی ہیں۔ یہ بات اپنے آپ میں صحیح ہے کہ ہمارے کنبوں میں بھی یہ باتیں بتائی جاتی ہیں سماجی زندگی میں بھی ان کی تلقین کی جاتی ہے اور لوگ کہانیوں میں بھی انہیں بیان کیا جاتا ہے، دراصل اچھی چیزوں کو بار بار یاد کیا جانا چاہیے خواہ حالات برے ہوں کہ اچھے۔ سماج زندگی کے لیے لازمی ہوتا ہے، بیٹا خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو گیا ہو لیکن جب وہ گاؤں سے شہر جاتا ہے تو ماں اس سے یہ کہنا نہیں بھولتی کہ بیٹا چلتی گاڑی میں مت چڑھنا، کھڑکی کے باہر مت دیکھنا، یہ ہماری روایت رہی ہے۔ ہمارے عزت مآب ڈاکٹر کرن سنگھ جی یہاں بیٹھے ہوئے وہ ہمارے سامنے سنسکرت کے متعدد شلوک لاکر رکھ دیں گے کیوں کہ ہمارے یہاں کہا گیا ہے کہ جس طرح کنوئیں سے پانی کھینچنے والی رسّی بار بار رگڑ سے پتھر پر نشان بنا دیتی ہے اسی طرح مسلسل مشق کرتے رہنے سے سادہ لوگ بھی ماہر ہو جاتے ہیں۔ رسی میں اتنی طاقت تو نہیں ہوتی کہ وہ پتھر سے لڑائی لڑ سکے لیکن وہ پتھر پر اپنی رگڑ کے نشان ضرور چھوڑ جاتی ہے۔ اسی لیے ہمارے آئین کو ایک جشن اور ایک تقریب کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ آئین کی ہر دفعہ کے تئیں ہمارا احترام آئندہ نسلوں تک جاری رہنا چاہیے۔ یہ قدریں، یہ وراثت ہی ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے آئین ایک ایسی طاقت ہے جو ہمیں تو اور میں کی زبان سے اوپر آگے نکال سکتی ہے۔

ہمیں قدروں کا احترام کرنا ہوتا ہے، کوششیں کرنی ہوتی ہیں، ہمارے آئین کی بلندی اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ دنیا کی سب سے عظیم جمہوریت کا آئین ہے۔ مشہور امریکی مصنف گرانولے آسٹن نے ہندوستان کے آئین کے بارے میں کہا تھا کہ "Perhaps the greatest political venture since that which originated at Philadelphia in 1787." یعنی 1787 کے دوران فیلاڈلفیا میں جس عظیم سیاسی مہم کا آغاز ہوا تھا اس کے بعد اگر کوئی عظیم سیاسی مہم کہیں شروع ہوئی ہے تو وہ ہندوستان میں۔ ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے قانون سازی کرنا، عوام الناس نے اسی لیے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ ہم تجربے کار بھی ہیں اور جانکار بھی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم اور ہماری خودشناسی کے درمیان کتنا بڑا خلا موجود ہے۔ ان دنوں آئین ساز اسمبلی میں موجود عظیم شخصیات نے اس امر کو بھی پیش نظر رکھا تھا کہ 50، 60 یا 70 سال کے بعد کبھی حالات ناگفتہ بہ ہو جائیں تو ان کا تدارک کیسے کیا جائے۔ ہم آج قانون بناتے ہیں۔ اس میں اِن کا قصور یا اُن کا قصور نہیں دیکھا جاتا۔ ہم قانون بناتے ہیں لیکن ایوان کے اگلے اجلاس میں ہی اس پر پھر گفتگو کی جاتی ہے کہ بھائی ہم نے یہ قانون تو بنایا لیکن اس میں یہ دو الفاظ رہ گئے اب اس میں پھر ترمیم کرنی پڑے گی۔ ہماری حدود کم ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم چیزوں پر آئین کی روشنی میں نہیں سوچتے، کبھی کبھی ہم پر سیاسی حالات حاوی ہو جاتے ہیں، کبھی وقتی فوائد حاصل کرنے کی حوص حاوی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام مسائل کو سیاست سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

آئین ساز اسمبلی کا کوئی اجلاس ایسا نہیں ہوسکتا جس میں بزرگ شخصیات موجود نہ ہوں اور ان میں اپنے فرض کے تئیں عہد بستگی نہ ہو۔ اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ راجیہ سبھا کی ایک اپنی اہمیت ہے۔ آئین ساز اسمبلی کی بحث میں گوپال سوامی اینگر نے کہا تھا، ''دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی کوئی بھی وفاقی نظام موجود ہے وہاں ایوان ثانی کی عملی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔'' اس طرح ہم کل ملاکر یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہر شخص مفید مطلب شخص ہے کہ نہیں ہے ایوان ثانی سے ہماری توقع شاید اتنی ہی ہے کہ اہم اُمور پر باوقار بحث کرائی جائے۔ لمحاتی جذبات کے نتیجے اس قانون کو اس وقت تک مورد التوا میں ڈال دیں جب تک وہ یہ جذباتی گرمی ختم نہ ہو جائے۔ ہمیں آئین کی دفعات مرتب کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ جب بھی کبھی کسی اہم موضوع، خاص طور سے مالی اُمور پر لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں تنازعہ ہو تو لوک سبھا کی بات ہی مانی جائے گی۔ اس لیے اس آئین ثانی کی موجودگی سے ہمیں صرف یہ وسیلہ حاصل ہوتا ہے کہ جس سے ایوان کی کارروائی میں تعطل کیا جا سکے۔

کبھی کبھی جب ہم باباصاحب امبیڈکر کو یاد کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ ہمارا آئین محض قانونی رہنمائی کے نظام تک ہی محدود نہیں ہے وہ ایک سماجی دستاویز بھی ہے، اس میں اتنی قانونی طاقت موجود ہے کہ ہم اس کی ستائش کرتے ہیں اور اس کی دستاویزی حیثیت کا بھی احترام کرتے ہیں، شاید یہ ہم سب کی ذمہ داری بھی ہے۔ آنجہانی باباصاحب نے ہمیں جو آئین دیا اس میں ایک قانونی نظام تو ہے جو مساوات کے اصول کی پابندی کرتا ہے، سماجی انصاف کی وکالت کرتا ہے لیکن اگر ہم آئین کے دائرے میں اٹک جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ مساوات تو آجائے لیکن سماج اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگر سماج صدیوں کی برائیوں سے نجات حاصل کرنے کا عہد نہیں کرتا تو ہمارے اجداد نے جو کچھ کیا ہے اسے درست کرنے کے لیے ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو تیاری کرنی پڑے گی آنجہانی باباصاحب کی سماجی انصاف کی طاقت ہو یا مساوات کی طاقت ہو، اس کی تکمیل کی ذمہ داری ہم سب کو پوری کرنی ہوگی۔

باباصاحب نے کہا ہے کہ جب ہم سردار پٹیل کو یاد کرتے ہیں تو وہ ہندوستان کے اتحاد سے جڑا ہوا معاملہ ہے لیکن ہم صرف اس بات پر اٹک جائیں گے کہ سردار

پٹیل نے ملک کو متحد کیا۔ ایسے بات نہیں بنے گی۔ اتحاد کے وظیفے کو ہندوستان جیسے ملک میں مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ بکھراؤ کے لیے تو بہت سے بہانے مل سکتے ہیں لیکن متحد ہونے کے مواقع تلاش کرنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔ یہ ملک سوا سو کروڑ لوگوں کا ملک ہے جہاں سے بکھراؤ کا کوئی بھی بہانہ وجود میں آسکتا ہے لیکن کچھ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ بکھراؤ کے بہانوں کے درمیان اتحاد کے مواقع تلاش کریں اور لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں جو جوڑنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

میں ایک پروگرام پر غور کر رہا ہوں اور امید کروں گا کہ سوچنے سمجھنے والے حضرات بھی کچھ نئے نظریات پیش کریں تو ان کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

''ایک بھارت۔ سریشٹھ بھارت'' کا تصور میرے ذہن میں جاری ہے، ابھی تو میں نے اس سلسلے میں کوئی نمونہ سازی نہیں کی ہے، ہم نے آپس میں بڑی لڑائیاں لڑ لیں، جنوب کے لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ ہندی اُن پر تھوپی جا رہی ہے، میں نے دیکھا ہے کہ یہ بات کبھی کبھی سنائی دیتی ہے لیکن ایک اور بھی طریقہ ہے ملک کو سمجھنے کا، جاننے کا اور آگے بڑھنے کا، میں نے 31 اکتوبر کو سردار صاحب کی جنم جینتی کے موقع پر اس سلسلے میں کچھ مختصر ذکر کیا تھا۔ ہم ریاستوں کو جوڑنے کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں، فرض کیجیے کہ چھتیس گڑھ ایک ریاست ہے، وہ طے کرے کہ ہم 2016 میں ''کیرل مہوتسو منائیں گے'' اور ریاست کے بچوں کو ملیالی زبان کے حروف تہجی سے واقف کرائیں گے، محض 100 چھوٹے چھوٹے جملے اسکولوں میں بچوں کو چائے پلانے کے ساتھ بتائے جاسکتے ہیں۔ کبھی چھتیس گڑھ میں ملیالم فلم فیسٹول کا انعقاد کیا جائے، کیوں نہ وہاں کے کھانے پینے کے طریقے وہاں کے لوگ اور وہاں کے ڈرامے یہاں لائے جائیں، اسی طرح کسی دوسری ریاست کی تہذیب، طور طریقے اور ثقافتی اقدار دوسری ریاستوں میں بیان کیے جائیں، جس طرح ایک ریاست دوسری ریاست سے جڑ جائے گی یہاں سے اس سال جتنے بچے ٹورسٹ کی حیثیت سے جائیں گے تو اسی ریاست میں جائیں گے، ہم اگر رفتہ رفتہ ملک میں ہر ریاست کا ایک یوم ریاست منانا شروع کر دیں تو دیکھئے ہمیں کبھی یاد نہیں آتا کہ ویشنو جن کا گیت کسی دوسری ریاست کا گیت ہے یا کسی دوسری ریاستی زبان میں لکھا گیا ہے۔

بابا صاحب کا اپنا مخصوص اقتصادی نظریہ تھا ان کے اس اقتصادی نظریے کی اپنی خصوصیات تھیں وہ صنعتی ترقی کے حق میں تھے میں چاہوں گا کہ ایوان میں میری بات سمجھی جائے، بابا صاحب امبیڈکر کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں زبردست صنعتی ترقی ہونی چاہیے، وہ کہتے تھے کہ دلتوں کے پاس زمین نہیں ہے، اگر ان کو روزگار دلانا ہے تو جس کے پاس زمین نہیں ہے تو وہ کہاں جائے گا۔ اس لیے بھی ہونا چاہیے کہ سماج کے پسماندہ استحصال زدہ اور دلت طبقوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں۔ بابا صاحب کے ان نظریات پر شاید حیرت بھی ہو انہوں نے اقتصادی اور معاشی اُمور پر غور وخوض کر کے ہمیں وہ بنیاد فراہم کی تھی جس پر ہم آج بحث کرتے ہیں۔

اس طرح بابا صاحب کی جانب سے فراہم کرائی گئی یہ سمت ہمارے لیے رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ آنجہانی بابا صاحب نے کہا تھا کہ ''زراعت کے شعبے میں پیداوار بڑھائی جاسکتی ہے لیکن اس کے لیے پونجی اور مشینوں کی فراہمی میں اضافے کے ساتھ ساتھ محنت میں کمی کرنی ہوگی تا کہ محنت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جاسکے۔ اضافی کسانوں کو غیر زراعتی شعبوں میں لگانے سے زراعت کے شعبے پر پڑنے والا دباؤ ایک دم سے کم ہو جائے گا اور ہندوستان میں دستیاب زمین پر جو زبردست دباؤ ہے وہ بھی کم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ان مزدوروں کو زراعت اور صنعتی شعبوں کے کام کاج میں لگایا جائے تو وہ نہ صرف اپنی روزی روٹی کما سکیں گے بلکہ پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں گے اور پیداوار کا مطلب ہے زیادہ سے زیادہ پونجی۔ بابا صاحب کے مطابق ہندستان میں صنعتوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی ہی ملک کو درپیش بیشتر مسائل کا حل ہے۔ بابا صاحب نے ایک اور جگہ کہا تھا کہ ہندوستان آج ایک چھتے میں پھنسے ہوئے ملک کی سی ہے جس کا ایک حصہ آبادی کا بڑھتا ہوا دباؤ ہے اور دوسرا حصہ ہے ضرورتوں کے مقابلے میں زمین کی محدود دستیابی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر دہائی کے آخر میں آبادی اور باز آباد کا منفی توازن درپیش ہوتا ہے اور معیار زندگی کم ہو جاتا ہے اور غریبی بڑھ جاتی ہے۔

درست کہ سوا سو کروڑ لوگوں کے اس ملک میں کسی کی حب الوطنی پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تو شک کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کو اپنی حب الوطنی کا صبح وشام ثبوت دینا ہوگا۔ ہم سب اور ہمارا سماج ملک کے آئین سے بندھے ہوئے ہیں، ہم اپنی قدروں اور روایات کا احترام اور پابندی کرتے ہیں، پہلے دنیا ہمیں کن نظروں سے دیکھتی تھی اور ہمارے ملک کی توصیف کیا کرتی تھی، آج جب ہم اپنے آئین کے مرتب عظیم شخصیات کو یاد کرتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ وہ کون سا ماحول رہا ہوگا جس کے دوران انہوں نے یہ آئین مرتب کیا ہوگا۔

میں اس موقع پر جرمن دانشور میکس مولر کا وہ قول نقل کرنا چاہوں گا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ''اگر میں دنیا میں کوئی ایسا ملک تلاش کروں جہاں دولت، طاقت اور حسن زیادہ سے زیادہ بکھرا ہوا ہو تو دراصل کرۂ ارض پر وہ جگہ جنت ہے اور میں اس دھرتی کو بھارت کا نام دوں گا، اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ آسمان کے نیچے کن انسانی ذہنوں نے اپنے پسندیدہ تحائف میں سے کچھ کو پوری طرح فروغ دیا ہے، زندگی کے سنگین سے سنگین مسائل پر گہرائی کے ساتھ غور وخوض کیا ہے اور ان کا کچھ تدارک تلاش کیا ہے تو میں ہندوستان کی طرف ہی اشارہ کروں گا ''، میکس مولر نے جو بات کہی ہے اس کے مطابق ہم انتہائی عظیم وراثت کے مالک ہیں اور یہی وراثتی مہوتسو ہم سب کی مشترکہ طاقت ہے۔ آیئے ہم سب ملکر اس کے فخر کے گیت گائیں اور عہد کریں کہ ہم اپنے آئین کی روشنی میں اپنی عظیم شخصیات کی قربانیوں اور ریاضتوں کی رشنیوں کو لیکر آگے بڑھیں گے۔

ہندوستان کی خوبصورتی اور اس کی ثقافت کی نمائش کریں: پیری ایسولین

☆ ہندوستانی فلموں میں غریبی، بھکاریوں اور جھگی جھونپڑیوں کی نمائش ایک مفروضہ روایت بن چکی ہے۔ ہندوستان میں بہت اچھی فلمیں بنائی جا رہی ہیں جنہیں

پوری دنیا میں فلموں کے شائقین کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات فرانس اور ہندوستان میں کام کرنے والے ممتاز فلم ساز پیری ایسولین نے کہی ہے۔ ہندوستانی بین الاقوامی فلمی میلے 2015 میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے جناب پیری نے کہا کہ بہت سے ہندوستانی فلم سازوں کو یہ گمان ہے کہ بین الاقوامی سطح پر قبولیت کیلئے انہیں ہندوستان کے دکھوں اور عورتوں کے استحصال کو دکھانا ضروری ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی شائقین کیلئے یہ دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ مکمل طور پر ایک مفروضہ ہے۔ فرانس کے ڈائرکٹر نے مزید کہا کہ ہندوستان میں اتنی خوبصورت چیزیں ہیں جنہیں بین الاقوامی شائقین کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے۔ نئے دور کے ڈائرکٹروں کے جدید تجربات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ بہت اطمینان کی بات ہے کہ ’اگرچہ تاخیر سے‘ لیکن ہندوستانی سنیما عالمی سنیما میں اپنا مقام بنا رہا ہے۔ پیری ایسولین نے ملیالم کے مشہور ہدایت کار شاجی کرون کی ہدایت میں ’وان پرستھم‘ نامی فلم بنائی ہے اور یہ فلم ہندوستان کی کلاسکی فلم تصور کی جارہی ہے۔ جناب ایسولین ہندوستانی فلموں کو آزادانہ طور پر فرانس میں پیش کرنے کیلئے فلم فیسٹول ایکسٹرا ویگنٹ انڈیا کے صدر بھی ہیں۔ اس فلم فیسٹول میں ہندوستان کے تمام خطوں کی فیچر فلمیں اور دستاویزی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔

گجرات یوڈی اے وائی اسکیم میں شامل ہونے والی دسویں ریاست

☆ اُودے (یوڈی اے وائی) اسکیم میں شامل ہونے والی ریاستوں کی تعداد دو عددی ہوگئی ہے۔ بجلی، کوئلہ اور قابل تجدید توانائی کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب پیوش گوئل نے ٹویٹ کرکے کہا ہے کہ ’’ہم وزیراعظم جناب نریندر مودی کے وژن 24x7 کو پورا کرنے کی سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔‘‘ گجرات حکومت کی جانب سے بجلی کی وزارت کو اُودے اسکیم میں اصولی طور پر شامل ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔ جناب گوئل نے گجرات کے اُودے اسکیم میں شامل ہونے والی 10 ویں ریاست بننے پر وزیراعلی محترمہ آنندی بین پٹیل کو مبارک باد دی ہے۔ آندھرا پردیش، ہماچل پردیش، مدھیہ پردیش، اتراکھنڈ، چھتیس گڑھ، جموں و کشمیر، جھارکھنڈ، پنجاب اور راجستھان پہلے ہی اس اسکیم میں شامل ہو چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ریاستوں کو اُودے اسکیم میں شامل ہونے کی یقین دہانی کراتے ہوئے مسٹر گوئل نے اپنے ٹویٹ میں کہا کہ تمام ریاستوں نے اس اسکیم میں شامل ہونے کے لیے انتہائی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ منظوری کے مختلف مراحل میں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تمام ریاستیں اس اسکیم میں شامل ہوں گی اور ایک روشن ہندوستان کی تعمیر کریں گی۔

ہند- جاپان بزنس لیڈرس فورم سے وزیراعظم کا خطاب

☆ وزیراعظم جناب نریندر مودی اور جاپان کے وزیراعظم جناب شنزو آبے نے نئی دلی میں ہند- جاپان بزنس لیڈرس فورم سے خطاب کیا۔ اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ وہ نہ صرف تیز رفتار ریل گاڑی بلکہ تیز رفتار ترقی کے سلسلے میں ہند اور جاپان کو ایک ساتھ مل کر آگے بڑھتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ وزیراعظم نے گذشتہ سال اپنے دورہ جاپان کو یاد کیا اور جاپان کی طرف سے ہندوستان میں 35 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی عہد بستگی کی یاد دلائی۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت سرمایہ کاری کی اتنی بڑی رقم نے سب کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ لیکن آج بہت ہی کم وقت میں اس سمت میں ناقابل تصور پیش رفت ہوئی ہے اور جاپان کی سرمایہ کاری زمینی سطح پر دکھائی دینے لگی ہے۔ جناب نریندر مودی نے کہا کہ میک ان انڈیا مشن طریقہ کار نہ صرف ہندوستان بلکہ جاپان میں بھی چل رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ گذشتہ سال پالیسی تجربہ کے طور پر شروع کیا گیا اقدام بھی احسن طریقے سے چل رہا ہے۔ وزیراعظم نے ہندوستان اور جاپان کے اقتصادی اشاریے کا ذکر کیا اور کہا یہ بہت ہی حوصلہ افزا ہیں بالخصوص عالمی کساد بازاری کے تناظر میں۔ وزیراعظم نے کہا کہ یہ واضح ہے کہ ہندوستان امکانات کی جگہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ جاپان ہندوستان میں متعدد اہم تبدیلیوں کا حصہ رہا ہے۔ انھوں نے ماروتی کار اور ڈی ایف سی کی مثال بھی پیش کی۔

وزیراعظم نے کہا کہ ہندوستان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے جاپان سے زیادہ اہم کوئی دوست نہیں ہے اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایشیا اور ہمارے بحری علاقے کے ممالک کو ایک سمت دینے میں ہم سے زیادہ اسٹریٹیجک پارٹنرشپ کا اثر کوئی اور دکھا سکتا ہے۔ لہذا اہم خصوصی اسٹریٹجک اور عالمی شراکت داری کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اسے بے شمار عوامی حمایت حاصل ہے۔ اس لیے ہم سے عوامی توقعات وابستہ ہیں اور ہم پر بہت سی ذمہ داریات ہیں۔ گزشتہ سال ہم نے اس پر کھرا اترنے کے لیے بہت سے کام کیے ہیں۔ ہم نے اقتصادی علاقائی ساجھیداری اور سکیورٹی تعاون میں خاطر خواہ پیش رفت کی ہے۔ وزیراعظم جناب آبے ہماری اقتصادی تجاویز کے تئیں مثبت سوچ رکھتے ہیں ان میں سے بہت ہندوستان کے لیے انمول ہیں۔ جاپان کی نجی سرمایہ کاری میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ آج ہم نے مشترکہ سفر کی بلندیوں کو سر کیا ہے۔ سول نیوکلیائی توانائی سے متعلق جو میمورینڈم پر دستخط ہوا ہے وہ کامرس اور صاف توانائی کے لیے ایک معاہدہ سے آگے کی خبر ہے۔ یہ باہمی اعتماد کی نئی سطح اور اسٹریٹیجک شراکت کی علامت ہے جو امن کو یقینی بنانے کی ضامن ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی کا مقابلہ کرنے کے تئیں ہمارا مشترکہ عہد یکساں طور پر مستحکم ہے۔ ہم صاف توانائی اور توانائی کی مؤثر ٹکنالوجیوں کے تئیں وسیع پیمانے پر تعاون کے لیے مصروف عمل ہیں۔ اس سے دنیا میں دوسروں کے لیے بھی راہیں ہموار ہوں گی۔ آج ہوئے دیگر معاہدوں سے ہمارے تعاون کی گونا گونیت اور گہرائی کی عکاسی ہوتی ہے۔ آج ہم نے اپنی سکیورٹی کے تعاون کے لیے دو اہم فیصلہ کن اقدامات کیے ہیں۔ یہ دو معاہدے ہمارے دفاعی تعلقات کو مضبوط کریں گے اور ان سے ہندوستان میں دفاعی پیداوار کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس سے مسلح افواج کے تینوں شعبوں میں توسیع اور مالابار بحری مشق میں جاپان کی شراکت داری کا فیصلہ مستحکم ہوا ہے۔

گذشتہ برسوں میں ہماری علاقائی شراکت داری کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔ امریکہ کے ساتھ ہم نے سہ رخی مذاکرات میں بھی پیش قدمی کی ہے اور آسٹریلیا کے ساتھ ایک نئی شراکت داری کا آغاز ہوا ہے۔ ایک شمولیت والی، متوازن اور کھلے علاقائی ڈھانچے اور علاقے میں بحری سکیورٹی کو فروغ دینے کے لیے ہم مشرقی

ایشیا چوٹی کانفرنس میں مل جل کر کام کریں گے۔ ہم نیوی گیشن، اُوور اور فلائٹ اور سمندری تجارت کی آزادی کو یقینی بنانے کے تئیں مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم ہیں۔ تنازعات کے پرامن حل کے تئیں پرامید ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تمام ممالک سمندری امور سے متعلق بین الاقوامی قوانین وضوابط پر عمل کریں گے۔ میں اپیک میں ہندوستان کی رکنیت کے لیے وزیراعظم آبے کی حمایت کو بھی سراہتا ہوں۔ ہم اقوام متحدہ کی اصلاحات شدہ سکیورٹی کونسل میں اپنے مناسب مقام کے لیے بھی کوشاں رہیں گے۔ ثقافت اور عوام ایک رشتے میں زندگی کی سانس لیتے ہیں۔ ہمارے قابل ذکر تعلقات میں بھی ایک حیرت انگیز انسانی جذبہ موجود ہے۔ کیوٹو - بنارس شراکت داری اس کی ایک مضبوط علامت ہے۔ گزشتہ برس وزیراعظم آبے نے کیوٹو میں میری ضیافت کی تھی۔ آج ہم انہیں بنارس کے قدیم ورثے اور اس کے جدید مستقبل کے لیے اپنے منصوبے دکھائیں گے۔ اخیر میں خصوصی رشتے کے اعتراف کرتے ہوئے ہندوستان یکم مارچ 2016 سے جاپان کے شہریوں کو ''آمد پر ویزا'' کے پروگرام میں وسعت دے گا اور اس میں جاپان کے وہ شہری بھی شامل ہوں گے جو بغرض تجارت یہاں آئیں گے۔ یہ عالمی طور پر وسعت دیے جارہے ''برقی ویزا'' سہولت سے مختلف ہے۔ عزت مآب، شدید بین الاقوامی مصروفیات کے عہد میں کچھ دورے واقعتاً تاریخی اہمیت کے حامل ہیں یا تعلقات کا رخ تبدیل کرتے ہیں۔ آپ کا دورہ، جناب وزیراعظم ، ان میں سے ایک ہے۔ ہم جیسے جیسے ہند- جاپان تعلقات کے ویژن 2025 کے حصول کے لیے کام کریں گے، ہم اپنے عوام کی خوشحالی کو فروغ دیں گے اور اپنے ویژن اور اقدار کے مطابق ایک ایشیائی صدی کا تعین کریں گے۔

عالمی معیار کے تعلیمی ادارے کی ضرورت: صدر جمہوریہ

☆صدر جمہوریہ جناب پرنب مکھرجی نے کولکاتہ میں دیب رنجن مکھرجی میموریل لیکچر دیا۔ اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے کہا کہ ہندوستان کا شمار عالمی معیار کے تعلیمی ادارے کے بغیر دنیا کے اعلیٰ ترین ممالک میں بغیر نہیں ہوسکتا اور بین الاقوامی برادری کی اعلیٰ میز پر بیٹھ نہیں سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ برسوں میں ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے بنیادی ڈھانچے میں بہتری آئی ہے۔ ہمارے ملک میں 712 یونیورسٹیاں اور 36 ہزار سے زائد کالج ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی دنیا کی اعلیٰ 200 رینکنگ میں نہیں ہے۔ ایک وقت ایسا تھا جب ہندوستان اعلیٰ تعلیم کے نظام میں غالب رول ادا کرتا تھا اور ہمارے پاس مشہور ومعروف تکشیلا، وکرمشیلا، ولبھی، سوماپورا اونتاپوری جیسے ادارے تھے۔ ہندوستان کو اسی عظمت کو حاصل کرنے کے لیے کام کرنا ہوگا جو اسے ماضی میں حاصل تھی۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ اعلیٰ تعلیم کے متعدد ادارے کے ویزیٹر کی حیثیت سے وہ مسلسل کانفرنس کرتے رہتے ہیں اور بین الاقوامی درجہ بندی میں بہتری کے لیے زور دیتے رہتے ہیں۔ بنیادی مسئلہ ہمارے ادارے میں صلاحیت کا فقدان نہیں ہے بلکہ تکنیک ہے اور ہمارے ادارے بین الاقوامی ایجنسیوں کو موزوں اطلاع فراہم نہیں کررہے ہیں۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ انہیں خوشی ہے کہ اب ادارے رینکنگ کے عمل کو سرگرمی سے اور سنجیدگی سے لے رہے ہیں۔ متعلقہ اداروں کی کوششوں کے باعث دو ہندوستانی ادارے دنیا کے ٹاپ 200 میں پہلی بار شامل ہوئے ہیں انھیں یقین ہے کہ مزید ادارے اس میں شامل ہوں گے۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ تصورات کے تبادلے کی ضرورت ہے۔ فیکلٹی اور طلبا کے تبادلے مسلسل ہوتے رہنے چاہیے۔ صدر جمہوریہ نے جناب دیب رنجن مکھرجی کو یاد کیا جنھوں نے انہیں سوری ودیا ساگر کالج میں تعلیم دی تھی۔ انھوں نے اس بات کو بھی یاد کیا کہ اس وقت کالج میں بہت اچھے اساتذہ تھے۔ میموریل لیکچر آنجہانی دیب رنجن مکھرجی کی یاد میں قائم کیا گیا ہے جو بنگالی زبان وادب کو پڑھاتے تھے۔

ہندوستان سی او پی 21 میں امیدوں پر کھرا اترا: پیوش گوئل

☆بجلی، کوئلہ اور جدید اور قابل تجدید توانائی کے وزیر جناب پیوش گوئل نے کہا کہ پوری دنیا پیرس میں منعقدہ سی او پی 21 میں ہندوستان کی طرف دیکھ رہی تھی اور ہم امیدوں پر پورا اترے۔ ہندوستان نے نہ صرف ترقی پذیر ممالک اور کم ترقی یافتہ ممالک کے مفادات کے تحفظ بلکہ ماحولیاتی انصاف، مساوات اور سبھی کے لیے شفافیت سے متعلق آئندہ نسلوں کی گہری تشویش کو بھی متوازن کرنے کے لیے قیادت فراہم کی۔ جناب پیوش گوئل، ان خیالات کا اظہار پنے میں منعقدہ عالمی لیڈرشپ ڈائیلاگ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ پیرس میں اختتام پذیر سی او پی 21 میں حقیقی قیادت دیکھنے کو ملی جس میں اپنے مختلف خیالات وتصورات کے ساتھ 196 ممالک نے شرکت کی تاکہ دنیا کو لاحق مشکل ترین مسائل ماحولیاتی تبدیلی اور عالمی حدت پر قابو پایا جاسکے۔

غیر جانبداری کی پالیسی امن، عدم تشدد اور تنازعات کے پرامن حل کی پالیسی ہے: نائب صدر جمہوریہ کا خطاب

☆نائب صدر جمہوریۂ ہند جناب ایم حامد انصاری نے گذشتہ روز ترکمانستان کے شہر اشک آباد میں منعقدہ بین الاقوامی غیر جانبداری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر جانبداری کی پالیسی امن، عدم تشدد اور تنازعات کے پُر امن حل کی پالیسی ہے۔ اس کانفرنس کی ضیافت ترکمانستان کے صدر قربان قلی بردی محمدوف نے کی جس میں متعدد رہنماؤں اور اہم شخصیات نے شرکت کی۔ نائب صدر جمہوریہ نے کہا کہ غیر جانبداری کا تصور اور سیاسی نظریے کے طور پر اس کے استعمال سے ہندوستان بخوبی واقف ہے اور بنیادی اقدار میں شامل غیر جانبداری کی پالیسی دراصل امن، عدم تشدد اور تنازعات کے پرامن حل کی پالیسی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں اور غیروابستہ تحریک (این اے ایم) کے اپروچ میں قابل ذکر مماثلت ہے۔ غیر وابستہ تحریک کا بنیادی مقصد عالمی امن وسلامتی کا تحفظ رہا ہے۔ نائب صدر جمہوریہ نے کہا کہ ترکمانستان کا غیر جانبدار رہنے کا باضابطہ طور پر اعلان ایک تاریخ ساز فیصلہ تھا، جس نے بین الاقوامی امن و تعاون کے بنیادی اصولوں کا احترام کرتے ہوئے اپنی شرطوں پر ترقی کے لیے راہیں ہموار کیں۔ یہ دانشمندانہ اور قابل عمل ویژن شروع سے ہی ترکمانستان کی خارجہ پالیسی کا سنگ میل رہا ہے اور اس نوخیز ملک کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔

☆☆☆

Our Publications...

...Treasure Trove of Knowledge

Publications Division
Ministry of Information & Broadcasting
Goverment of India

Soochna Bhawan, CGO Complex, Lodhi Road, New Delhi-110003.
Tel : 011-24367260, 24365609

website : publicationsdivision.nic.in
www.facebook.com/publicationsdivision

For more information and business queries,contact : **e-mail: dpd@sb.nic.in, businesswng@gmail.com**

YOJANA (URDU)
January 2016
RNI NO.27032/81
VOL. 35 NO. 10
(Special Issue) Price 20/=
Annual Subscription Rs 100/=
No. Page 76

PANORAMA OF INDIAN CINEMA

For further details please contact:
Business Manager, Publications Division
Soochna Bhawan CGO Complex, Lodhi Road, New Delhi-110003
Ph:011-24367260,Fax-011-24365609

PUBLICATIONS DIVISION
MINISTRY OF INFORMATION & BROADCASTING
GOVERNMENT OF INDIA

e-mail:dpd@sb.nic.in, dpd@hub.nic.in
website: publicationsdivision.nic.in

DPDB-H-09/15

ISSN 0971. 8338

Printed and Published by ***Dr. Sadhana Rout***, ADG & Head on behalf of Publications Division, Ministry of I&B, Govt. of India, printed at Akashdeep Printers 20 Ansari Road,Daryaganj, New Delhi
published at Publications Division,Soochna Bhavan,C.G.O.Complex, New Delhi-110003 *Editor:* ***Dr Abrar Rahmani***